بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُس وقت جبکہ امیرؔ نے میدانِ سخن میں قدم رکھا ہے شاعری کا آفتاب اوجِ کمال پر تھا۔ معنی آفرینی بلند خیالی شوکتِ الفاظ لازمۂ شاعری ہو گئی تھی۔ معانی و بیان فصاحت و بلاغت۔ استعارات و تشبیہات۔ صنائع و بدائع کے دریا بہہ رہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ناسخؔ نے جس طرح زبان کی اصلاح کی تھی اُسی طرح شاعری کی بھی جدید بنیاد ڈالی تھی۔ اُنھوں نے اور اُن کے ہمعصروں نے صائبؔ و کلیمؔ سلیمؔ کی گویائی اختیار کی۔ تخیل کو بہت بلندی پر پہونچا دیا جس سے شعر میں زور اور لنگ پیدا ہو گیا۔ بندش ایسی چست جیسے گندھی ہوئی چوٹی۔ صفائی ایسی جیسے مصفا آئینہ کہ شاہدِ معنی کی صورت دور سے نظر آجائے مثلاً

ناسخ

بلبل ہوں بوستانِ جنابِ امیرؔ کا | روح القدس ہے نام مرے ہم صفیر کا
بیعت خدا سے ہے مجھے بے واسطہ نصیب | دستِ خدا ہے نام مرے دستگیر کا
مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا | طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا
پھر بہار آئی چمن میں زخمِ دل آلے ہوئے | پھر مرے داغِ جگر آتش کے پرکالے ہوئے
مسی مالیدہ لب پر رنگِ پان ہے | تماشا ہے تہِ آتش دھواں ہے
بگڑ دوں آہیں کروں پر دخل کیا آواز کا | نیر جو آواز دے ہے نقص تیرا انداز کا

جل اٹھا باغ اسکی برقِ حسن کی تاثیر سے — پھول اب گلچیں اٹھاتے ہیں تو آتشگیر ہے

یادِ لب سے گرمیِ داغِ دلِ دیوانہ ہے — آتشِ یاقوت سے روشن چراغِ خانہ ہے

یہ اسکے ہے ساعد و لکا عالم کہ جس نے دیکھا ہو وہ یہ دم — نیامِ تیغِ قضا ہے مبرم لقب ہے قاتل کی آستین کا

مانعِ صحرا نوردی پاؤں کی ایذا نہیں — دل دکھا دیتا ہے پھر اٹوٹ جانا خار کا

سیہ بختی میں کوئی کب کسی کا ساتھ دیتا ہے — کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انساں سے

ہو وطن میں خاک پیر گوہرِ مضمون کی قدر — لعل قیمت کو پہونچتا ہے بدخشاں چھوڑ کر

آتش

خدا سمجھے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا — جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہوا ایسے سنبلستاں کا

بہارِ لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں — گریباں پھاڑ کر چل بیٹھے صحرا کے دامن میں

بتوں کے عشق نے آخر دکھایا دل کو انکے بھی — برہمن پردۂ ناقوس میں فریاد کرتے ہیں

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

اسیر

ازل سے سلسلہ ہے اس جنونِ فتنہ ساماں کا — شگافِ خامۂ کن چاک ہے میرے گریباں کا

دل کو نالوں کی دمِ نزع ہوس باقی ہے — منزل آخر ہوئی فریادِ جرس باقی ہے

روح کے ساتھ ہی قالب میں قضا بھی آئی — شمع آئی مرے گھر میں تو ہوا بھی آئی

خدا جانے یہ کس کی جلوہ گاہِ ناز ہے دنیا — ہزاروں اٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے محفل کی

وزیر

چلا ہے او دلِ راحت طلب کیا شادماں ہو کر — زمینِ کوئے جاناں رنج دیگی آسماں ہو کر

اسی باعث تو قتلِ عاشقاں سے منع کرتے تھے — اکیلے پھر رہے ہو یوسفِ بے کارواں ہو کر

نہ کیا ذبح گیا چھوڑ کے بسمل قاتل — وہیں زخم پکارا کیا قاتل قاتل

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دلگیر کو — کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

ایسی پُر زور گویائی اور ایسی پاکیزہ بندشِ قبل ازیں کہاں تھی اس جدت نے ایسی مقبولیت حاصل کی کہ اُسکا اثر لکھنؤ تک محدود نہیں رہا بلکہ عالمگیر ہو گیا۔

ہر قابل شاعر اسی جادے پر گامزن ہونے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ یہ رنگ عہ۱ ہی ایسا تھا کہ جو ذی ہوش دیکھتا مدہوش ہو جاتا تھا ملاحظہ ہو ناسخ اور ذوق کا ایک ایک مطلع

ناسخ — مرتبہ کم اوجِ رفعت سے ہمارا ہو گیا — آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا

ذوق — نام یوں پستی سے بالاتر ہمارا ہو گیا — جس طرح پانی کنوئیں کی تہ میں تارا ہو گیا

مرزا غالب نے ناسخ کے ایک مصرع پر مصرع لگا کر انکے پایۂ اعتبار کا اعتراف ایسے لطیف پیرائے میں کیا ہے جو قابلِ داد ہے ۔

غالب اپنا بھی عقیدہ ہے بقولِ ناسخ — آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

اور لکھنؤ کی سرزمین کا تو خاصہ تھا کہ جس چیز کی طرف توجہ کی اسکو آسمان تک پہونچا دیا ۔ مرثیہ گوئی کی تو ایک نئی دنیا آباد کر دی عہ۲ غرض اس پُر زور شاعری کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعرائے لکھنؤ نے گوناگون جواہر افکار کا بڑا خزانہ جمع کر دیا اور دنیا کی آنکھیں کھولدیں کہ دیکھو شاعری اسکو کہتے ہیں

زمینِ شعر را از فکرِ عالی آسماں کردہ — خدا رحمت کند ایں شاعرانِ نکتہ پرور را

عہ۱ اسوقت سوسائٹی کا مذاق یہ تھا کہ اس رنگ کے خلاف کوئی شعر کہتا تو اُس شاعری کو لوگ حقیر سمجھتے تھے اور محض بول چال میں شاعری کیجاتی جس میں صرف زبان کی چاشنی ہوتی تو اُس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی تھی ۔

عہ۲ قبل ازیں بہت سی شاعروں نے مرثیہ گوئی کی تھی مگر انیس و دبیر کی شاعری کا زور اُن لوگوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں ہوا ۔ اسکی وجہ ظاہر ہے کہ ناسخ کے دور نے ہر صنفِ شاعری میں ایک نئی روح پھونکدی تھی ۔

اس طبقے میں حضرت امیر ممتاز نظر آتے ہیں کیونکہ علاوہ سرمایۂ علمی و قادر الکلامی اور سخن گوئی کے قدرت نے
ان میں ایسی جامعیت ودیعت کی تھی کہ تمام اصناف سخن میں یکساں قوت کے ساتھ شعر کہتے تھے۔ کوئی شاعر
غزل گو تھا کوئی قصیدہ گو۔ کوئی مسدس مثنوی گو۔ کوئی تاریخ گو۔ اور امیر ہمہ گو تھے۔

دوسری جامعیت امیر میں تغزل کے متعلق خاص تھی یعنی امیر کے تغزل میں ناسخ و اسیر کی بلند خیالی۔
آتش کی گرم بیانی۔ درد و سوز کا سوز و گداز۔ مصحفی و میر کے نشتر۔ سودا کا خنجر سبھی کچھ نظر آتا ہے اور یکجا نظر
آتا ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حقیقت یہ ہے کہ امیر نے اس کثرت سے معنی آفرینی کی ہے کہ تعین دشوار ہو گیا ہے۔ دو چار موتی
کہیں سے ہوں تو ان پہ ہر ایک کی نگاہ پڑتی ہے مگر جہاں انمول موتیوں کا خزانہ ہو وہاں نظر کیا کام
کر سکتی ہے۔ بلااشتباہ یہی صورت ہے۔ کثرت ظہور کی نسبت حضرت امیر نے خود ایک جگہ کہا ہے ؎

یہ رنگ انکی شان تجلی کے دیکھئے　　　اتنے عیاں ہوئے کہ نظر سے نہاں رہے

امیر کے دو دیوان عاشقانہ ہیں ایک دیوان نعتیہ ہے۔ قصاید ہیں۔ واسوختوں کا مجموعہ ہے
مسدسات نعتیہ و حجیہ ہیں مثنویاں ہیں۔ قطعات ہیں تاریخیں ہیں۔ میں ان سب کو یکے بعد دیگرے
ناظرین کے ملاحظہ سے گزاروں گا تاکہ امیر کی جامعیت کا جو ذکر کیا گیا ہے کہ ہر صنف میں یکساں قوت کیساتھ
شعر کہتے تھے اس کا اندازہ ہو جائے۔ اسکے بعد امیر اللغات ہے مکتوبات ہیں اور دو چار کتابیں نثر کی بھی ہیں
انکے نمونے بھی پیش کئے جائیں گے۔

غزلیات کا پہلا دیوان جسکو امیر کے افکار رنگین کا چمن کہنا چاہئے اور جس میں رنگا رنگ اچھوتے پھول بکثرت
ہیں مراۃ الغیب ہے۔ اس دیوان سے اشعار کا انتخاب کرنا کچھ آسان نہیں ہے کسکو چھوڑا جائے کس کو لیا جائے اور یہ
ممکن نہیں کہ سب منتخب اشعار ان اوراق میں لے لئے جائیں اتنی گنجائش کہاں ؎

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار　　　گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

تاہم جتنے شعر لئے گئے ہیں وہ کافی سے زیادہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں

مرآة الغیب

کچھ غم نہین جو پیش ہے دفتر قصور کا
عنوانِ نامہ نام ہے ربِّ غفور کا

غفور کے لفظ نے شعر کو کسقدر بلیغ کر دیا ہے یعنے داورِ محشر جب نامۂ عصیان کے عنوان مین لفظ غفور دیکھیگا جسکے معنے بخشنے والے کے ہین تو اسکو بخشتے ہی بنیگی۔

زاہد لحاظ رکھ کہ نہ گُل ہو چراغِ زہد
جھونکا نہ آنے پائے ہوائے غرور کا

مرغِ عصیان اُڑکے صیدِ بازِ رحمت ہوگیا
دنگ شاہینِ ترازوے عدالت ہوگیا

شاہینِ عدالت تو یہ چاہتا تھا کہ مرغ عصیاں کی گرفت کرے لیکن بازِ رحمت نے پہلے ہی شکار کرلیا اور شاہینِ عدالت حیران رہگیا۔ حاصل یہ کہ رحمت سے گناہ عفو ہوگئے پرسش کی نوبت ہی نہ آئی۔

تشنگی مین کوثر و تسنیم کے چشمے پہ ہم
اسطرح پہنچے کہ رضوان غرقِ حیرت ہوگیا

نہ چھوڑا تار کوئی دستِ وحشت نے گریباں کا
دیا ہرچند مین نے واسطہ یوسف کے داماں کا

جوابِ روضۂ رضواں ہے تختہ کوئے جاناں کا
قضا چھڑکاؤ کرتی پھرتی ہے خونِ شہیداں کا

مرے ہی سامنے دامن اٹھا کر ناز سے چلنا
مجھی سے پھر گلہ ظالم مرے چاک گریباں کا

مضمون بہت بڑا تھا اُس کو بول چال کے پیرائے مین اِس لطف سے ادا کردیا ہے کہ کرامت معلوم ہوتی ہے۔

جگر کو دوں کہ دل کو دوں بتا اے ناوکِ قاتل
کہ دو پیاسو مین ہے یہ ایک قطرہ آبِ پیکاں کا

نشتر

کہاں ساماں تھا وحشت میں کہ نامہ یار کو لکھتا
دیا قاصد کو پرزہ پھاڑ کر میں نے گریباں کا

یہ ایسا پرزہ دیا ہے جس سے بے سامانی اور خستگی کی کیفیت بے لکھے حالی ہو جائے

امیر آئینگے کیا کیا شمع ور اتوں کو چھپ چھپ کے
نیا انداز ہوگا میرے مدفن پر چراغاں کا

صائب کا رنگ

پوچھا نہ جائے گا جو وطن سے نکل گیا
بیکار ہے جو دانت دہن سے نکل گیا

عاشقانہ

خلعت پہن کے آئینگی تھی گھر میں آرزو
یہ حوصلہ بھی گور و کفن سے نکل گیا

تشبیہ نادر

پہلو میں میرے دل کو نہ اے درد کر تلاش
مدت ہوئی غریب وطن سے نکل گیا

سارا جہاں نام کے پیچھے تباہ ہے
انسان کیا عقیق یمن سے نکل گیا

چونکہ عقیق کے نگ پر اکثر نام کندہ کیا جاتا ہے۔ لہذا یمن سے نکلنا دلیل ہے کہ اس کو بھی نام کی ہوس نے گھر سے نکالا ہے۔

مرغانِ باغ تم کو مبارک ہو سیرِ گل
کانٹا تھا ایک میں سو چمن سے نکل گیا

ماہر بیتوں کا مضمون ہے

وعدہ نہیں ہے حشر کے دن کس سے دید کا
حصہ ابھی سے بانٹ رہے ہیں وہ عید کا

نادر مضمون ہے

اللہ رے انقلاب جہانِ پلید کا
خونِ حسین غازہ ہے روئے یزید کا

شاعری کا نچوڑ ہے

قاتل کے کان تک نہیں پہنچی ابھی فغاں
کیوں تیغ نے گلے کو دیا خط رسید کا

ہوتے ہیں تر پسینے سے آغوش میں حسین
پھولوں سے مجھکو بو ہے عرق کی کشید کا

کیونکر کہوں نہیں طرفِ قرب حق امیر
پھندا مرے گلے میں ہے حبل الورید کا

اہلِ محشر پہ ہے احسان تیرے دیوانے کا
سر کو ٹکرا کے درِ باغِ ارم توڑ دیا

صفحۂ دہر پہ صورت گرِ قدرت نے امیر / اسکی تصویر وہ کھینچی کہ قلم توڑ دیا

پچھتا رہے ہیں خون مرا کرکے آپ کیوں / اب اس پہ خاک ڈالئے جو کچھ ہوا ہوا

زائل ہوئی نہ بھیس بدلنے سے بوئے عشق / تصویر میں بھی رنگ ہے رخ سے اڑا ہوا

ہے دل کا سرد مہریِ معشوق سے یہ حال / جیسے درخت برق سے کوئی جلا ہوا

مٹائے دیدہ و دل دونوں میرے اشکِ خونیں نے / عجب یہ طفل ابتر تھا نہ گھر رکھا نہ در رکھا

نہ کی کس نے سفارش میری وقتِ قتل قاتل سے / کماں نے ہاتھ جوڑے تیغ نے قدموں پہ سر رکھا

برابر آئینے کے بھی نہ سمجھے قدر وہ دل کی / اسے زیرِ قدم رکھا اسے پیشِ نظر رکھا

جلانا چاہتی ہے جب کسی سرسبز گلشن کا / تو بجلی طرف کرلیتی ہے پہلے ہی خرمن کا

نہ پوچھو دیکھنے کا حال ہم سے کچھ نہیں کہتا / کیا نرگس کی آنکھوں سے تماشا سارے گلشن کا

نرگس بظاہر آنکھیں کھولے ہوئے ہے مگر اسکو کچھ نظر نہیں آتا۔

بہار آئی ہے اے دستِ جنوں پھر یاد آئی ہے / گریباں سے گلے ملنے چلا ہے چاک دامن کا

نہ گل ہنستے نہ غنچے مسکراتے دونوں روتے ہیں / نہیں ہو بلبلو آتا نہیں انداز شیون کا

ہلال و بدر دونوں میں امیر اسکی تجلی ہے / یہ خاکہ ہے جوانی کا وہ نقشہ ہے لڑکپن کا

غبار اس کے لبِ بام تک بلند ہوا / ہوائے تند سا جھونکا مجھے کمند ہوا

میرے غبار کو ہوا نے بامِ یار تک پہنچایا گویا اس نے کمند کا کام کیا۔

جدّت

جہاں کسی کا دُکھا دل میں درد مند ہوا — جلائیں آگ پہ نالاں اگر سپند ہوا
لکھا تھا خط میں جو حال اپنی چشمِ حیران کا — ہزار بند لفافہ کیا نہ بند ہوا
امیر پائے طلب جب سے توڑ کر بیٹھے — کبھی نہ ہاتھ سوِ اغنیا بلند ہوا

رفعت و جدت
عجیب قیدی ہیں عجیب پالا ہے
مضمون کی ندرت کو کشاکش نے اور بڑھا دیا

تڑپنے میں دکھا جاتی ہے کچھ انداز بسمل کا — مگر کھایا ہے چرکا برق نے بھی تیغِ قاتل کا
لگا خنجر جو سینے پر ہوئے کیا کیا رہا قیدی — ہزاروں حسرتیں نکلیں جو دروازہ کھلا دل کا
ٹھہریں اک ذرا دم لینے دو پھر لے کے گھر لینا — ابھی تو میں تھکا ماندا چلا آتا ہوں منزل کا
نئی معراج پائی ہے غبارِ گورِ مجنوں نے — بگولا جو اٹھا قبہ بنا لیلیٰ کے محمل کا
امیر اتنا ہوا ثابت کشاکش سے نفس کی — مسافر کو لئے جاتا ہے کھینچے شوق منزل کا

چشم بد دور

ہو گیا بند درِ میکدہ کیا قہر ہوا — باب توبہ کی طرح اسکو کھلا رہنا تھا
چشمِ نرگس نہ ملی دیدۂ آہو نہ ملا — اے حیا تجھکو انھیں آنکھوں میں کیا رہنا تھا
تھا اگر فتنۂ محشر کو دوبالا ہونا — قامتِ یار کے سائے میں پڑا رہنا تھا

پوچھ لے قاتل زبانِ تیغ سے سب سرگذشت — کشتے کس منہ سے بتائیں کیا ہوا کیونکر ہوا
دل اگر ہے صاف کچھ مشکل نہیں دیدارِ یار — دیکھ لو آئینہ صورت آشنا کیونکر ہوا

صاف بسمل کا رنگ

زخمِ دل ہمکو بتا دیتے ہیں تیرے تیر کا — دام ہے نقشِ قدم بھاگے ہوئے نخچیر کا
کوئی شکار زخمی ہو کر بھاگ جائے تو اُس کا نقشِ قدم اُس کی گرفتاری کا باعث

ہوتا ہے اسی طرح زخمِ دل سے چھپے ہوئے قاتل کا نشان ملجاتا ہے ۔

عبرت

ظالموں میں بھی ہوا ماتم ترے نخچیر کا — روتی ہے منہ پر کماں رکھ رکھ کے پلہ تیر کا

آئنہ سکتے میں آجاتا ہے مجھکو دیکھ کر — منہ تکا کرتی ہے حیرانی مری تصویر کا

تصویر حیرت

طوقِ مجنوں کی گرانی کیا اٹھاتا ہوں پر جیسے — ایک حلقہ ہے مری اتری ہوئی زنجیر کا

کیا حقیقت دو جہاں کی وسعتِ دل کے حضور — لامکاں اک مختصر گوشہ ہے اس تعمیر کا

گرم بازارِ تجلی تیری باتوں سے ہوا — لَو ہے شمعِ طور کی شعلہ تری تقریر کا

گردباد آسا ازل سے ہوں میں وحشی امیر — خاکِ غربت سے بنا خاکہ مری تصویر کا

جوہر کی طرح تیغ سے جب دل لپٹ گیا — میرے گلے سے دوڑ کے قاتل لپٹ گیا

پروائے ننگ و عار نہ کر عشق میں امیر — پروانہ شمع سے سرِ محفل لپٹ گیا

صاف کہتے ہو مگر کچھ نہیں کھلتا کہنا — بات کہنا بھی تمہارا ہے معما کہنا

رو کے اس شوخ سے قاصد مرا رونا کہنا — ہنس پڑے آپ تو پھر حرفِ تمنا کہنا

تشبیہ

مثلِ مکتوب نہ کہنے میں ہے کیا کیا کہنا — نہ مری طرزِ خموشی نہ کسی کا کہنا

مکتوب بے زبان ہو کر بھی سب کچھ بتا دیتا ہے اسیطرح میری خموشی دوسروں کی تقریر سے بہتر ہے —

پھاڑ کھاتا ہے جو غیروں کو جھپٹ کر سگِ یار — میں یہ کہتا ہوں مرے شیر ترا کیا کہنا

تعلیم اخلاق

کیسے نادان ہیں جو اچھے کو برا کہتے ہیں — ہو برا بھی تو اسے چاہیئے اچھا کہنا

چستیِ طبع سے استاد کا ہے قول امیر — ہو زمیں سست مگر چاہیئے اچھا کہنا

ندرت

قدمِ قاصدِ جاناں سے فخرِ خانہ ہوا — قدمِ رسول مرا سنگِ آستانہ ہوا

قدم رسول وہ پتھر ہے جس پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان ہوا اور رسول قاصد کو بھی کہتے ہیں۔ یعنے قاصدِ جاناں کے آنے سے گھر کو یہ فخر حاصل ہوا کہ سنگِ در قدم رسول ہو گیا۔

ریاضِ دہر میں پوچھو نہ میری بربادی — بہ رنگ بو ادھر آیا ادھر روانہ ہوا

تعلیم سخاوت

خدا کی راہ میں دینا ہے گھر کا بھر لینا — ادھر دیا کہ ادھر داخلِ خزانہ ہوا

شوخی بیکلی

جنوں کا جوش گھٹا تھا کہ بوئے گل آئی — سمندِ ہوش کو تھا کہ تازیانہ ہوا

امید جا کے نہیں اس گلی سے آنے کی — برنگِ عمر مرا نامہ بر روانہ ہوا

رفعت

کس تزک سے وعدہ آیا اس رخِ پُرنور کا — آگے آگے سیکڑوں کا تھا شمعِ طور کا

جدت

اس قدر مشتاق ہوں زاہد خدا کے نور کا — بت بھی ہوا یا کبھی میں نے تو سنگِ طور کا

کہہ دیا اچھی قیامت یہ مرا احسان ہے — بند ہے دم میرے نالوں کی بدولت صور کا

شوخی اور بانکپن

خیرِ جاری کا جو ہے آخرت واعظ بیاں — وقف کر دو مولوی لیکر باغ انگور کا

ہے غضب کا شوخ وہ بت ہو جو صحبت دو گھڑی — چٹکیاں لیں لیلے کے زانو لال کر دے حور کا

مرثیے کا رنگ

قصرِ تن بگڑا کسی کا گورکن کی بن پڑی — گھر کسی کا گر پڑا گھر بن گیا مزدور کا

جدت

ہوا یہ جوشِ شبِ ہجر دیدۂ تر کا — چراغ دیدۂ ماہی بنا مرے گھر کا

چشم تر کے جوش سے گھر آب آب ہو گیا اور چراغِ خانہ پر دیدۂ ماہی کا گماں ہونے لگا۔

جس غنچہ لب کو چھیڑ دیا خندہ زن ہوا — جس گل پہ ہم نے رنگ جمایا چمن ہوا
اخگر کی طرح نیست بتدریج تن ہوا — تن پیرہن تو پیرہن اپنا کفن ہوا

اخگر کا جسم خاکستر ہو کر پیرہن ہو جاتا ہے اور وہی رفتہ رفتہ اُسکا کفن بن جاتا ہے یعنے اخگر نیست ہو جاتا ہے یہی حال میرے تن کا ہوا کہ رفتہ رفتہ نیست ہو گیا۔

چھیڑا جو میں نے یار کو گرم سخن ہوا — پیدا مری زبان سے اسکا دہن ہوا
ہو عکس آئنے میں پڑے اور پٹ گئے — اس گھر میں جو گیا وہ غریب الوطن ہوا
مستی نے جام بن کے اڑائے جہاں کے ہوش — پتھر ہوا جو شیشہ تو توبہ شکن ہوا
رکھنا تھا اک پرستش روز حساب سے — اسواسطے عطا نہ بتوں کو دہن ہوا

چھاتی ہی پھاڑ پھاڑ کے اسمِ شراب تھا — کیا صرف کار خیر مرا پیرہن ہوا
تار نگاہ و تار نفس سب ہوئے تمام — تب چارہ گر کسی کو میسر کفن ہوا
یعقوب وار کھل گئیں آنکھیں مرا ابیں — یوسف کا پیرہن مرے حق میں کفن ہوا
ممنون چارہ گر نہ ہوا میں ہزار شکر — ہر داغ تازہ مرہم داغ کہن ہوا
صیاد قید میں مجھے کیا خواہش چمن — جھاڑے جو بال و پر تو قفس بھی چمن ہوا
نعم البدل دیا مجھے اللہ نے امیر — دل ہو گیا جو خون تو رنگیں سخن ہوا
خلوت میں تھا تو شاہد معنی تھا میں امیر — خلوت سے انجمن میں جو آیا سخن ہوا

آنسو زمیں پہ آتے ہی تغیر ہو گیا — یہ طفل ہے جواں ہوئے پیر ہو گیا
پہلے تو ایک صفحہ سادہ تھا آئنہ — دیکھا جو اُس نگار نے تصویر ہو گیا

نو دریجی

دل مرا کشتہ ہے یا رب کس شہادت گاہ کا
ہر شگاف زخم دروازہ ہے بیت اللہ کا

پائے استغنا سے تم ٹھوکر لگاؤ گے ہزار
سر نہ سجدے سے اٹھیگا بندۂ درگاہ کا

عرصۂ محشر سے واعظ کیا ڈراتا ہے مجھے
وہ بھی اک میدان ہے میری شہادت گاہ کا

گلہ زباں پہ نہ لاتا تھا بے وفائی کا
امیر ڈوب گیا نام آشنائی کا

دکھا دو جلوہ جو دعویٰ ہے خودنمائی کا
مجھے یقین نہیں آتا کسی سنائی کا

گستاخیہ

نہ بے وفائی کا ڈر تھا نہ غم جدائی کا
مزہ میں کیا کہوں آغاز آشنائی کا

میں طول روز قیامت کو سنکے ڈرتا ہوں
کہ دن نہ ہو وہ کہیں یار کی جدائی کا

ابھی تو فیصلہ ہوتا ہے سارے جھگڑوں کا
زبان تیغ سے پیغام دو صفائی کا

ہزار بار قیامت جہاں میں آ بھی گئی
چڑھا ہے چار گھڑی دن ابھی جدائی کا

عاشقیہ

کسی گنہ پہ کوئی قتل ہو میں کہتا ہوں
کہ اس سے جرم ہوا ہوگا آشنائی کا

بہار آئی ہے پھر خیر ہو خداوندا
جنوں کے ہاتھ میں دامن ہے پارسائی کا

جدت

اٹھا جو درد تو گھبرا کے میرے دل نے کہا
کہ تو بھی داغ مجھے دے گا کیا جدائی کا

نادر شعر

شب وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا

یہ جوش حسن سے تنگ آئی ہے قبا انکی
کہ بند بند ہے خواہاں گرہ کشائی کا

نہیں ہے مہر لفافے پہ جوڑ کے اب تو مہر
یہ داغ ہے مری قسمت کی نارسائی کا

بدن میں روح کو آنے سے کام کیا تھا امیر
چلن دکھانے کو آئی تھی بے وفائی کا

گذر نہیں ہے حرم میں تو دیر کو چلیے
امیر کام کہیں بند ہے خدائی کا

دل میں جب بہار خیالِ زلفِ جاناں ہو گیا
آنکھ میں خوابِ پریشاں سنبلستاں ہو گیا

دل کسی کا ہاتھ میں لانا ہے دولت کی دلیل
نگینہ جسکو ہاتھ آیا سلیماں ہو گیا

گل ہوا غنچہ تو اس سے یہ صدا آئی امیر
جمع پھر ہوتا نہیں جب دل پریشاں ہو گیا

نامۂ اعمال ہے جب تک نہیں ملتا امیر
میرے ہاتھ آیا یہ اور میرا گریباں ہو گیا

نقش تصویر
سبحان اللہ
جنون کا مضمون اس سے اعلیٰ کیا ہو گا

بے نشانی کا ہیں آخر یہ سزاوار نہ تھا
دہن یار نہ تھا کچھ کمرِ یار نہ تھا

فتنہ تھا قہر تھا جلوہ ترا اے یار نہ تھا
جب تلک دل کو سنبھالا تو نہیں دل زار نہ تھا

جب کہا اس نے شبِ غم کوئی غمخوار نہ تھا
درد نے اٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نہ تھا

کیا بلا تھی نگہِ مست یا ساقی کی
اٹھ گئی آنکھ تو کوسوں کوئی ہشیار نہ تھا

جوشِ وحشت ہے کہتے ہیں کہ آتی ہے بہار
ہاتھ ڈالا تو گریباں میں کوئی تار نہ تھا

بات رکھ لی مری قاتل نے گنہگار ہوں میں
اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

وجد کے قابل
[illegible]

بندہ نواز یوں ہی یہ بولا کہ کریم تھا
کرتا نہ میں گنہ تو گنہ عظیم تھا

کیوں تیغِ ناز بھول گئی مجھکو وقتِ قتل
میں بھی تو اک نیاز گزارِ قدیم تھا

مانگا جو میرے دل کو درِ گوشِ یار نے
دیتے ہی بن پڑی کہ سوالِ یتیم تھا

ہم سے جو وہ کھچا یہ گلے سے لپٹ گیا
قاتل سے بڑھ کے خنجرِ قاتل کریم تھا

کیا کیا نہ آفتوں سے بچے ہم کو سامنے
یارب شباب تھا کہ بلائے عظیم تھا

پہنچے تو ہم بھی جلوہ گہِ یار میں مگر
دو اک قدم بڑھا ہوا پائے کلیم تھا

کچھ انکو زیبِ گوش کی حاجت نہ تھی مگر
منظور پردہ پوشی تھی کہ گوہر یتیم تھا

ندرت

سامانِ عفو کیا میں کہوں مختصر یہ ہے | بندہ گناہ گار تھا خالق کریم تھا
اسکو کہاں دماغِ تجلی تھا طور پر | سارا ظہور جلوۂ شوقِ کلیم تھا
قاتل کے خط سے قتل کا ہوتا نہ کیوں یقین | عنوان نامہ آیۂ فتحِ عظیم تھا

ہر جگہ جوشِ محبت کا نیا عالم ہوا | آنکھ میں آنسو جگر میں داغ دل میں غم ہوا
میں ترا ممنون ہوں اے گریۂ بے اختیار | جب پڑی مجھ پر مصیبت تو شریکِ غم ہوا
چارہ گر کو لائے ہیں احباب ان کے لیے | لو مرا زخمِ جگر بھی قابلِ مرہم ہوا
مار ڈالا روزِ اول کی نگاہِ لطف نے | ایک دم کا عیش تھا لیکن عمر بھر کا غم ہوا
رات بھر رویا کیا ہے یار میں گلزار میں | صبح کو دیکھو تو رخصت صورتِ شبنم ہوا
لذتِ شرمِ گنہ تھی کب فرشتوں کو نصیب | یہ مزا چکھنے کو پیدا خلق میں آدم ہوا
میرے زخموں کی ہنسی پر مجھکو رونا آگیا | یہ خوشی بھی کچھ خوشی تھی جسکا ایسا غم ہوا
تنگ آکر جب دعا فرقت میں مانگی موت کی | حسرتیں بگڑیں مزاجِ آرزو برہم ہوا

وہ کون تھا جو خرابات میں خراب نہ تھا | ہم آج پیر ہوئے کیا کبھی شباب نہ تھا
کہا جو میں نے کہ یوسف کو یہ حجاب نہ تھا | تو ہنس کے بولے وہ منہ قابلِ نقاب نہ تھا
لحاظ ہم سے نہ قاتل کا ہو سکا دمِ قتل | سنبھل سنبھل کے تڑپتے وہ اضطراب نہ تھا
فلک نے افسرِ خورشید سر پہ کیوں رکھا | سبوئے بادہ نہ تھا ساغرِ شراب نہ تھا
ہزار بار گلا رکھ دیا تہِ شمشیر | میں کیا کروں تری قسمت ہی میں ثواب نہ تھا
سوالِ وصل کیا یا سوالِ قتل کیا | وہاں تمہارے سوا دوسرا جواب نہ تھا

لپٹ کے چوم لیا منہ مٹا دیا انکا — نہیں کا ان کی سوا اسکے کچھ جواب نہ تھا
کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا — ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا
مرے جنازے پہ اب آتے شرم آتی ہے — حلال کرنے کو بیٹھے تھے جب حجاب نہ تھا
وہ بیٹھے بیٹھے جو دے بیٹھے قتل عام کا حکم — ہنسی تھی ان کی کسی پر کوئی عتاب نہ تھا
جو لاش بھیجی تھی قاصد کی بھیجتے خط بھی — رسید وہ تو مرے خط کی تھی جواب نہ تھا

نئی بندش ہے۔ اس غزل کا ہر شعر زبان کا نشتر ہے۔

اے جرس تو تو نہیں قافلے والوں سے جدا — تیری آواز میں یہ درد کہاں سے آیا
بولتا کب ہے وہ سفاک پکاروں میں ہزار — کاش خنجر ہی کہے اپنی زباں سے آیا
دیکھ کر اس رخ و گیسو کو میں حیراں ہوں امیر — شب تاریک میں خورشید کہاں سے آیا

عشقیہ نشتر

ضبط گریہ میں نہیں کرتا کہ رہتا ہے خیال — سوکھ کر کانٹا نہال آرزو ہو جائے گا — نیا مضمون ہے
ہے اچھل پڑنے کا ڈر کیا دوں ترے قد سے مثال — سرو فوارہ کنار آب جو ہو جائے گا — عجیب شعر ہے

اگر سرو کو تیرے قد سے مثال دوں تو وہ اپنی کم ظرفی سے مارے خوشی کے فوارے کی طرح اچھل پڑے۔

قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر — جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکاریگا آستیں کا — عجیب خنجر۔ عجیب آستین

یہ شعر بہت مشہور و مقبول ہے۔ سنا گیا کہ مسٹر سید محمود مرحوم نے جب وہ ہائیکورٹ الہ آباد کے جج تھے اپنے ایک فیصلہ قتل میں امیر کے اس شعر کو بڑی دھوم دھام سے لکھا تھا واللہ اعلم۔

ہوائے مے میں محو ایسا چمن میں گھر کر کے جو ابر آیا
سیاہ مستی میں میں سمجھا جہاز آب آتشیں کا

سفر کب بار ہوا آخرت کا بخیر انجام ہو خدایا
جو گھر سے نکلے مرا جنازہ تو سامنا ہو کسی حسیں کا

شوق سے لکھیں نہ کیوں بیاض فرشتے رات دن
ایک رحمت اسکی ہے اس سیاہ رو دفتر کا جواب

اُس نے خط بھیجا جو سمجھا وہ اک پرزا کاغذ
یار کیا کرتا نہ تھا میرے مقدر کا جواب

مقتل سے وہ پھرے تو قضا نے کیا یہ عرض
حاضر ہوا حضور میں یہ جان نثار کب

محشر میں ایک ایک سے ہم پوچھتے پھرے
آخر تمام ہوگا غم انتظار کب

دیکھکر ربط گل و خار یہ امید ہوی
شاید آ جائے مرے ہاتھ میں بھی دامن دوست

ملک الموت سے کہہ دو کہ نہ تکلیف کریں
مرگ آسان ہے مگر کون سنے شیون دوست

ایک ہے میرے حضر اور سفر کی صورت
گھر میں ہوں گھر سے نکل کر بھی نظر کی صورت

خشک سیر یا تن شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرع تر کی صورت

ہوش اڑتے تھے تو اڑتے تھے خبر وصل سے آج
نیند کیوں اڑ گئی آنکھوں سے خبر کی صورت

اس نزاکت پہ یہ سو جان سے پھر ہے قاتل
ہاتھ میں تیغ لچکتی ہے کمر کی صورت

شہ دہنی شوق ہی کافی ہے کبوتر کیسا
اڑ کے نامہ مرا پہنچیگا خبر کی صورت

بات کرنے میں گذر جاتی ہے ملاقات کی رات
کیا بڑی بات ہے رہ جائیے یہیں رات کی رات

زاہد اس لف میں پھنس جائے تو اتنا پوچھوں　　کہیے کس طرح کٹی قبلۂ حاجات کی رات

کیا زمیں پکڑی ہے ظالم نے میانِ کوئی دوست
پھٹ پڑے دشمن پہ یارب آسمانِ کوئے دوست
جب قدم رکھا زمیں پر آسماں پر جا پڑا
بارہا ہم نے کیا ہے امتحانِ کوئے دوست

گلگشت کر رہا ہے جو وہ گلعذار آج　　پھرتی ہے باغ باغ نسیمِ بہار آج
جاگا ہوں عمر بھر کا ذرا اب تو سو رہوں　　کہدو رہے خموش چراغِ مزار آج
کل تک سواری آئے یقیں ہے بہار کی　　نکلا ہے پیش خیمۂ ابرِ بہار آج

یہ انتظار ہے ساحل پہ کس کے آنے کا　　سرِ حباب ہے اونچا بلند گردنِ موج
ہمارے رونے پہ آتی نہیں کسے رقت　　حباب روتے ہیں آنکھوں پہ رکھ کے دامنِ موج

آزماؤ دل کو صاحب آزمانے کی طرح　　کروٹیں تم تو بدلتے ہو زمانے کی طرح
دیدہ و دل میں مرے رکھا ہی کیا ہے تخمِ اشک　　رنگ پیدا کر زمیں میں جا کے دانے کی طرح
چشمِ فتاں اُن سے کہتی ہے اگر ارشاد ہو　　ہم بھی کچھ نیرنگ دکھلائیں زمانے کی طرح
ایک بار اے برق تکلیف اور کر جھگڑا مٹے　　پھونک دے مجھ کو بھی میرے آشیانے کی طرح
کتنے بیدرد اس زمانے کے اطبا ہیں امیر　　حال بیماروں کا سنتے ہیں فسانے کی طرح

پڑا تیر دل پر جو منہ تو نے پھیرا — نشانہ اڑایا ہے کیا رخ بدل کر
چھپا کب بہت خاک ظالم نے ڈالی — شفق بن گیا خون میرا اچھل کر
حضور اسکے باتیں جو کیں ڈرتے ڈرتے — کھڑا ہو رہا دور مطلب نکل کر
جو شام شب ہجر دیکھی تو سمجھے — قضا سر پہ آئی ہے صورت بدل کر
نکالا جو پیر مغاں نے تو غم کیا — بلا لیگی پھر دختر رز مچل کر
مرے آنسوؤں نے مجھے بخشوایا — بڑے کام آئے یہ آڑے نکل کر
امیر آسماں بھی کھلاڑی ہے شاطر — دکھاتا ہے کیا کیا یہ نقشے بدل کر

داغ الفت مرے دل میں کوئی چھپ سکتا ہے
شمع فانوس کا اک نور ہے اندر باہر

ہوں وہ دیوانہ جو رکھتا ہوں نہیں زنداں میں قدم
غل یہ زنجیر مچاتی ہے کہ باہر باہر

روح سے قدر ہے اس پیکر خاکی کی امیر
کیا حقیقت ہے صدف کی جو ہو گوہر باہر

قیس ثانی کی طرح وادی وحشت میں ہوں قید — ہو گئی مجھکو مری آبلہ پائی زنجیر
اپنے دیوانے کے مدفن پہ وہ آئی جو امیر — جائے گل سایۂ گیسو سے چڑھائی زنجیر

تیغ قاتل کی نہیں چلتی کبھی مجھ زار پر — وائے بے رحمی کہ پانی بند ہے بیمار پر

سوز و گداز — کہہ گئی گل کر کے میری شمعِ بالیں کو صبا — کوئی اب ناداں روتا ہے سرِ بیمار پر

کیا پردہ داری ہے — بے نقاب آؤ چمن میں تم تو ہے یہ رنگ حنا — ہاتھ رکھ دے بڑھ کے چشمِ نرگسِ بیمار پر

نیا تشبیہ ہے — سمجھے ہم پہونچی جو ابرو تک پلک اس آنکھ کی — باڑھ دیکھی رکھ کے انگلی ترک نے تلوار پر

خوب تشبیہ — ہے بلند و پست کی کب تیغِ قاتل کو تمیز — سیل کی ہے چال یکساں راہِ ناہموار پر

سبحان اللہ — نیتِ بد ہے تو کارِ نیک سے حاصل ہے کیا — جاگتے ہیں دزد بھی مثلِ نگہباں رات بھر

نازک خیالی

زار ایسا میں ہوا بادیہ پیما ہوکر — ذرہ جانے ہے تو بہکا دی مجھے صحرا ہوکر

سرو و گل سے تمہیں تشبیہ میں کب دیتا ہوں — لال آنکھیں نہ کرو آگ بگولا ہوکر

لیجئے مال امیروں سے فقیروں کیلئے — لوٹئے دولتِ دیں طالبِ دنیا ہوکر

بید بن بنتے ہو تا قسم سے جلانا نہ پڑے — خوب دم دیتے ہو مردوں کو مسیحا ہوکر

نہ محبت نہ تلطف نہ عنایت نہ وفا — تمہیں کہہ دو کہ رہے پھر کوئی کس کا ہوکر

تشبیہ نازک — وہ ناتواں ہوں جو لیٹا کبھی میں بستر پر — گماں ہوا کہ شکن پڑ گئی ہے چادر پر

بلیغ — وہ مست جب کبھی گذرا ہے میکدے کی طرف — بہک کے دستِ سبو جا پڑا ہے ساغر پر

ندرت — برنگ سایہ رہا پائمال ساری عمر — میں جسکے پاؤں پڑا پاؤں رکھ دیا سر پر

ازل سے طبع ملاحت پسند رکھتا ہوں — چھڑک لیا تھا نمک میں نے شیرِ مادر پر

دیکھئے اس تشبیہ کو — صفِ مژہ کو بھی ہے تاک چشمِ ساقی کی — گرے ہیں سیکڑوں میخوار ایک ساغر پر

سبحان اللہ — چلا ہے نامہ مرا لیکے نامہ بر یارب — ترے حبیب کا سایہ مرے کبوتر پر

کچھ اسمیں شان نکلتی ہے تیری مژگانکی نثار سو رگِ جاں ایک نوک نشتر پر

سنا کسی سے جو نامِ دوائے دردِ جگر تڑپ کے دل نے صدا دی کہ ہائے دردِ جگر

جب نکلتے ہیں مکاں سے وہ بدلکر کپڑے چاک ہو جاتے ہیں رستے میں گریباں دو چار
امتحاں مردمِ دنیا کا کیا ہم نے امیر دیو خصلت ہیں ہزاروں میں تو انساں دو چار

تمہیں کو جانا تمہیں کو سمجھے تمام عالم سے تنگ ہوکر
دوئی کا وحدت میں دخل کیسا رہے ہمیشہ اکنگ ہوکر
ٹھہر گیا ہے ہمارے دل میں ہزار منت سے دردِ الفت
مگر یہ ڈر ہے کہ اٹھ نہ جائے مکانکی تنگی سے تنگ ہوکر
نہاں تھا اتنا کہ ہو نہ ظاہر عیاں تھا جانا کہ سب ہوں ماہر
وہ دل میں آئے امنگ ہوکر گئے تو چہرے کا رنگ ہوکر
ہوئے تھے ہندو بچوں کے عاشق شہید ہونے کی کیا خبر تھی
نہ جانتے تھے لہو ہمارا اڑے گا ہولی کا رنگ ہوکر

نہ کور باطن ہوا ہے برہمن ذرا تو چشمِ تمیز وا کر
خدا کا بندہ بتوں کا سجدہ خدا خدا کر خدا خدا کر
قدم کو لغزش زباں کو لکنت ہے رعشہ ہاتھوں کو سر کو جنبش
کدھر گئی ہائے تو جوانی ان آفتوں میں ہمیں پھنسا کر

یہ عجیب مضمون ہے — شبیہ ناظر ہے کسکی کہ کوئی پوری نہیں اُترتی
مٹا دئے صانع ازل نے ہزاروں نقشے بنا بنا کر

انسان کا پیدا ہونا اور مرجانا کہا ہے گویا صانع ازل صورتیں بناتا ہے اور مٹا دیتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جسکی شبیہ وہ بنانا چاہتا ہے حسب دلخواہ نہیں بنتی۔ اگر کوئی یہ شُبہ کرے کہ صانع ازل کا اس میں عجز پایا جاتا ہے اور یہ جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صانع ازل اپنی ہی شبیہ بنانا چاہتا ہے جو پوری نہیں اُترتی ۔

سبحان اللہ — بلبل سے کہو آئے وہ پروانے کے بدلے — گل کر گئی محفل میں نسیم سحری شمع

تصویر کھینچ دی ہے — آئی جو کھل کے زلف سا سر سے پاؤں تک — لینے لگی بلائیں ادا سر سے پاؤں تک
جدت — لاغر ہوں اسقدر مجھے پہچانتی نہیں — رہ رہ کے دیکھتی ہے قضا سر سے پاؤں تک
سبحان اللہ — اچھی کسی کی آنکھ کسی کی نگاہ ہے — یکتا ہیں آپ نام خدا سر سے پاؤں تک

بجا ہیں بلبل و گلچیں خراب خندۂ گل — وہ آتشیں ہے چمن میں شراب خندۂ گل
محال ہے کہ چڑھے عشق حسن کے منہ پر — کہاں ہے نالۂ بلبل جواب خندۂ گل

نزاکت فکر — ہوں زار اسقدر کہ تری جلوہ گاہ میں — چھپ جاؤں گا میں پردۂ گرد نگاہ میں
ہیں شوخیاں یہی جو تمہاری نگاہ میں — بجلی گرے گی چار طرف جلوہ گاہ میں

کانٹا ہوا ہوں سوکھ کے لیکن نہال ہوں
کھٹکوں گا اور اپنے عدو کی نگاہ میں

نکلا نہیں ہے خط ترے عارض پہ حسن نے
کانٹے بچھائے ہیں یہ محبت کی راہ میں

ہم رہروانِ عشق کو محشر کا خوف کیا
پڑتے ہیں ایسے کتنے ہی میدان راہ میں

تو نے تو اے سیاہیِ شبہائے تارِ ہجر
دھبا لگا دیا مرے بختِ سیاہ میں

محراب اسکی تیغ کو سمجھا پڑھی نماز
پہونچا میں قتل گاہ میں یا عیدگاہ میں

نشہ کے ڈورے یار کی آنکھوں میں ہیں امیر
یا چند سرخ پوش مکانِ سیاہ میں

وہ تو سنتا ہی نہیں ہیں دادخواہی کیا کروں
کس کے آگے جا کے سر پھوڑوں الٰہی کیا کروں

دھوتے دھوتے آنسوؤں سے ہو گئیں آنکھیں سفید
بختِ بد جاتی نہیں تیری سیاہی کیا کروں

نزع میں آنکھیں ملا کر یار نے مجھ سے کہا
اب تری آنکھوں میں دم ہے کم نگاہی کیا کروں

کل گیا تھا پیشِ زاہد سوچتا ہوں دل میں آج
خدمتِ پیرِ مغاں میں عذرخواہی کیا کروں

وہ مرے اعمالِ روز و شب سے واقف ہے امیر
پیشِ خالق ادعائے بے گناہی کیا کروں

گلے میں ہاتھ تھے شب اُس پری سے راہیں تھیں
سحر ہوئی تو وہ آنکھیں نہ وہ نگاہیں تھیں

فراق میں ترے عاشق کو جا کے کل دیکھا
کہ وہ تو ہیچ تھا کچھ اشک تھے کچھ آہیں تھیں

ضعف ہے کہ نکلتی نہیں ہیں اب دل سے
کبھی فلک سے بھی اونچی ہماری آہیں تھیں

نشتر

جگر میں ہجر کی شب چبھ رہی تھیں کچھ پھانسیں
مگر جو غور سے دیکھا تری نگاہیں تھیں

فلک کے دور سے دنیا بدل گئی ورنہ
جہاں سبے ہیں یہ میخانے خانقاہیں تھیں

نئی تشبیہ

مشاعرے سے حسیں کیوں نہ چھین لیجائے
رباعیاں مری جو گوشہ کلاہیں تھیں

نشتر

واکردہ چشم دل صفت نقش پا ہوں میں
ہر رہ گذر میں راہ تری دیکھتا ہوں میں

وحشت میں گو کہ قیس سے بڑھکر نہیں مگر
اتنا کہونگا ایک تھا وہ دوسرا ہوں میں

محنت یہ کی کہ فکر کا ناخن بھی گھس گیا
عقدہ یہ آج تک نہ کھلا مجھ پہ کیا ہوں میں

بانکپن

کہتی ہے ہر پلک تری زلف دراز سے
چھوٹے سے قد پہ میرے نہ جا تا بلا ہوں میں

مانند سبزہ اس چمن دہر میں امیر
بیگانہ وار ایک کنارے پڑا ہوں میں

میں جانتا ہوں بلبل جو ہے تری حقیقت
اک مشت استخواں میں دو پر لگے ہوئے ہیں

لطیفہ محاورہ

بڑھتا ہے آبرو میں کیا آنسوؤں سے ہیرے
کون ایسے لعل تجھ میں گوہر لگے ہوئے ہیں

کیا تصویر ہے

جب جب ہیرو چھپاتے ہیں عارض نقاب میں
کہتا ہے حسن میں نہ رہونگا حجاب میں

اثر پیدا ہی

اللہ رے میرے دل کی تڑپ اضطراب میں
گھبرا کے کروٹیں لگے لینے وہ خواب میں

مطلع آفتاب

واعظ پھر اپنا تھا جو اپنا شراب میں
محشر کے دن بھگائے گئے آفتاب میں

رکھا یہ تم نے پائے حنائی رکاب میں
یا پھول بھر دیے طبق آفتاب میں — تسنیم

اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی
یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں — مضطرب

ملنے کا وعدہ منہ سے تو ان کے نکل گیا
پوچھی جگہ جو میں نے کہا ہنس کے خواب میں — شوخی

دل صاف ہو تو کشمکش دہر کیا کرے
شعلہ ہے کب دھوئیں کی طرح پیچ و تاب میں — بدر

دامن پہ ان کے خون کی چھینٹیں پڑیں امیر
بسمل سے پاس ہو نہ سکا اضطراب میں

تصور ایک بحر حسن کا ہے یوں مرے دل میں
رواں رہتا ہے دریا جس طرح آغوش ساحل میں — [illegible]

رہ صحرائے ہستی کو یہ آسانی سے کاٹے گا
تری تلوار کا دم آ گیا ہے تیرے بسمل میں

چھری کو تیری اے صیاد اتنی بیقراری ہے
کوئی رگ رہ گئی ہی کیا گلوئے مرغ بسمل میں — [illegible]

یہی حیرت کا عالم ہے تو نظارہ کہاں مجنوں
نکل بھی آئے محمل سے تو پھر لیلیٰ ہے محمل میں — مصحفی

دہان زخم نے کس کس مزے سے اسکو چوما ہے
لب شیریں کی لذت ہے زبان تیغ قاتل میں

ذرا محمل سے ہٹ کر خاک اڑا او وادیٔ مجنوں
خیال اتنا تو کرنا چاہئے ہے کون محمل میں — حسرت عشق

لگا کر وار اوچھا پھر نہ دیکھا اسطرف تم نے
قضا روتی رہی بیٹھی ہوئی پہلوئے بسمل میں — [illegible]

بے حجابانہ اگر وہ لب آب آتے ہیں
شوق دیدار میں آنکھوں سے حباب آتے ہیں — [illegible]

اشک آنکھوں سے مری گرم شتاب آتے ہیں
شہسواران علم پا بہ رکاب آتے ہیں — [illegible]

بے خبر دیکھ کے مردوں کو یہ کہتی ہے زمیں
جو یہاں آتے ہیں مست مئے خواب آتے ہیں — [illegible]

سوزش دل سے پگھلتی ہیں ہماری آنکھیں
اشک منہ پر صفت اشک کباب آتے ہیں — [illegible]

کیوں نہ ہو دیدۂ تر یار کو رحم آ ہی گیا
خوب چھینٹی تجھے اے خانہ خراب آتی ہیں

جوشِ وحشت مجھے ہر سال بناتا ہے جواں
جب بہار آتی ہے ایامِ شباب آتے ہیں

جدت

باوصف بختِ تیرہ ہیں روشن نگاہ ہوں
سرمہ ہوں کہ سرمۂ چشمِ سیاہ ہوں

عرصہ ہوا کو عدمِ جہاں سے نکال دوں
دو دن کو میں جہاں میں اگر بادشاہ ہوں

رہتا ہے صبح و شام گناہوں کا سامنا
فارغ جو ان سے ہوں تو کبھی عذر خواہ ہوں

ندرت

خیالِ لب میں ابر دیدہ ہائے تر برستے ہیں
یہ بادل جب برستے ہیں لبِ کوثر برستے ہیں

خدا کے ہاتھ بخشیں ہیں یہ اب آبرو اپنی
بھرے بیٹھے ہیں دیکھیں آج وہ کس پر برستے ہیں

ڈبو دینگی یہ آنکھیں بادلوں کو ایک چھینٹے میں
بھلا ہنس ہنس تو میرے سامنے کیونکر برستے ہیں

کبھی آہیں کبھی ہیں سنسنی اٹھتے ہیں نالے
ہوا چلتی ہے بجلی کوندتی ہے پتھر برستے ہیں

جہاں ان ابروؤں پر بل پڑے یا کٹ گئی لاکھوں
یہ وہ تیغیں ہیں جن کے ابر سے خنجر برستے ہیں

وہاں ہیں سخت باتیں یاں امیدِ آنسو پر آنسو ہیں
تماشہ ہے ادھر موتی ادھر پتھر برستے ہیں

وہ شانہ بالوں میں کیا بار بار کرتے ہیں
لباسِ زیست مرا تار تار کرتے ہیں

عدو سرِ رگ پہ جو دل نثار کرتے ہیں
لپٹ کے خنجرِ قاتل کو پیار کرتے ہیں

صنم بتوں کے تو خود لوٹتے ہیں حضرتِ دل
خدا سے منت مجھے شرمسار کرتے ہیں

نہ شاخِ گل ہے مرا دل نہ دامنِ میخوار
بہار میں اسے کیوں داغدار کرتے ہیں

ہم ہیں یا موسیٰ ہوں کوئی دیکھ سکتا ہے اسے
پردے حیرت کے پڑے ہیں جلوہ گاہِ طور میں

منزلِ مقصود کی مستوں کو دکھلاتی ہے راہ
خضر بن بیٹھی ہے سبزی دانۂ انگور میں

رات دن میں لاکھ بار اُٹھ اُٹھ کے رہ جاتا ہی پھر | درد شاید قید ہے میرے دلِ رنجور میں
کیسے موسیٰ لن ترانی کی صدا کیسی امیر | حسن کے نیرنگ تھے خلوت سرائے طور میں

ہما و آشیاں امیدوار ہم بھی ہیں | تمہارے دیکھنے والوں میں یار ہم بھی ہیں
جو لڑکھڑا کے گرے تو قدم پہ ساقی کے | امیر مست نہیں ہوشیار ہم بھی ہیں

چار ابرو ہیں ترے حسن میں یا بہر خیار دل | کیا رباعی ہے کہ مصرع ہیں برابر چاروں
اے امیر احمدِ مرسل کے جو ہیں چار وزیر | چار یاری ہوں مجھے ہیں یہ برابر چاروں

لختِ دل لیتا ہے ناحق آہِ بے تاثیر میں | کچھ نہیں حاصل جو پیکاں ہو ہوائی تیر میں
عشقِ ابرو میں دلِ مجروح تڑپا اس طرح | زلزلہ آیا زمینِ کوچۂ شمشیر میں
جس پری کی آنکھ مجھ سے پھر گئی بولا جنوں | لو مبارک اور اک حلقہ بڑھا زنجیر میں
زیرِ ابرو شوخیاں کرتی نہیں چشمانِ یار | چوکڑی بھرتے ہیں آہو سایۂ شمشیر میں
قتل مجھکو یادِ ابرو میں اُن آنکھوں نے کیا | ان ٹھگوں نے مل کے مارا کوچۂ شمشیر میں
کام آتی ہی جوانوں کے بہت تدبیر پیر | طاقتِ پرواز ہے زورِ کماں سے تیر میں
کج نہادوں سے ضرر کیا راست بازوں کو امیر | خم نہیں آتا ہے صحبت سے کماں کی تیر میں

موسیٰ کی طرح تابِ تجلی کی نہ آئی | ہم طور پہ پہونچے تھے کہ پتھرا گئیں آنکھیں
ہوں لاکھ زبانیں پہ ہے یہ مشقِ خموشی | پلکوں سے اشارے ہیں یہ سمجھا گئیں آنکھیں

مجروحوں پہ جو چشمِ کرم خوب رو کریں — سو زخم ایک تارِ نظر سے رفو کریں

نیا مضمون

دنیا سے ہاتھ دھو کے چلیں کوئے یار میں — جائز نہیں کہ طوفِ حرم بے وضو کریں

ملتے ہیں ہاتھ دیکھ کے صبحِ شبِ وصال — یہ چاک وہ نہیں ہے کہ جسکو رفو کریں

پہلو راجی محاورہ

دل ٹھہر جائے یہ امید نہیں — ایسے بگڑے کہیں سنورتے ہیں

سبحان اللہ

مل گیا گھاٹ تیغِ قاتل کا — اب کوئی دم میں پار اترتے ہیں

ظاہر میں ہم فریفتہ حسنِ بتاں کے ہیں — پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کے ہیں

یارانِ رفتہ سے کبھی جا ہی ملینگے ہم — آخر تو پیچھے پیچھے اسی کارواں کے ہیں

بلاغت

جھک کر اُٹھے مرے سر کو وہ کہتے ہیں ناز سے — لو ایسے مفت سجدے مرے آستاں کے ہیں

نشتر

ڈوبے ہوئے لہو میں نظر آئیں کیوں نہ گل — سینچے ہوئے مری مژۂ خوں فشاں کے ہیں

خنجر کو چوس چوس کے کہتے ہیں میرے زخم — ظالم مزے بھرے ہوئے تجھ میں کہاں کے ہیں

نشتر

یاں جان پر بنی ہے تجھے ہیں رکاوٹیں — اے تیغِ یار چل بھی یہ غمزے کہاں کے ہیں

سبحان اللہ

کرے گا یاد اے غم ہمکو بعد مرگ تو برسوں — کھلایا ہے جگر برسوں پلایا ہے لہو برسوں

نہ کر اے یاس یوں برباد میرے خانۂ دل کو — اسی گھر میں جلایا ہے چراغِ آرزو برسوں

ہماری آنکھ نے کیا جانے کس حسرت سے دیکھا تھا — کہ تیغِ یار رو دی چشمِ جوہر سے لہو برسوں

بے حجابانہ مرے گھر جو وہ آجاتے ہیں — ایک تصویر درِ دل پہ لگا جاتے ہیں

دم کے دم کو مرے پہلو میں جو آجاتے ہیں
دل لگا نیکی جگہ تیر لگا جاتے ہیں

پتلیاں تک تو پھری جاتی ہیں دیکھو دمِ نزع
وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا جاتے ہیں

کیا سخی ہیں عدم آباد کے جانے والے
نقدِ جاں پہلی ہی منزل میں لٹا جاتے ہیں

کس کے کوچے سے یہ آتے ہیں ہوا کے جھونکے
کہ مری شمعِ لحد روز بجھا جاتے ہیں

ہیں خریدار اگر ہوں تو نگہہ کا ان کی
تیغ کیوں میرے گلے سے وہ لگا جاتے ہیں

کیا بلا ہو کے وہ گیسو مجھے لپٹے ہیں امیر
آنکھ ہو بند تو دل پر مرے چھا جاتے ہیں

لٹک کر وہ زلف آئی ہے تا کمر
کہ لیلیٰ ہے مجنوں کی آغوش میں

نہ اٹھو ابھی بزم سے میکشو
رہیں بھی تو آ لینے دو ہوش میں

میکش کے دل کے راز کسی پر عیاں نہیں
شیشے کو دیکھ لو کہ دہن ہے زباں نہیں

اک حور وش کی خانۂ زنداں میں ہے جو یاد
موجیں نسیمِ خلد کی ہیں بیڑیاں نہیں

کیا باغباں کا ڈر کہ میں ہوں طائرِ اثر
جز شاخِ نالہ اور کہیں آشیاں نہیں

ایذا کا خوف صاحبِ تمکیں کو کیا امیر
نشتر سے آشنا رگِ سنگِ گراں نہیں

کس طرح موت کو آساں نہ وہ بسمل سمجھیں
تیغ کو تیغ جو قاتل کو نہ قاتل سمجھیں

یوں تو ہر غنچہ دلِ شکلِ صنوبر ہے امیر
جسمیں کچھ درد کی بو آئے اسے دل سمجھیں

دامنِ رحمت اگر آیا ہمارے ہاتھ میں
پھول ہو جائینگے دوزخ کے شرارے ہاتھ میں

پوچھتے ہو کس سے جو چاہو کرو مختار ہو — دل تمہارے ہاتھ میں ہے یا ہمارے ہاتھ میں
کیا نزاکت ہے جو توڑا شاخِ گل سے کوئی پھول — آتشِ گل سے پڑے چھالے تمہارے ہاتھ میں

نذر الحسن

سمجھا یہ میں جو نکلے شاخوں سے گل چمن میں
صوفی نکل کے بیٹھے خلوت سے انجمن میں

ہے چرخ پر یہ ایما ابروئے یارِ نو کا
کچھ کچھ خمیدگی بھی لازم ہے بانکپن میں

نقوش

آوازِ کُن جو آئی کانوں میں ہم یہ سمجھے
غربت پکارتی ہے بس رہ چکے وطن میں

یارانِ زیست کا ہے غم اسے امیر ناحق
چھوٹے ہوئے سفر کے مل جائیں گے وطن میں

سبحان اللہ

وہی رہ جاتے ہیں زبانوں پر — شعر جو انتخاب ہوتے ہیں
آنسوؤں سے امیر بہتے سوا — ایسے لڑکے عذاب ہوتے ہیں

سبحان اللہ

کچھ خار ہی نہیں مرے دامن کے یار ہیں — گردن میں طوق بھی تو لڑکپن کے یار ہیں
کیا پوچھتے ہو مجھ سے نشانِ سبیلِ برق — دونوں قدم سے مرے خرمن کے یار ہیں
سمجھا نہیں ہیں چھٹنے وادیِ غربت کے اسے جنون — سب آستیں کے جیب کے دامن کے یار ہیں

غمِ دنیا کا گذارہ مرے مسکن میں نہیں — اشکِ ماتم کی جگہ دیدۂ روزن میں نہیں
کیوں نہ خوش ہوں کہ بھرا ہے یہ حسد سینے سے — کہ مرے دوست کی جانب دلِ دشمن میں نہیں
بزمِ میخانہ ہے کیا انجمنِ ناز و نیاز — ہاتھ کس مست کے یاں شیشے کی گردن میں نہیں
آتشِ مے سے جو اٹھتا ہے دھواں کافی ہے — کس کو پروا ہے ہوا ابر جو گلشن میں نہیں
قتل کرتی ہے دوبارہ ہمیں شرم انکی اخیر — خم شمشیر ہے خم یار کی گردن میں نہیں

حسرتیں گھیرے ہیں اس کثرت سے بسمل کو ترے
روح نکلے تن سے اتنا راستا ملتا نہیں

منکرِ یکرنگیِ معشوق و عاشق ہیں جو لوگ
دیکھ لیں کیا رنگِ کاہ و کہربا ملتا نہیں

موئے مژگاں سے ترے سیکڑوں مر جاتے ہیں
یہی نشتر تو رگِ جاں میں اتر جاتے ہیں

مرے مرقد کو ٹھکراتے قیامت بنکے آتے ہیں
پڑا ہوں میں یہاں آکر تو یوں مجھکو ستاتے ہیں

ہماری بیخودی تمہید ہے تیری تلاش کی
مٹا کر نقش اپنا ہم سرِ الفت جاتے ہیں

محبت کا برا ہو دل کو روکوں یا جگر تھاموں
مرے قابو سے یہ دونوں کے دونوں نکلے جاتے ہیں

بلاغت

حسینانِ جہاں رکھتے ہیں شاید درد کا شیوہ
جگہ دیتا ہے جو دل میں اسی کا دل دکھاتے ہیں

امیر افسردہ ہو کر غنچۂ دل سوکھ جاتا ہے
وہ میلے ہم کو قیصر باغ کے جب یاد آتے ہیں

۳

تشبیہ لاثانی

کبابِ سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
جل اٹھتا ہے جو یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

سیہ پوشاک بنکر خانۂ کعبہ میں جا پہونچے
بلا کا بھیس او کافر ترے گیسو بدلتے ہیں

عشقیہ

پہونچے ہم جس شہر میں پوچھا یہ اہلِ شہر سے
خوبرو یوں کی یہاں بکتی ہیں تصویریں کہیں

سبحان اللہ ہمیشہ گوشہ نشیں ہوں وہ خاکسار ہوں میں
ہوا اڑا نہ سکے جسکو وہ غبار ہوں میں

امیر گناہ سے ہے رحمت خدا کی نمود
گنہ اگر نہ کروں تو گناہگار ہوں میں

لے گیا بختِ جگر اپنے جو میں گلزار میں
برگِ گل بلبل سمجھ کے لگی منقار میں

حال آئینہ ہے میری حیرت سے ساقی کا امیر
منہ نظر آنے لگا سنگِ درِ دلدار میں

صورتِ غنچہ کہاں تابِ تکلم مجھ کو
منہ کے سو ٹکڑے ہوں آئے جو تبسم مجھ کو

قطرۂ مے نے کیا بے ہوش صفتِ خم مجھ کو
ہر حباب ہے پر جوش ہوا خم مجھ کو

اشک ساں جنبشِ مژگاں نے کیا گم مجھ کو
نقشِ پا ہو گئی دریا کا تلاطم مجھ کو

اور تھا کون شبِ ہجر مصیبت کا شریک
دیکھ لیتا تھا میں انجم کو تو انجم مجھ کو

واہ اے بے خودیِ شوق کیا خوب سلوک
اس کو جب ڈھونڈھ نکالا تو کیا گم مجھ کو

بے ثباتی میں نہیں کونسی جا میری نمود
ذرے ہنستے ہیں سمجھتے گئے ہیں انجم مجھ کو

میں تو کیا عکس سے وہ آئینہ رو کہتا ہے
پیار کی آنکھ سے دیکھا نہ کرو تم مجھ کو

دھوکا کھائے ہوئے آدم کو زمانہ گذرا
ہنستے ہیں دیکھ کے اب تک لبِ گندم مجھ کو

ہر ملک ہو کے سوا پا ہوں الٰہی کیا ہوں
دیدہ و دل میں جگہ دیتے ہیں مردم مجھ کو

میں سراپا عکس تھا اس آئینۂ ہستی میں
تو نے کیا پھیر لیا منہ کہ کیا گم مجھ کو

ہوں وہ بے کس جو کروں رخ درِ توبہ کی طرف
بہکے جاتے ہوئے پکارے دہنِ خم مجھ کو

تجھ کو قاتل ہے قسم عملِ اخلاص کی قسم
تم جاں چھوڑ نہ اے تیغِ تبسم مجھ کو

صاف کہہ دو کہ نہیں یار دکھاؤ ناحق اگر
کعبہ و دیر میں دوڑاتے ہو کیوں تم مجھ کو

جانتے ہیں حقیقت سے ہیں آگاہ امیر
کن کے سننے پہ بھی منع ہے تکلم مجھ کو

اے خوشا وحدت خوشا کثرت خوشا نیرنگِ عشق
دیکھتا ہوں ہر صنم میں تیری تصویر کو

اپنے بسمل کا ذرا شوق شہادت دیکھئے ۔ دیر رہا ہے کیا گلے مل مل کے دم شمشیر کو
جب نظر اُس ترک کی مجھ پر پڑی تیوری چڑہی ۔ بل پڑے شمشیر میں سیدہا کیا جب تیر کو
ندرت ۔ چیر کر پہلو کو دل نکلا ہے مشتاقِ نگاہ ۔ کیا تماشہ ہے ہدف لینے چلا ہے تیر کو

صائب کا رنگ ۔ کیونکر ہو دل شگفتہ جو عزلت نشین نہو ۔ پھولے پھلے نہ دانہ جو زیر زمین نہو
پر لگائے یہ ترے تیر ادا نے ہمکو ۔ تھک گئی دوڑ کے پایا نہ قضا نے ہمکو
چھوٹا ہے ہوش و خرد اب نہیں ٹھہرا جاتا ۔ بیخودی دور سے آئی ہے بلانے ہمکو
شمع آسا کبھی جلتے کبھی روتے گذری ۔ آگ پانی سے بنایا ہے خدا نے ہمکو
کہتے ہیں حشر وہ رفتار سے برپا کر کے ۔ ایسے کتنے ابھی سوتے ہیں جگانے ہمکو
وہ پر کاہ تھے اِس گلشنِ ہستی میں امیر ۔ دوش سے پھینک دیا بادِ صبا نے ہمکو

تسنیم الہ آباد

لٹکاؤ نہ گیسوے رسا کو ۔ پیچھے نہ لگاؤ اس بلا کو
کانٹوں سے کہو سنبھال لینا ۔ آتا ہے غش اک برہنہ پا کو
بلبل کو ملے جو باغبانی ۔ روکے در باغ پر صبا کو

عجز

جس طرح صبح کو خورشید عیاں ہوتا ہے ۔ آ کے پیری نے دیا داغ جوانی مجھکو
نغمہ سنجانِ گلستانِ سخن میں جو امیر ۔ کہتے ہیں بلبلِ گلزار معانی مجھکو

نیا مضمون ۔ ہوں میں وہ میکش اٹھا ساقی میری تعظیم کو

گردن مینائے مے خم ہو گئی تسلیم کو
آتے ہی اس مست کے گلزار میں آئی بہار
ابر اٹھا تعظیم کو شاخیں جھکیں تسلیم کو
نقدِ آمرزش کا طالب ہے اگر اے خود فروش
تول میزانِ عدالت میں امید و بیم کو
آہ کی شمشیر پر تکیہ ہے نامردوں کا کام
مرد رکھتے ہیں کمر میں خنجرِ تسلیم کو
فتنہ برپا ذات سے مفسد کی ہوتا ہے ضرور
کیا ہوا اٹھے اگر وہ غیر کی تعظیم کو
حشر کے دن نامۂ اعمال کا کیا اعتبار
سال بھر کے بعد باطل کہتے ہیں تقویم کو
چشمۂ دیدارِ جاناں کی ہیں دو نہریں امیر
جانتا ہوں خوب اصل کوثر و تسنیم کو

کلفت کا اپنی نالہ کشی میں نشاں نہ ہو
ہم سو برس جو آگ جلائیں دھواں نہ ہو
جائے اگر کہ چاہِ عدم میں گرائے گا
کوئی سوارِ توسنِ عمرِ رواں نہ ہو

جدت

میرے پہلو میں جو دیکھا خنجرِ جلاد کو — دل سے لاکھوں حسرتیں نکلیں مبارکباد کو

عیدِ موسیٰ کو ہوئی برقِ تجلی کی مگر — پہلے نظارے میں غش آیا مبارکباد کو

سہل ممتنع

پہلے تو مجھے کہا نکالو... — پھر بولے غریب ہے بلا لو

اوروں پہ امیدِ تکیہ کب تک — تم بھی تو کچھ آپ کو سنبھالو

تجھ کو دیکھ کے سب مر گئے دیکھنے والے — اب ایک بھی صورت نظر آتی نہیں مجھ کو

لا تعلقی

اک پھول ہے گلاب کا آج اُنکے ہاتھ میں

دھڑکا مجھے یہ ہے کہ کسی کا جگر نہ ہو

حسنِ تعلیل

آنکھیں ملی ہیں اشک بہانے کے واسطے

بیکار ہے صدف جو صدف میں گہر نہ ہو

گھنگھور گھٹائیں ہیں طلبگار بھی تو ہو — موسیٰ سا کوئی طالبِ دیدار بھی تو ہو

حاضر جوابی

زاہد! امیدِ رحمتِ حق اور ہجوِ مئے — پہلے شراب پی کے گنہگار بھی تو ہو

ندرت

پیری میں ضعف سے یہ نہیں رعشہ دار ہاتھ

ہیں دامنِ قضا کیلئے بیقرار ہاتھ

جدت ادا

تکلیف سائلوں کی جنوں میں نہیں پسند

دامن کو پھاڑ دوں میں بڑھائیں جو خار ہاتھ

آیا تھا سوئے حشر میں تفریح کے لئے
یاں تو شروع پرسش اعمال ہو گئی
ساقی ہے جنت رسا حسیں کون خوش مزاج
کیں اور گرمیاں جو گہن سال ہو گئی

چاہنا اُس کا تو ہم کو چاہیے
وہ ہمیں چاہے تو پھر کیا چاہیے
دل نے جب پوچھا تجھے کیا چاہیے
درد بول اٹھا بڑھنا چاہیے
دل مرا کہتا ہے سنکر شورِ حشر
یہ نمک زخموں پہ چھڑکا چاہیے
وعدہ آنے کا ہے اُسسے خواب میں
خواب کب آتا ہے دیکھا چاہیے
امتحاں ہے دوست دشمن کا عبث
یہ تو اپنے دل سے پوچھا چاہیے
ترکِ لذت بھی نہیں لذت سے کم
کچھ مزا اس کا بھی چکھا چاہیے
ہے مزاج اُس کا بہت نازک امیر
ضبطِ اظہارِ تمنا چاہیے

مشکل آساں نہ ہوئی تیرے گنہگار ونکی
حیف منہ موڑ گئی باڑھ بھی تلوار ونکی
اک ذرا پاؤں اٹھائے ہوئے آئی توسن عمر
مدتوں سے خبر آئی نہیں کچھ یار ونکی
کھول کر بال جو آتے ہیں وہ زنداں کی طرف
کچھ بڑھا جاتے ہیں میعاد گرفتار ونکی
آئی کیسی ہی کڑی اُف نہیں کرتے عاشق
قید آواز بھی ہے اُن کے گرفتار ونکی
ہوں وہ دیوانہ کہ گیسو کہ گریباں کے عوض
چوٹیاں ہاتھ میں رکھتا ہوں کہسار ونکی
داورِ حشر سے محشر میں کہیں گے میخوار
یہی گٹھڑی رہی جاتی ہے گنہگار ونکی

میں رو کے آہ کرونگا جہاں رہے نہ رہے
زمیں رہے نہ رہے آسماں رہے نہ رہے

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں ۔
پھر اسقدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے

دو روزہ زیست غنیمت ہے ذکرِ حق کر لے
پھر اختیار میں غافل زباں رہے نہ رہے

آ ہیں جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

حسنِ مطلع — زمانہ ہوگیا مدہوش چشمِ مستِ دلبر سے
تماشہ ہے چھلکی محفل کی محفل ایک ساغر سے

بلاغت — پڑا ہے داغ میرے دل میں عشقِ قدِ دلبر سے
یہ سودا ہاتھ آیا ہے مجھے بازارِ محشر سے

تڑپ کر جب نکل چلتا ہوں میں کوئے ستمگر سے
اشارے کرتی ہیں آپس میں تیغیں چشمِ جوہر سے

نیا مضمون — یہ روز و شب نہیں کٹتے ہیں غافل زندگانی کے
نکل جاتا ہے ہر روز اک دو ورقہ دفترِ ہستی سے

پھولوں میں اگر ہے بو تمہاری — کانٹوں میں بھی ہو گی خو تمہاری

گردش سے ہے مہر و مہ کی ثابت — انکو بھی ہے جستجو تمہاری
لو سرد ہوا ہیں نسیم سنبل — پوری ہوئی آرزو تمہاری
سب کہتے ہیں جس کو لیلۃ القدر — ہے کاکلِ مشکبو تمہاری

جو ہے بہار اسکو خزاں کا خطر بھی ہے — اے باغباں بسنت کی تجھکو خبر بھی ہے
کیا یہ بھی تیری الفتِ عارض میں ہے مریض — تپ بھی ہے آفتاب کو دوران سر بھی ہے

مانگا جو بوسہ آنکھ دکھائی عتاب کی — تجھے بیدین تو بات بھی کیا لاجواب کی
عمرِ رواں کو جان کوئی موج آب کی — تارِ نفس نگاہ ہے چشمِ حباب کی
چمکی یہ روئے یار سے قسمت نقاب کی — جالی سے چھن رہی ہیں کرن آفتاب کی
وہ چاٹ دوں کرے نہ مذمت شراب کی — واعظ کے منہ پہ مہر لگا دوں کباب کی
میں وہ سیاہ کار ہوں جب سے ہوا ہوں دفن — جلاتی ہے زمیں مری مٹی خراب کی
امیدوار بارشِ ابرِ کرم ہیں ہم — بجلی گرائیے نہ نگاہِ عتاب کی
اللہ رے قدر میرے گناہوں کی روزِ حشر — تعظیم کو کھڑی ہوئی میزان حساب کی
سو جانیں ہوں تو تیغ پہ تیری فدا کروں — کیا جلد کٹ گئی ہے گھڑی اضطراب کی
اندازے سے جو پاتی ہے باہر مرے گناہ — زور اپنا تولتی ہے ترازو حساب کی
موسیٰ کو یہ چڑھی ہے کہ برقِ جمال تھی — اک تہہ اتر گئی تھی تمہاری نقاب کی
نقاش کیا تمام مرقع سے نے رو دیا — تصویر دیکھ کر مری چشمِ پر آب کی
تا سب پہ شانِ عفو نمایاں ہو روزِ حشر — چن لی ہے اسنے فرد ہماری حساب کی

دیکھو تو اتحاد ذرا حُسن و عشق کا ‏ — ‏ بلبل کے آنسوؤں میں ہی خوشبو گلاب کی

جدت ‏ فرقت میں کیا عجب کہ شبِ زندگی ہو صبح ‏ — ‏ پیدا ہے دردِ دل میں چمک آفتاب کی

ندرت ‏ تم شہسوارِ حُسن ہو لگ جائیگی نظر ‏ — ‏ گھوڑے سے اترو آنکھ بچا کر رکاب کی

ایک پوشیدہ کمر یار نے کیا رکھی ہے ‏ — ‏ آنکھ بھی تنگیِ دہن ہم سے چُرا رکھی ہے

اک ذرا وحشتِ دل بڑھ کے خبر تو لینا ‏ — ‏ خاک کیا نجد میں مجنوں نے اڑا رکھی ہے

نگہِ ناز سے بھی دیکھ جو کرتا ہے ملال ‏ — ‏ یہ ادا کس کے لئے تُو نے اُٹھا رکھی ہے

نشتر ‏ نمک افشاں جو ہوا زخم پہ وہ ہنس ہنس کر ‏ — ‏ میں یہ سمجھا کوئی قاتل نے دوا رکھی ہے

ندرت ‏ غیر کے ساتھ وفا کرکے وہ مجھ سے بولے ‏ — ‏ یہ وہی بات ہے جو تم نے بتا رکھی ہے

کیا دور ہے یہ اُسکے جمال و جلال سے ‏ — ‏ چیتے سے چھین لے کمر آنکھیں غزال سے

ڈالی سپر نجوم نے اُس رُخ کے خال سے ‏ — ‏ ابرو نے بڑھ کے نیمچہ چھینا ہلال سے

سمجھا میں چین گوشۂ ابرو سے ہو کے صید ‏ — ‏ مارا فلک نے تیر کمانِ ہلال سے

نگیں جو بیں ہوا تو ہوا اسکا صاف دل ‏ — ‏ چمکا یہ آئینہ مری گردِ ملال سے

میت پہ میری آ کے نکالا غبارِ دل ‏ — ‏ مٹی وہ دیگئے مجھے گردِ ملال سے

نادر ‏ جو چاہیے سو مانگئے اللہ سے امیر ‏ — ‏ اس در پہ آبرو نہیں جاتی سوال سے

دزدِ سخن سے معنیِ رنگیں کو کیا خطر ‏ — ‏ مہندی لگائیگا کوئی کیونکر لگی ہوئی

خوش خرامی پہ جو اُس بت کی طبیعت آئی
چال اُڑانے کو دبے پاؤں قیامت آئی

تیغِ قاتل سے تھی امید بڑی وائے نصیب
وہ بھی منہ موڑ گئی جب مری نوبت آئی

ذرۂ مہر ہوئے ہم کبھی پروانۂ شمع
جس جگہ دیکھ لیا حسن طبیعت آئی

بہار آئی عجب حالت ہے ان روزوں مرے دل کی
جگر میں چٹکیاں لیتی ہیں منقاریں عنادل کی

بہے بحرِ فنا میں جلد یارب لاش بسمل کی
کہ بھوکی مچھلیاں ہیں جوہرِ شمشیرِ قاتل کی

لہو کیسا کہ صورت تک نہیں دیکھی ہے بسمل کی
الٰہی خیر ابھی سے فق ہے رنگت میرے قاتل کی

نئے بانکے بنے ہو تم نئی شمشیر باندھی ہے
نگاہِ حسرت آلودہ نہیں دیکھی ہے بسمل کی

کسی کا ساتھ کب دیتا ہے کوئی بیقراری میں
تڑپتا رہ گیا شعلہ شرر نے قطع منزل کی ۔

شکوہ جو کیا درد کا تلوار نکالی ..   خوب اُس نے دوا [illegible]

نادر — صیاد کا رُخ دیکھ لیا چاکِ قفس سے — یہ ہمنے قفس سے گلزار نکالی

جذبِ حسن — کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے — خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

تصوف — سارا پردہ ہے دوئی کا جو یہ پردہ اٹھ جائے — گردنِ شیخ میں زنار برہمن ڈالے

قابلِ دید ہیں وہ عارض و چشم و مژگاں — حوریں بیٹھی ہوئی ہیں خلد میں چلمن ڈالے

نادر — کہیں زخمِ نگہ ناز رفو ہوتے ہیں — کہو ڈورے سے یہ کسی اور پہ سوزن ڈالے

تجنیس — خونِ ناحق کہیں چھپتا ہے چھپائے سے امیر — کیوں مری لاش پہ بیٹھے ہیں وہ دامن ڈالے

نہال اسکو ہمیشہ کرتی ہے بالیدگی غم کی — الٰہی دل ہے یا کوئی کلی ہے نخلِ ماتم کی

باتکلف — ترا غمزہ ہے وہ طرار جب گلشن میں آتا ہے — گلوں کی جیب کتری ہے گرہ کاٹی ہے شبنم کی

نہیں ہے شرم کی جا اب تو ہمکو دیکھنے آؤ — کہ پٹی باندھ لی داغوں کی آنکھوں پر بھی مرہم کی

شکستِ شیشۂ دل سے امیر آیا ہے غش مجھکو — چھڑک کر مے سنگھا دے کوئی مٹی ساغرِ جم کی

سبحان اللہ — محتسب کو مے کی تو بہت ہے — دیوانے کو ایک ہُو بہت ہے

موتی کی طرح جو ہو خداداد — تھوڑی سی بھی آبرو بہت ہے

نشتر — جاتے ہیں جو صبر و ہوش جائیں — مجھکو اے آرزو تو بہت ہے

اے نشترِ غم ہو لاکھ تن خشک — تیرے دم کو لہو بہت ہے

ابرو کے یار نہ بھولیں کبھی دل شاد رہے — خوب مطلع ہے یہ اللہ کرے یاد رہے

ہوں وہ مقتول مرے قتل کی ایسی ہو خوشی
رقص میں تیغ رہے وجد میں جلاد رہے

ہم جو پہنچے تو لب گور سے آئی یہ صدا
آئیے آئیے حضرت بہت آزاد رہے

یہ کہونگا یہ کہونگا یہ ابھی کہتے ہو
سامنے انکے بھی جب حضرت دل یاد رہے

آشیانے سے نہ مطلب ہے نہ گلشن سے غرض
گھر الٰہی مرے صیاد کا آباد رہے

بسملوں کی نگہ یاس بری ہوتی ہے
اک ذرا دل کو سنبھالے ہوئے جلاد رہے

حشر میں عذر گنہ کیا ہے بتا تو رکھو
کہ مبادا انہیں بھولے تو مجھے یاد رہے

طول فرقت سے مزے وصل کے سب بھول گئے
نہ وہ باتیں نہ وہ راتیں نہ وہ دن یاد رہے

کانٹے الجھیں نہ کہیں دامن آزادی ہیں
دامن اس ڈر سے سمیٹے ہوئے شمشاد رہے

قتل بے خنجر و شمشیر جو ہو مد نظر
اک ذرا آپکو کھینچے ہوئے جلاد رہے

دل کو طرز نگہ یار جتاتے آئے
تیر بھی آئے تو بے پر کی اڑاتے آئے

میکشی کی ہے خوشی ہجر میں کسکو ساقی
لکۂ ابر تو اور آگ لگاتے آئے

دشت ہستی میں بلا خاک بگولے کی طرح
خاک اڑاتے گئے ہم خاک اڑاتے آئے

ہم اگر قتل ہوئے خیر یہ تقدیر اپنی
آپ بدنام نہوں ہوئیے تشہیر اپنی

ہم ادھر معرکۂ امتحاں سے ٹل جاتے
جواب پاؤں جو دیتی تو سر کے بل جاتے

ہزار تیز نہ تھی تیغ یار اگر چلتی
تو ہم سے کتنے غریبوں کے کام چل جاتے

سیاہ کار وہ ہوں حشر میں حساب مرا
جو وقت صبح سے ہوتا چراغ جل جاتے

شبِ فراق میں اچھا ہوا نہ کھینچی آہ — غریب خانے کے دو جھونپڑے بھی جل جاتے

جھونا معشوق — خیالِ زلف و عارض میں قضا کی — نمازِ صبح و شام اک جا ادا کی
ادا پر مرنے والوں سے بھی غمزے — کہو کیوں موت آئی ہے قضا کی
بلاغت — بہار ہے خزاں سے جامۂ یار — نہ مرجھائیں کبھی کلیاں قبا کی
نشتر — ترے کشتے نے خنجر ہی کے نیچے — مصیبت جھیل لی روزِ جزا کی

رفعت — ترا کیا کام اب دل میں غمِ جانانہ آتا ہے
نکل اے صبر اس گھر سے کہ صاحب خانہ آتا ہے

نظر میں تیری آنکھیں سر میں سودا تیری زلفوں کا
کئی پریوں کے سائے میں ترا دیوانہ آتا ہے

نزہت — لگی دل کی بجھائے بیکسی میں کون ہے ایسا
مگر اک گریۂ حسرت کہ بیتابانہ آتا ہے

نشتر — انھیں سے غمزے کرتی ہے جو تجھ پر جان دیتے ہیں
اجل تجھکو بھی کتنا ناز معشوقانہ آتا ہے

بانکپن — نمک جلاد چھڑکا چاہتا ہے میرے زخموں پر
مرنے کا وقت اب اے ہمت مردانہ آتا ہے

امیر اور آنے والا کون ہے گورِ غریباں پر
جو روشن شمع ہوتی ہے تو ہاں پروانہ آتا ہے

چھوڑے کہیں نہ گیسوئے پُر خم نے اُسکے پیچ
کچھ رہ گئے تو میرے مقدر میں رہ گئے

مجلس تمام ہو چکی ہنگامہ ہو چکا
ہم راہ دیکھتے تری محشر میں رہ گئے

لی کاروانِ گل نے خزاں میں عدم کی راہ
بلبل پھڑک پھڑک کے گلستاں میں رہ گئے

لوٹا ستمگروں نے مگر پھر بھی اے امیر
مضمون ہزار ہا مرے دیواں میں رہ گئے

نہ مست ہی نہ کوئی ہوشیار باقی ہے
حجاب کس سے ہے اب آ نہ خشمِ یار باقی

وہ صیدگاہ سے جاتے ہیں اپنی اجل کو پھر کے
اِدھر بھی بے پر و بال اک شکار باقی ہے

نہ جائیگی کبھی تا زیست اپنی سوزشِ دل
کہ شیر زندہ ہے جب تک بخار باقی ہے

چلے بہ رنگِ نفس عمر بھر تو کیا حاصل
کہ منزلوں ہی ابھی کوئے یار باقی ہے

نہ توڑو آئینہ جانے بھی دو کہ اب بھی ہی
تمہارے دیکھنے والو نہیں رہا باقی ہے

قضا پکارتی پھرتی ہے کوئے قاتل میں
چلے اگر کوئی امیدوار باقی ہے

بہ رنگِ شمع اترتی نہیں یہاں تپِ غم
ہزار آئے پسینا بخار باقی ہے

امیر فاتحہ پڑھنے کوئی کہاں آئے
مزار ہے نہ نشانِ مزار باقی ہے

تیغ قاتل پہ ادا لوٹ گئی — رقص بسمل پہ قضا لوٹ گئی

ہنس پڑے آپ تو بجلی تڑپی — بال کھولے تو گھٹا لوٹ گئی

پس گیا چشم سیہ پر سرمہ — پائے رنگیں پہ حنا لوٹ گئی

اونچی چوٹی کے ادا گرد پھری — نیچی نظروں پہ حیا لوٹ گئی

اس روش سے وہ چلے گلشن میں — بچھ گئے پھول صبا لوٹ گئی

بلاغت

جان محزوں کی حقیقت کیا تھی — درد پہلو میں اٹھا لوٹ گئی

سانپ کیطرح مری چھاتی پر — رات وہ زلف دوتا لوٹ گئی

نشتر

وار خالی نہ گیا قاتل کا — بچ گیا میں تو قضا لوٹ گئی

کیا مزے کی ہے طبیعت اپنی — ایک بوسہ جو ملا لوٹ گئی

ندرت

جنت میں روح جسم ہے نیچے مزار کے
کشتی ہماری ڈوب گئی پار اتار کے

گلشن سے بلبلوں کو اڑاتا ہے باغباں
صدقے اتر رہے ہیں عروس بہار کے

پیری میں کس مزے کو جوانی کے روئیے
سو داغ دے گئے ہیں دو دن بہار کے

عجیب مضمون

یکرنگ تھے وہ ہم کہ دو رنگی نہ کی پسند
پہنا کفن تو جامۂ ہستی اتار کے

کلیاں جنھیں گلوں کو سمجھتی ہے عندلیب

وہ بنا ہیں نقابِ عروسِ بہار کے

دامن کشاں وہ آئے سرِ قبر شکر ہے
آنسو تو کچھ پُچھے مری شمعِ مزار کے

ہے نمازِ ان زاہدوں کی ضعفِ ایماں پہ دلیل
سامنے اللہ کے جاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے

بوجھ ہے چوٹی بھی اِن نازک حسینوں کے لیے
گیسوؤں کی طرح بل کھاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے

رسم نے ملنے کی کھوئی عید کی ساری خوشی
تین دن تک پاؤں رہ جاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے

طرزِ رفتار سے مارا ہے تو پامال بھی کر
دیکھ قاتل یہ بُری چال رہی جاتی ہے

کچھ نہ اغیار کی تقصیر نہ تم پر الزام
بے زبانی مری باتیں تجھے سنواتی ہے

گل نسیمِ سحری شمعِ سحر کو نہ کرے
کوئی دم میں یہ غریب آپ بجھی جاتی ہے

بیخود ایسا ہوں کسی کی لذتِ تقریر سے
پہروں کرتا ہوں خموشی کا گلہ تصویر سے

توڑ کر پہلو جو چل نکلا دلِ نخچیر سے
خوب روئیں حسرتیں دل کی لپٹ کر تیر سے

کل تلک تھا کثرتِ عصیاں سے نادم ای کریم
آج شرمندہ ہوں اپنی قلتِ تقصیر سے

میں تو زنداں سے سوئے دشت بڑھاتا ہوں قدم
ہوگی اے خانۂ زنجیر تباہی تیری

تو بھی اے ابرِ سیہ تو لیں بھی مے کی سیاہ
ملگئی خوب سیاہی میں سیاہی تیری

حشر میں تو نہ زباں بند کرائی تیغ دو دم
دو گواہوں کے برابر ہے گواہی تیری

خورشید گرد ہی ترے گالوں کے سامنے
میلے خطِ شعاع ہیں بالوں کے سامنے

دعویٰ زبان کا لکھنؤ والوں کے سامنے
اظہارِ بوئے مشک غزالوں کے سامنے

کیا کیا بناؤ کرتے ہیں خارِ رہِ جنوں
رکھ رکھ کے آئنے مرے چھالوں کے سامنے

کرتے ہیں عجز جن کو خدا نے دیا ہے ظرف
شیشوں کے سر جھکے ہیں پیالوں کے سامنے

عاشق نے لاکھ جمع کیا دفترِ حواس
شیرازہ کھل گیا ترے بالوں کے سامنے

پانی کی چھاگلیں جو سمجھتے ہیں خارِ دشت
آتے ہیں دوڑ کر مرے چھالوں کے سامنے

موسیٰ سے کہدو طور پہ جایا کرو نہ روز
اچھے نہیں ہیں برق جمالوں کے سامنے

اے دل بھرے تو ٹھیس ہی سے کب اُبل پڑے
کانٹوں نے لی جو نوک کی چھالوں کے سامنے

نہیں امید جو اُس بیوفا کے آنیکی
میں راہ دیکھ رہا ہوں قضا کے آنے کی

یقیں ہوا جو گرا دانت کوئی پیری میں
کہ آج کھل گئی کھڑکی قضا کے آنے کی

غلاف ڈال قفس پر ابھی نہ اے صیاد
کہ ہے چمن سے توقع صبا کے آنے کی

بعدِ مردن بھی مرے ضعف کی قوت نہ گھٹی
خاک اُٹھی بھی تو چکرا کے وہیں بیٹھ گئی

لاجواب — ان دنوں دختر رز کا نہیں ملتا ہے پتا
کہیں قاضی سے تو گھبرا کے نہیں بیٹھ گئی

بانکپن — دور سے بھی جو نظر آئی کہیں شکل امید
پاس آ کر مرے پہلو کے قریں بیٹھ گئی

چال نے تیری قیامت کو ابھرنے نہ دیا
ٹھوکریں ایسی لگائیں کہ وہیں بیٹھ گئی

نشتر	لذت جو ملی مرے لہو کی	خنجر نے بلائیں لیں گلو کی
	روئے مری قبر پر وہ آ کر	ہم خاک ہوئے تو آبرو کی
نشتر	کی جس پہ نگاہ تجھکو دیکھا	اب تک تو نظر کہیں نہ چوکی
نشتر	ساقی نے سنگھائی غش میں مٹی	سوندھی سوندھی مجھے سبو کی
نشتر	تھا چار طرف اسی کا جلوہ	کیوں نعش ہماری قبلہ رو کی
تشبیہ	پلکیں دم جوشش خوں فشانی	دھاریں نظر آتی ہیں لہو کی
نشتر و خنجر	دل ہی نہ رہا امید کیسی	جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی
ندرت	جائے گا جنون نہ سر کے بے ذبح	ہو فصد مری رگ گلو کی
سبحان اللہ	اب کیوں ہیں کلیم غش میں خاموش	پہلے نہ سنبھل کے گفتگو کی
لاجواب قطعہ	کیسی ارنی کہاں کے موسیٰ	ق خود دید کی اپنی آرزو کی
	تھا پردہ ظاہری جو منظور	آواز بدل کے گفتگو کی
نشتر	کلفت نہ مٹی امیر دل سے	اشکوں نے ہزار شستشو کی

بیعت پیرِ مغاں طرفہ مزا دیتی ہے — سلسلہ ساقیٔ کوثر سے ملا دیتی ہے
بڑھ کے جب بولتی ہے موسمِ گل میں بلبل — جل کے پھولوں میں صبا آگ لگا دیتی ہے
پوچھتے ہیں جو شبِ ہجر میں ہم شمع سے حال — منہ سے کہتی نہیں کچھ اشک بہا دیتی ہے

بندے ہیں حسنِ ملیح یار کے — ہیں نمک پروردہ اس سرکار کے
آئی بالیں پر جو مجھ بیمار کے — خوب روئی موت ڈاڑھیں مار کے

جو بحرِ عشق میں ہے وہ آفت رسیدہ ہے — گرداب مثل موج گریباں دریدہ ہے

خدا کو اپنی اپنی داستانیں سنائیں گے — قیامت جس کو کہتے ہیں وہ بزمِ قصہ خوانی ہے
وہ میری مہرِ خط کو دیدۂ بیگانہ سمجھے ہیں — نئے انداز کی اے نامہ بر یہ بدگمانی ہے
وہ پیاسا ہوں کہ مر جاؤں نہ مانگوں خضر سے پانی — گئی جب آبرو پھر خاک آبِ زندگانی ہے

خدا نے شانِ یوسف سے تمہاری شان افضل کی
کھلی سب نقشِ ثانی سے حقیقت نقشِ اوّل کی
ہزاروں منعموں کو ہوش میں لاؤ نہیں سکتے
یہ سچ ہے ایک توڑے میں ہے مستی ایک بوتل کی

ہم اس کے عشق میں صبر و قرار کھو بیٹھے — قدیم دوست ہمیشہ کے یار کھو بیٹھے

بیساختہ پن — سر خدنگ نگہ آچکا تھا طائر دل — تم آنکھ پھیر کے اپنا شکار کھو بیٹھے

نشتر — گلوں نے خندۂ بیجا سے یہ ثمر پایا — کہ چار دن بھی نہ گذرے بہار کھو بیٹھے

ادا وہ کون تھی جس پہ ہوئے فقیر امیر — ذرا سی بات پہ صبر و قرار کھو بیٹھے

ہزاروں خار لاکھوں پھول اس گلشن میں ہیں لیکن
نہ تم سا نازنیں کوئی نہ ہم سا ناتواں کوئی

جدت — حیا دیکھو وہ نرگس زار میں گھبرا کے کہتے ہیں
ادھر آنکھیں ادھر آنکھیں نقاب الٹے کہاں کوئی

سہل ممتنع — اٹھانا کوہ کا آساں اٹھانا بات کا مشکل
تو ہی مجھ سا ہے عالم میں نہ مجھ سا ناتواں کوئی

حسرت — قفس کی تیلیاں ہیں جتنی شاخیں ہیں درختوں کی
کہاں باندھے الٰہی اس چمن میں آشیاں کوئی

کمال جذب سے نالہ کشاں پہنچے امیر احمد
رہا معشوق و عاشق میں نہ پردہ درمیاں کوئی

عبرت — کیا باغ میں دیکھتی ہے شبنم — جو گل کی ہنسی پہ رو رہی ہے

اس تیغ کے منہ چڑھے ہے نہ بجلی — کیوں جان سے ہاتھ دھو رہی ہے

باندھی جو روز حشر ہوا ہم نے آہ کی — اڑتی پھرے گی فرد ہمارے گناہ کی

بھاری بہت ہے لاؤ گنہگار روزِ جزا میں پلّا — رکھوا کے سر پہ شیخ کے گٹھری گناہ کی

تھے وہ موسیٰ غش پہ غش آیا جنھیں — یاں تو آنکھیں کھل گئیں دیدار سے
گرمیاں کرنے گئی تھی رات کو — رو کے اٹھی شمع بزمِ یار سے
بے سبب چھاگل نہیں کرتی ہے شور — یہ بھی نالاں ہے تری رفتار سے
تم ہو ناواقف ہم آغوشی کا ڈھنگ — سیکھ لو اپنے گلے کے ہار سے

صلحِ کل میں ہے ابھی شرکت کہیں تھوڑی سی — اور اے پیرِ خرابات نشیں تھوڑی سی
مدد اے شوقِ سجود المدد اے شوقِ سجود — سنگِ در سے لگے ابھی باقی ہے جبیں تھوڑی سی
کچھ تو پیدا ہو کبابِ دلِ بریاں میں مزا — چاہیے الفتِ خالِ نمکیں تھوڑی سی
ایک قطرہ بھی نہ پینا مگر اے جانِ جہاں — اُسی انداز سے کہہ لے کہ نہیں تھوڑی سی

خلیل ساں نہیں قابل ہوا ستاروں کا — بدل کے رنگ یہ بہروپیے ہزار آئے
گناہگار رہا جو رنگ کھیل ہے انکو — اِدھر اُدھر گئے دو چار ہاتھ مار آئے
جلا ہوں یہ فلکِ سرد مہر کے ہاتھوں — لگاؤں ہاتھ تو کافور کو بخار آئے
یقین ہے ذکر کرے میرے جوشِ وحشت کا — جو آبلے کے دہن میں زبانِ خار آئے

تیر کے ساتھ چلا دل تو کہا میں نے کہاں — حسرتیں بولیں کہ مہمان کو رخصت کرنے
آ گئے میخانہ میں تھے پیرِ خرابات امیر — اب چلے مسجدِ جامع کو امامت کرنے

بوقت بحرِ غم سے کشتیٔ جانِ حزیں نکلی
کبھی بیٹھی کبھی اچھلی کہیں ڈوبی کہیں نکلی

جدت — وہ کیا پردے سے نکلے جسکے پیراہن کو غیرت ہے
ہوا چیں بر جبیں دامن جو دیکھی آستیں نکلی

وہ تھا غم دوست سنگِ جورِ گردوں جب پڑا مجھ پر
شکستِ شیشۂ دل سے صدائے آفریں نکلی

تصوف — فنا کیسی بقا کیسی جب اسکے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں آ نکلے کبھی اُس گھر میں جا ٹھہرے

سبحان اللہ — صفیں آراستہ ہونے لگیں جب اہلِ محشر کی
جما کر ایک ٹکڑی حسرتوں کی ہم جدا ٹھہرے

تشبیہ — جفا دیکھو جنازے پر مرے آئے تو فرمایا
کہو تم بیوفا ٹھہرے کہ اب ہم بیوفا ٹھہرے

تہِ خنجر بھی منہ موڑا نہ قاتل کی اطاعت سے
تڑپنے کو کہا تڑپے ٹھہرنے کو کہا ٹھہرے

دلِ مضطر سے کہدو تھوڑے تھوڑے سب تڑپ چکیے
ذرا بہکے ذرا سنبھلے ذرا تڑپے ذرا ٹھہرے

سبحان اللہ — نہ تڑپا چارہ گر کے سامنے اے دردِ دل مجھکو
کہیں ایسا نہو یہ بھی تقاضائے دوا ٹھہرے

امیر آیا جو وقتِ بد تو سب نے راہ لی اپنی
ہزاروں سیکڑوں میں دو شخص ہم دو آشنا ٹھہرے

گرد باد اٹھ کے سراپردۂ در کس کا ہے
اے جنوں خانہ بدوشی میں یہ گھر کس کا ہے

تیر پر تیر لگاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے
سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے

توڑتا ہے جو کوئی پھول تو کہتی ہے صبا
کیا خبر تجھکو کہ یہ دل یہ جگر کس کا ہے

اس طرف منہ نہیں کرتا ہے جو خورشید کبھی
گرم کیا جانئے بازار ادھر کس کا ہے

شراب خانہ کا عازم ہے تیرا دیوانہ — سبو کے ہاتھ میں خشتِ خمِ شراب ہے
خطاب ہے لبِ ساغر کا محتسب سے امیر — پھرے جو پیرِ خرابات سے خراب ہے

بگولے خاک سے اٹھتے ہیں اب تک — نہ مر کر بھی دبے ہم آسماں سے
کہاں دیر و حرم میں عشق مشرب — یہ لوگ آزاد ہیں قیدِ مکاں سے

عیش بے رنج کہاں غمکدۂ عالم میں — نظر آتی ہے خوشی خندۂ بیمار سے مجھے

خلعت ہے در یار سے بے سر و سامانی ہے — خاص ہے بوالہوس پیراہنِ عریانی ہے
ذبح ہو کر بھی تجھے دیکھ رہا ہے قاتل — دیکھ کیا حوصلۂ دیدۂ قربانی ہے

مراۃ الغیب کے یہ گرانبہا اشعار جو پیشکش اہل بصر و بصیرت کئے گئے ہیں
انہیں نادر اشعار کے مماثل صدہا شعر اور بھی ہیں جو دیوان میں موجود ہیں۔
میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کتاب میں اتنی گنجائش نہیں کہ سب
منتخب اشعار لیلئے جائیں چونکہ بمقتضائے دور ناسخ اس دیوان میں
مختلف حسن و انداز کے شاہدان معنی گوناگوں لباس میں تھے ۔
لہذا بعض بعض اشعار کی جانب نگاہ ناظر کو متوجہ کرنیکے لئے
اشارتاً کچھ لکھدیا گیا ہے۔ آئندہ کلام میں ضرورت نہو گی کیونکہ
حسن سب کا نکھرا ہوا اور لباس سب کا ایک ہی رنگ کا ہوگا

حضرت امیرؔ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ غدر کے زمانے میں
اُنکا بہت سا کلام تلف ہو گیا۔ اس ہنگامے کے بعد رامپور جانے
اور اطمینان حاصل ہونے پر اُن کو خیال ہوا کہ تلف شدہ کلام کے کچھ
اشعار اگر یاد آجائیں تو لکھ لینا چاہئے۔ چنانچہ غور کرنے سے جو جو شعر
یاد آتا گیا وہ سب قلمبند کر لئے گئے۔ اسطرح ایک چھوٹا سا مجموعہ
مفردات ہو گیا جس کا نام گوہر انتخاب رکھا گیا۔
مراۃ الغیب کے بعد لکھنؤ میں یہ مختصر مجموعہ چھپ گیا تھا ۱۳۰۰ھ
میں جب حضرت امیرؔ رامپور سے لکھنؤ تشریف لائے تھے تو
اسکا ایک نسخہ راقم الحروف کو بھی مرحمت فرمایا تھا۔ بعد کو جب
اسکی کاپیاں باقی نہیں رہیں تو صنمخانۂ عشق کے ساتھ مکرر چھپوا کر آخر میں
لگا دیا گیا ہے اسکا ہر شعر بلیغ ایک عالم رکھتا ہے اور سلاست زبان
میں سہل ممتنع ہے۔
اس گویائی کے متعلق یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ سعدیؒ اور امیر خسروؒ کی شاعری کا
عطر کھینچا ہوا ہے بلا انتخاب تھوڑے سے اشعار یہاں لکھے جاتے ہیں۔

گوہرِ انتخاب

وہ مست ہوں کہ ساغرِ مے جب میں پا گیا
اکبار یا غفور کہا اور چڑھا گیا

محشر میں دیر تھی اگر آنے میں یار کے
اے شورِ حشر تو نے مجھے کیوں جگا دیا

ہے تشنگی وہی غمِ الفت کی آج تک
سارا لہو نچوڑ کے میں نے پلا دیا

تڑپتے ہیں اگر بسمل تجھے کیا
تو اپنا کام کر قاتل تجھے کیا

فلک ہم تو تیرا بھی شکوہ نہ کرتے
مگر تجھکو ڈھب ہی نہ آیا جفا کا

آتے ہی دمِ نزع مرے پاس وہ بولے
ہم جاتے ہیں یہ حال تو دیکھا نہیں جاتا

رہ رہ کے اک کھٹک سی سینے میں ہو رہی ہے
شاید ابھی ہے باقی ٹکڑا کوئی جگر کا

کہا دل نے یہ مجھ سے کھینچکر خنجر وہ جب آیا
تڑپنے تلملانے لوٹنے کا وقت اب آیا

صفِ محشر میں تیرے کُشتوں نے
کچھ سمجھکر مجھے امام کیا

نہ پھرا نامہ بر وہاں سے امیر
زندگی نے مجھے جواب دیا

انصاف جو یہ یار خدا سے طلب کیا
تمنے بھی اے امیر بڑا ہی غضب کیا

نہ ملا تھا جواب نامہ اگر
آکے قاصد جواب ہی دیتا

اسقدر ہے دراز ہجر کی رات
پر تڑپنے سے جی نہیں بھرتا

خنجر نے ترے دیا نہ پانی
ترسا ترسا کے مار ڈالا

کیوں نہ کٹتی زباں تری اے شمع
سوزِ دل کیوں زبان پر آیا

اے دل تو اور چار پہ عاشق ہو مجھکو کیا
میں نے ترے بھلے کو کہا کیا برا کیا

مری صورت جو بدلی فرطِ غم سے
تو وہ بولے کہ اچھا روپ بدلا

سوا اس کے کہ کچھ دل کے تڑپنے میں مزا پایا
مرے پہلو میں رہکر تو نے اے درد اور کیا پایا

کہتا ہے عشق دیکھ کے میرا چراغِ داغ
روشن ہے اس سے نام مرے خاندان کا

زورِ جنوں سے ضعف میں ارماں نکل گیا
اٹھا نہ ہاتھ بھی کہ گریباں نکل گیا

میکشوں کا نامۂ اعمال سارا دھو گیا
جو دھواں بھٹی سے اٹھا ابرِ رحمت ہوگیا

اے دل بلائے جا وہ کبھی آہی جائیگا
دو چار بار کہنے میں شرما ہی جائیگا

نالے کرتے کرتے میں ٹھہرا تو وہ کہنے لگے
مر گیا۔ غش کر گیا۔ دیکھو تو چپ کیوں ہوگیا

اپنے مرنے کا نہیں غم مگر اتنا غم ہے
اے عزیزو ملک الموت نے گھر دیکھ لیا

امیر صانعِ قدرت کا کھیل ہے دنیا
بنا بنا کے مٹائی ہیں صورتیں کیا کیا

نوجواں لوگ کیا نہیں کرتے
دل لگایا تو کیا گناہ کیا

قاتل اک چٹکی نمک دی ڈال اب
زخم کھاتے کھاتے تو جی بھر گیا

کس کس نے ہمکو روکا اس در پہ ہم جو پہنچے
لغزش نے پاؤں پکڑے درباں نے ہاتھ کھینچا

مُردے کا زندہ کرنا کیسا تم آپ مرتے — مرنے کا کچھ مسیحا تم نے مزا نہ جانا

کہتے تھے دل کسی سے لگاؤ نہ لے امیر — دیکھو تو چار روز میں کیا حال ہوگیا

مجھکو دیکھا تو آئینے نے کہا — ہائے کیا حال ہوگیا تیرا

سنا ہے کل کہیں مسجد میں وہ بُت آیا تھا — نماز ہو نہ سکی اسقدر ہجوم ہوا

قتل سے ہم رہے محروم گری ہاتھ سے تیغ
ہاے اس آنکھ سے جلاد کو کیوں دیکھا تھا

اُٹھتا نہیں ہے شور جو بازار میں کہیں — کیا آج امیر مست سے اُٹھا نہیں گیا

تو مجھ سے نہ مل خیر مجھے بھی نہیں پروا — ڈھب ہے تیرے جلانے کا یہ اے یار کرونگا

تصویر تری لاکے ہیں اب سامنے تیرے — ق — چھاتی سے لگاؤنگا اُسے پیار کرونگا

قیامت کا اگر ڈر ہے تو یہ ہے — کہ مر کر ہم کو پھر جینا پڑے گا

ذکرِ شبِ فراق پہ کہتا ہے دل مرا — لو میرے آگے نام نہ اُس رُوسیاہ کا

اس بُتِ تندخو کو رام کیا — آفریں اے امیر کام کیا

بہت غم نہ کھا عشق کا اے امیر — تجھے کوئی آزار ہو جائے گا

تیری لکنت پر فدا سو جان سے دل ہوگیا
تو نے آدھی بات کی میں نیم بسمل ہوگیا

وہ آئے کھینچکے تلوار سب کو شاد کیا — امیر آج بہت ہم نے تم کو یاد کیا

کھل گیا زاہد کہ مستوں پر خدا کا رحم ہے
ابر جب قبلے سے اُٹھا میکدے پر چھا گیا

غم اُس کا حسرتوں سے پوچھتا ہے میرے سینے میں

کہاں ہے وہ جو دل نام اک یہاں بیمار رہتا تھا

حضرت عیسیٰ ابھی کیا دیکھتے ہو میری نبض
پہلے اُس کو دیکھ آؤ پھر مجھے تم دیکھنا

سنوارا ہے اگر اسکو لحاظ اتنا بھی تو رکھنا
اب اسے مشاطہ آئینہ نہ اُسکے روبرو رکھنا

شمع کی طرح جلا بھی میں بجھا بھی لیکن
عمر بھر رشتۂ الفت مری گردن میں رہا

بیقراری نے بدلوائی تو کروٹ بدلی
درد دل نے جو مدد کی تو میں بستر سے اُٹھا

میں دل لگا کے تو سنتا ہوں کیا کروں ناصح
ترا کلام ہی دل میں اثر نہیں کرتا

ضعفِ دل نے اثر یہ دکھلایا
درد سے بھی اُٹھا نہیں جاتا

آوارہ پھر رہا ہے محبت کی راہ میں
اک دل دیا تھا ہم کو خدا نے سو یوں گیا

ہزاروں اُس سے سوا بے نشاں ہیں لیکن
نکل گیا ہے زمانے میں نام عنقا کا

لاکھوں اُس لیلیٰ کے دیوانے تھے انہیں عشق نے
ایک مشتِ استخواں کا نام مجنوں رکھ دیا

باندھ رکھی ہے اُس نے خنجر پر
ہائے اس وقت مجھ میں دم نہ ہوا

بولے وہ سنکے رات کو میری صدا امیر
پوچھو تو کوئی نام ہے کیا اس فقیر کا

یوں ترے در پہ کیوں پڑے رہتے
ہم غریبوں کا گھر اگر ہوتا

روز محشر سے ڈرایا ایکدن میں نے انہیں
ہنسکے بولے وہ بھی اک فتنہ ہے اپنی چال کا

چھو گئی بو جہاں محبت کی
رنگ پھر ڈر سے منہ نہیں چڑھتا

قتل موذی کا تو شرعاً ہے درست
ناصح اب تک کیوں سلامت رہ گیا

کھٹکتے ہیں جو رہ رہ کر ترے تلووں میں اے رہرو
عوض لیتے ہیں کانٹے تجھسے اپنی پائمالی کا

جو میرے قتل کو تلوار لیکے یار آیا
لپٹ گیا مجھے بے اختیار پیار آیا

شوق سے میں نے جو خنجر کے تلے سر رکھدیا
چھیڑنے کو ہاتھ سے قاتل نے خنجر رکھدیا

بازو پہ رکھکے سر جو وہ کل ساتھ سوگیا
آرام یہ ملا کہ مرا ہاتھ سوگیا

گل خود تھے بے ثبات گلستان دہر میں
گلچیں غریب مفت میں بدنام ہوگیا

ضبط کرتے ہی اثر نالوں کا ظاہر ہوگیا
بول اٹھے گھبرا کے سینے سے لو وہ آخر ہوگیا

کرنے کو کیا قتل مجھے یار نے لیکن
رو رو کے مرے خون کو تلوار سے دھویا

چلے جو آگے بتاتے تری گلی کی راہ
میں آج خضر سے بھی سخت بدگماں ہوا

سمجھے کہ عرض حال کرے گا ضرور امیر
دربار اُس کے آتے ہی برخاست کر دیا

باغباں بیداد گر گل بیوفا گلچیں رقیب
یارب اپنا دردِ دل کس کو سنائے عندلیب

بندھ گئی اُس گل کی یہ نازک مزاجی کی ہوا
پھر گئی منقار تک آ کر صدائے عندلیب

اب یہ عالم ضعف کا ہے میں جو روتا ہوں امیر
ساتھ ہر آنسو کے گر پڑتا ہوں آنسو کی طرح

ہماری رائے میں بہتر ہے میکشی کو صباح
اب آ گئے قاضی و مفتی و محتسب کی صلاح

میں وہ گل ہوں اس چمن میں باغباں
کھٹکے گلچیں بھی جس کو توڑ کر

ذرا نظارۂ گل بلبل بے بال و پر کر لے
بٹھا دے ایکدم صیاد اسے دیوار گلشن پر

بھیڑ میں پڑ جاتے تا آنکھ اُس رخ پر نور پر
چڑھ کے بیٹھے ہیں کلیم اللہ کوہ طور پر

مسافر سے جھگڑتے ہیں فرشتوں سے خدا سمجھے

گھڑی بھر چپ پڑا رہنے نہیں دیتے ہیں نشتر ان پہ

جان اگر دیتی نہیں ہے ساقیِ گلفام پہ
کیوں لہو روتی ہو منہ رکھکر صراحی جام پہ

فصلِ گل آ گئی شاید کہ صبا گلشن سے
برگِ گل لیکے چلی مرغِ گرفتار کے پاس

دیکھکر گستاخیِ پروانہ شرماتی ہے شمع
تھوڑی تھوڑی کیسی محفل میں گھلی جاتی ہے شمع

ایک قطرہ خون ہے دل پر وہ قطرہ ہے امیر
غوطے کھاتے پھرتے ہیں جسمیں دو عالم آج تک

محفوظ کوئی سختیِ ایام سے نہیں
عشاق سخت جان ہیں تو معشوق سنگدل

چھپ گئے پہلے تو مجھکو دیکھکر
پھر کہا لو کس سے شرماتے ہیں ہم
رات دن رونا تڑپنا تلملانا پیٹنا
ہیں تو ہم ناکام پر رہتا ہے کام انکا مجھے
مر گئے بھی یار کا دم بھرتے ہیں
زندۂ عشق کہیں مرتے ہیں

جانِ من وہ دل کے لینے کی راہیں اور ہیں
جنکو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں وہ نگاہیں اور ہیں

دلِ ویراں مرا آباد رہے
ایسے ویرانے کہاں ہوتے ہیں

ہمیں لیگئی بیخودی دور امیر
خدا ہی ملائے تو اب ہم ملیں

سنگ دشمن نے کیا ہے کرم تو عذر ہے کیا
جلی بھنی ہوئی ہیں ہڈیاں سو حاضر ہیں

خدا دراز کرے عمر برق اسے گلچیں
چراغ آکے جلاتی ہے آشیانوں میں

شیخ جی مر گئے ہیں ۔ انکے مرید
حبس دم کا گمان کرتے ہیں

سمجھے کیا ہم جو وصف ساقیٔ گلفام کرتے ہیں
تو اپنا کام کر واعظ ہم اپنا کام کرتے ہیں

وصل کو ان سے جو کہئے تو کریں وعدۂ حشر
کہیئے قتل کی خواہش تو ابھی حاضر ہیں

ہزار طرح کے ہوتے ہیں وہم ہمکو امیر
کسی کی آنکھ جہاں ہم پُر آب دیکھتے ہیں

یار کے اُٹھتے ہی برہم ہوگیا سامان عیش
مے کہیں مینا کہیں ساقی کہیں ساغر کہیں

امیر دیر و حرم سے الگ جو جاتے ہیں
وہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بناتے ہیں

وفا کا عہد وفا ہو یہ غیر ممکن ہے
جفا کا وعدہ تو اب تک وفا ہوا ہی نہیں

بلبل آواز اسیران قفس کو نہ سنا
صحبتیں اگلی چمن کی انھیں یاد آتی ہیں

نہیں پروا کسی کو کارواں میں الٰہی کیا میں فریادِ درا ہوں

زاہد و غافل نہیں اُس سے صنم بن گئے ہیں بُت خدا کی یاد میں

راحت کو ڈھونڈتا ہے عبث تو جہان میں
اس کا زمین میں ہے نہ پتا آسمان میں

پھولوں سے کہہ صبا یہ خوشی کی جگہ نہیں
رونے کا ہے مقام ہنسی کی جگہ نہیں

صورت کو اُسکی دیکھ کے سمجھے ہو تم غریب
تم نے کبھی امیر سے باتیں نہیں ہوئیں

دنیا ہے ایک میکدۂ بیخودی امیر
سب مست ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں

نگاہیں حیا سے کہاں پھر چلیں ادھر دیکھئے پتلیاں پھر چلیں

گھات میں محتسب کو رہنے دو مست بھی ہوشیار رہتے ہیں

نہ عارض نہ زُلف دوتا دیکھتے ہیں خدا جانے ہم تجھ میں کیا دیکھتے ہیں

لیا پھر تونے اُس کا نام اے دل ارے ظالم ابھی سمجھا چکا ہوں

کسی کا دل سے ہے مکدر ضرور مجھ سے امیر
کہ اک غبار سا رہتا ہے میری آنکھوں میں

اے صنم اب ترا خدا حافظ ہم تو کعبے کی راہ لیتے ہیں

نہ تڑپوں جو فرقت میں تو کیا کروں
کہ بے شغل رہنے کی عادت نہیں

راہ صحرا کی جو ہم لیتے ہیں
جتنے کانٹے ہیں قدم لیتے ہیں

ہم کو فردائے حشر کا کیا غم
کہ شب ہجر کی سحر ہی نہیں

ہو کوئی گاہک تو سودے کا امیر
کون سے بازار میں سودا نہیں

ہنس تو پڑتے ہیں میرے رونے پر
شکر ہے گریہ بے اثر تو نہیں

ایسی راحت ملی قناعت میں
سو گئے پاؤں کنج عزلت میں

مزا ملا مجھے یہ دل کی بیقراری میں
کہ بھر رہا ہوں نمک اپنے زخم کاری میں

کرتے ہیں جو لوگ ذکر اُن کا
ایک ایک کا منہ میں دیکھتا ہوں

ان حسینوں کی محبت ہے سرکار
پاؤں چھونے پہ ہاتھ کٹتے ہیں

لیا ہے غیر نے بوسہ اسی کو گالی دو
خفا ہو مجھ سے نہ لینے میں منہ دیتے ہیں

نالہ اگر کرے تو سمجھ بوجھ کر کرے
بلبل سے کہہ دے کوئی کہ ہم بھی چمن میں ہیں

میں خدا کے سامنے کہہ دونگا زاہد تو تو کیا
یار سا بت دوسرا ساری خدائی میں نہیں

میکدے میں کہیں پڑے ہونگے
شب جمعہ ہے آج امیر کہاں

صیاد سے چھری کے تلے عندلیب نے
حسرت سے یہ کہا کہ غریب الوطن ہوں میں

محتسب جام سے جو ٹوٹے ہیں
میکشوں کے نصیب پھوٹے ہیں

امیر وادئ غربت میں تا کجا گردش
بہت سفر میں رہے اب چلو وطن کو چلیں

اے چرخ یہ اپنے حوصلے ہیں
اک دل ہے ہزار آبلے ہیں

کشتہ اک پردہ نشیں کا ہوں فرشتوں سے کہو
میرے تابوت سے دو چار قدم دور رہیں

عکس اپنا آئینے میں دیکھکر کہتا ہے یار
دیکھنے والوں سے خلوت میں بھی چھٹکارا نہیں

بحث تنگی میں دہن کی کیوں ہے کچھ حاصل نہیں
کسکے منہ لگتے ہو تم غنچہ تو اس قابل نہیں

آمد ہے فصل گل کی جلدی آ میرا ادھیڑ دو
ٹانکے جو چاک دل میں دو چار رہ گئے ہیں

تڑپے کس طرح یاد قاتل میں
جان بھی ہے کہیں مرے دل میں

محشر میں بھی دیوانوں کو پوچھا نہ کسی نے
آ گئے کی خدا جانے ابھی تک تو نچے ہیں

دیکھا ہے کسی راہ میں ہم نے کہ نہیں ہوش
گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں گھر بھول گئے ہیں

ساقی میں تیری نرگس میگون کا مست ہوں
توبہ کا نام ہیں مرے دشمن بہار میں

خم کے خم صاف جو کر جاتے تھے دو باتوں میں
ذکر خیر آجتک اُن کا ہے خراباتوں میں

خط طویل یار کو میں نے لکھا مگر
مطلب کو دیکھئے تو کہیں کچھ پتا نہیں

معشوق ہو حسین کہ ساقی ہو نازنین
دل میں مزہ نہیں تو کسی میں مزا نہیں

وہ مستِ شراب پھر رہے ہیں
ہم مفت خراب پھر رہے ہیں

خاک جو لپٹی ہوئی آتی ہے محمل سے تری اے
ہے یہی مجنوں اب اے محمل نشیں مجنوں کہاں

تم تو مرے سوال کا دیتے نہیں جواب
مجھ سے جو کوئی پوچھے تو میں کیا جواب دوں

ہم کو سارا زمانہ گزران کہتا ہے
دن جدائی کا مگر عمر میں محسوب نہیں

باغباں تو ہی کسی شاخ پہ بٹھلا دے مجھے
بے پر و بال ہوں میں طاقتِ پرواز نہیں

کھٹ گئیں دل میں اگر پلکیں تکیلی زاہدا
سیکڑوں پڑ جائینگے رخنے ترے ایمان میں

کھاتے ہو قسم نہیں میں عاشق
صورت تو ذرا آپنی دیکھو

جگاتا ہوں میں کب سے تم ذرا کروٹ نہیں لیتے
اُٹھو اے خفتگانِ خاک کیسی نیند سوتے ہو

فصلِ گل آنے سے پہلے پھنس گئے ہم دام میں
ہائے کیا کیا دل میں تھی سیرِ چمن کی آرزو

آہ کس حسرت سے لیلیٰ نے کہا ہنگامِ نزع
سونپے جاتی ہوں تجھے اے بیکسی میں قیس کو

لبِ جاں بخش سے اپنے ذرا تم
کبھی ہم مرنے والوں کو بھی پوچھو

کون سمجھائے جفا پیشہ دل آزاروں کو
اک نظر دیکھ تو لو آنکھوں کے بیماروں کو

بگڑ کر اسنے کہا بعد ذبح کُشتوں سے
تڑپ تڑپ کے لہو میں ڈبو دیا مجھکو

نمک بھی تو زخموں پہ چھڑکو ذرا
دم ذبح لب پر تبسم بھی ہو

تقویٰ کہاں کا جام چلے آج زاہدو
خرقے اتار کے بھٹی میں جھونک دو

وصل کی شب انکھیں شرم آتی ہے ہم چشموں سے
دستے نرگس کے جو ہیں اُنکو کنارے رکھ دو

زخم سلوانے کی یارو ابھی جلدی کیا ہے
پہلے کچھ میرے تڑپنے کی تو تدبیر کرو

بسملوں پر رحم کھا کر ان سے کہتی ہے قضا
ان گنہگاروں کے حق میں جلد کچھ ارشاد ہو

آئے جو زباں پہ شکوۂ یار
ہم کاٹ کے پھینکدیں زباں کو

اُس سے تنہائی میں تو لپٹا ہوں
ڈر ہے چھاگل کہیں پکار نہ دے

کھلتا نہیں کہ اُس کے کوچے کا کیا پتا ہے
میں دل سے پوچھتا ہوں دل مجھ سے پوچھتا ہے

دیکھتی ہیں جب اُسے آنکھیں تو کہتا ہے یہ دل
دیکھئے یہ دیکھنا کیا کیا دکھاتا ہے مجھے

بسملوں سے بھی ناز اٹھوائے
ہائے انداز میرے قاتل کے

آنکھ مست کا خیال جو ہنگام خواب ہے
جھونکوں میں نیند کے مجھے کیف شراب ہے

آسان نہیں ہے دام سے دنیا کے چھوٹنا
یہ اک بڑے حکیم کا باندھا طلسم ہے

جوبن ابھار پہ ہے چمن کو نہ جائیے
باد صبا لگائے گی چوری انار کی

ہیں خار یوں اسے برق جلاتی ہے مجھے کیا
گلچیں ہیں ہزاروں کسی گلچیں کو جلا دے

کیا رہنے اس چمن میں آفت سی پڑی ہے
ہر شاخ گل کے نیچے بلبل مری پڑی ہے

نہ واعظ مجھ سے کہہ اک دن دنیا سے جانا ہے
ارے منہ ساقی کوثر کو بھی آخر دکھانا ہے

نخچیر دل نے یہ لخت جگر اس میں پرو دئے
جو تیر ہے سفاک کا پھولوں کی چھڑی ہے

آج پہلو سے دل کی رخصت ہے
آبنی جان پر قیامت ہے

مژگان تر سے جان تسلی سی پا گئی
کانٹوں کی اوس پیاس ہماری بجھا گئی

دامن گل نسیم چاک کرے
بلبلو تم کو کچھ بھی غیرت ہے

ہوں وہ بلبل جب مرے دل کی کلی مرجھا گئی
اک میرے غم سے سارے پھولوں پر اداسی چھا گئی

جاں نثاروں کا اسقدر ہے ہجوم — تیغ مقتل میں چل نہیں سکتی
زور ہے اب یہ ناتوانی کا — دل سے حسرت نکل نہیں سکتی

ہے قصد کہ دل کعبہ نشینوں کے چرائے
تاکا ہے بڑے گھر کو ترے دزدِ حنا نے

خط مرا پھینک کے مجھ پر یہ کہا قاصد نے
وہ بھی ہو آپ پہ عاشق تو یہ کھڑا دیکھے

کسی درماندہ و حسرت زدہ کو یاد کرتا ہے
سنو اے قافلے والو جرس فریاد کرتا ہے

ہوئے جو ذبح بڑے پیچ و تاب سے چھوٹے
تمہیں ثواب ہوا ہم عذاب سے چھوٹے

پھر نہ کہنا امیرؔ کو لاؤ — اب وہ تیری گلی سے جاتا ہے

محفلِ عیش ہو یا مجلسِ غم دونوں میں
شمع کو روتے پتنگوں کو تڑپتے گزری

میں تو روتا ہوں اپنی قسمت کو — تو بتا ابر کس کو روتا ہے

رہا جاتا نہیں بے عشق دو دن — ہمیں بیمار ہونے کا مرض ہے

ہجر کا دن نہیں ہے داخلِ عمر — عمر تو وصل تک تمام ہوئی

یہ دن فراق کا کیوں دیکھتے ہمیں چوکے
شبِ وصال کے ہمراہ ہو لیے ہوتے

اک ذرا پردۂ محمل کو اٹھا دے لیلیٰ — پھر کوئی حالتِ بیتابیِ مجنوں دیکھے

فرقت میں میہمانیِ غم کیا کروں امیر
ٹکڑے ہیں کچھ جگر کے سو وہ بھی جلے ہوئے

نہیں اڑتے ہیں پتے آئے جنوں اشجارِ گلشن کے
یہ کچھ پرزے گریباں کے ہیں کچھ پرزے ہیں دامن کے

کہا مجنوں نے شاید ناقۂ لیلیٰ ادھر آئے
میں اس امید پر چنتا ہوں کانٹے اس بیاباں کے

پی کے مے بیٹھے وعظ سننے امیر
یہ بڑی تم نے ہوشیاری کی

جو بیہوش میں سب مجھے لائے ہے دوستو منظور
کہو کہ تجھکو ترے یار نے بلایا ہے

کرتے ہو جو تم امیر کو قتل
اتنا تو کہو گناہ کیا ہے

ابھی امیر کو صاحب برا بھلا نہ کہو
برے بھلے کا تو صحبت سے حال کھلتا ہے

جب کہا میں نے مرے قتل میں اب دیر ہے کیوں
بولے وہ اپنی خوشی آپ کو جلدی کیا ہے

خیر تم پر نہیں ہے زور اپنا
مر مٹینگے یہ اختیار تو ہے

یاں زخم سے لذتِ جگر ہے
احباب کو فکرِ بخیہ گر ہے

نہ جانے کے تھے اس گلی سے بہانے
نہ اب ضعف ہمکو نہ بے طاقتی ہے

ہو گیا کیا تجھے الفت میں امیر
ابھی روتا تھا ابھی ہنستا ہے

دو گھڑی آپ کا ہنس ہنس کے لگاوٹ کرنا
رنج برسوں کا مرے دل سے مٹا دیتا ہے

ہنسیرِ مرغِ خشک نے جلکر یہ کہا گلشن میں
کہ نہیں تازہ نہالو نہیں کبھی ہم بھی تھے

بت بن گئے ہم امیر آخر — یہ یادِ صنم کی انتہا ہے
کتنے آرام طلب ہیں ہم بھی — سایۂ تیغ میں نیند آتی ہے

حلال کر کے مرے ہم صفیروں کو صیاد
لہو بھری ہوئی چھریاں مجھے دکھاتا ہے

ہائے غم سے بھی جی نہیں بھرتا — برکت اٹھ گئی زمانے سے

کیا جانیں ہم کہ ہنستا کہتی ہے خلق کس کو
ہم نے جو آنکھ کھولی تو چشم تر ہی دیکھی

میں نے بوسہ جو لیا زلف کا ساقی نے کہا
صرف مے نوش نہیں یہ تو بلا نوش بھی ہے

مرا زخم دل اس لئے دیکھتے ہیں — کہ دیکھیں تو تلوار کیسی پڑی ہے

کہتا ہے مجھے دیکھ کے وہ اپنی گلی میں
دیوانے ترا گھر بھی کہیں ہے کہ نہیں ہے

گالیوں کا وصل میں کیا کام ہے — لطفِ بے ہنگام اسی کا نام ہے
مجھکو زاہد نہیں شراب حرام — تیسرے دن میسر آئی ہے
خاک میں کسکی ملگئی حسرت — خاک اڑاتی جو صرصر آئی ہے

بڑھجاتی ہے چمن میں اور آرزو تمہاری
جس گل کو سونگھتا ہوں آتی ہے بو تمہاری

طرفہ اقبال تو نکلا ہے کہ با ایں ہمہ ظلم
جس طرف ہو کے نکلتے ہیں دعا ملتی ہے

یاد میں زلف و رخ کی میرا حال
صبح کو کچھ ہے شام کو کچھ ہے

اے طولِ زمانۂ اسیری
بلبل کہیں گل کو بھولتی ہے

سوتا ہوں کوئے یار میں محشر کے دن سے مجھے
جھونکے نسیم خلد کے آکر جگائینگے

میں نے کہا کہ پھیر دو دل کیا کرو گے تم
بولے ہم اپنے تیر کا پیکاں بنائینگے

وہ غصے میں ہر وقت بھرے رہتے ہیں مجھ سے
میں خوش ہوں کہ صد شکر توجہ تو ادھر ہے

آئی بہار چل کے رفوگر کو چھیڑیے
ہنس ہنس کے چاک جیب کے ٹانکے ادھیڑیے

تھی اپنی جانماز تو مدت سے رہن مے
تسبیح رہ گئی تھی سو وہ اب گرو ہو گئی

ہوں وہ حسرت زدہ کہ در پہ مرے
یاس امیدوار بیٹھی ہے

نیر اس بدگماں کے کان تک پہنچے تو پھر کیا ہو
بھری مجلس میں کہتے ہو کہ ہم خالی نہیں رہتے

جھانک کے ملنے لگا وہ بت ہم سے
کیا تری شان کبریائی ہے

تیشے سے کوہکن کے آواز آرہی ہے
شیریں کے دل پر الفت جوشیں لگا رہی ہے

مجنوں سے کوئی کہدے لیلیٰ غریب کب ہے
زانو پہ سر کو رکھے آنسو بہا رہی ہے

وہ جلوہ دیکھکر جب طور پر موسیٰ کو غش آیا
تو آئی غیب سے آواز دیکھا ہم نہ کہتے تھے

جان جائے تو جائے پر آجاں
دل کہاں تم کو چھوڑ کر جائے

غیر کے ساتھ وفا کر کے وہ مجھ سے بولے
تو جفا دوست ہی اک طرز جفا یہ بھی ہے

نہ سمجھے تھے خدا کو جب تلک سمجھے تھے ہم سمجھے
جو سمجھے اب تو یہ سمجھے نہ سمجھے تھے نہ سمجھینگے

ہر نہالِ تاک میں واعظ وہی انداز ہے
کونسی وہ شاخ ہے طوبیٰ کو جس پر ناز ہے

پنہاں جو سوزِ عشق کرے مرد ہے وہی
دل پھک گیا مگر نفسِ سرد ہے وہی

امیر اس بت کو دل دیتے ہو کیا شامت تمہاری ہے
کسی پتھر پہ دے پٹکو جو ایسا تمکو بھاری ہے

ہزار ہوں حسن آدمی میں ہزار ہوں خوبیاں پری میں
امیر اپنا تو ہے یہ مشرب ادا نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے

دیکھنا قاتل کو ہے تو دیکھ لے
دیکھ بسمل وقت فرصت تنگ ہے

آتا ہے خون اب مری آنکھوں سے ہمدمو
آنسو کہاں یہ آنسو ونکا نچوڑ ہے

قاضی آئے کہ محتسب آئے
ابتو ہم میکدے میں آن بیٹھے

اُلفت کسی کی نوک مژہ سے جو تھی امیر
مر کر بھی اک کھٹک سی رگِ جاں میں رہ گئی

ہوش جب تک رہا شراب ہی پی
ایک ہیں ہم بھی اپنے مشرب کے

تم دکھاتے تو ہو امیر کا دل
اور جو وہ کوئی آہ کر بیٹھے

چلے آتے ہیں ہم بھی تیرے پیچھے
تجھے اے عمر رفتہ کچھ خبر ہے

تو کھینچے گا اُس کی شکل مانی
تو نے کہی اور میں نے مانی

چھیڑ دوں اپنی اسیری کی کہانی تو کہیں
منہ لگاتا نہیں اس خوف سے صیاد مجھے

باقی نہ دل میں کوئی الٰہی ہوس رہے
چودہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس رہے

شور محشر امیر کو نہ جگا
سو گیا ہے غریب سونے دے

حل نہیں ہوتا معما بیقراری کا مری
دل تو پہلو میں نہیں یا رب تڑپتا کون ہے

پا چکے چین تہِ خاک بھی ہم کشتۂ عشق
دلِ بیتاب کو اللہ سلامت رکھے

نامہ بر یار کے آنے کی نہیں کہتا ہے
ایک بھی بات ٹھکانے کی نہیں کہتا ہے

مجھکو نہیں شکایت مقتل میں اب کسی کی
پیکان نے دلدہی کی خنجر نے ہمدمی کی

تیغِ قاتل نے تو ارمان نکالے کچھ کچھ
اب رہی خنجرِ قاتل سے شکایت باقی

قاتل مرے سوا نہ کرے تو کسی کو قتل
اللہ تیرے ہاتھ کو پائے ثبات دے

آزردگی کے خوف سے جس جا نہ رو سکے
ایسی جگہ امیر سے کیا خاک ہو سکے

مسجد میں بلاتا ہے ہمیں زاہد نافہم
ہوتا کچھ اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے

امیر اک ذرا دیکھے بھالے ہوئے
محبت میں دل کو سنبھالے ہوئے

کس شرم بھری آنکھ کی ہے فکر الٰہی
جو سر مجھے زانو سے اٹھانے نہیں دیتی

میری نہیں تقصیر تری حسرت دیدار
دروازے سے تیرے مجھے جانے نہیں دیتی

ہوں میں بیمار محبت کوئی مجرم تو نہیں
میرے گھر پر ہے طبیبوں کی چڑھائی کیسی

چھپتا ہے دل کا رنگ کہیں ضبط آہ سے
حسرت ٹپک رہی ہے ہماری نگاہ سے

کہا اس نے یہ مجھکو ذبح کر کے
تڑپنے دو یہ حسرت بھی نہ رہ جائے

جو بیقراری دل اب سے گر ہی ہوتی
تو آج تک مری کا ہیکو زندگی ہوتی

آجتک گور میں لیلیٰ کو نہیں صبر و قرار
میرے مجنوں مرے مجنوں کی صدا آتی ہے

بڑا کریم ہے زاہد وہ بخشش ہی دیگا
بساط کیا ہے ہم ایسے گناہ گاروں کی

فصل گل آئی ہے یوں ہم تم ملیں اے گلبدن
جیسے کلیاں نکلی ہیں شاخوں میں سر جوڑے ہوے

بت ہیں نہ وفا کی بات پائی
بے عیب خدا کی ذات پائی

درد بلبل خدا نہ سنوائے
ہائے گل کی صدا نہ سنوائے

مجلس وعظ میں آتا تو نہ ممکن تھا امیر
ہمکو تھامے ہوے یاں دست سبو لایا ہے

مین تو سب اپنے کام خدا ہی کو سونپ دوں
لیکن یہ خوف ہے کہ خدا بے نیاز ہے

بیٹھے جو میرے سینے پہ خنجر وہ کھینچکر
سمجھا میں آے ہیں مرے ارمان نکالنے

بے خودی یار کا پتا دیگی
بے نشانی نشاں بتا دیگی

کیا مجھی کو دیکھکر حیرت ہوئی
دیکھو آئینے کی کیا صورت ہوئی

چڑھ کے ممبر پہ ہجو سے واعظ
اور جو حسن ہے کوئی خرابی

آنسو تو بہاتا ہوں مگر ڈر ہے یہ مجھ کو
دھو جائے نہ تن سے کہیں خاک اسکی گلی کا

وصل کی گل سے کوئی راہ تو نکلے صیاد
بیچ ہی ڈال مجھے ہاتھ کسی گلچیں کے

درد دل کہئے تو کہتا ہے وہ شوخ
ایک ہی تم کو کہانی یاد ہے

مشتاق بوے زلف رسا کا دماغ ہے
تیرا بھی اے امیر بلا کا دماغ ہے

شریک درد نہیں کوئی ٹپ ٹپکے آنکھوں سے
کہ ایک روتی ہے جب دوسری بلکتی ہے

آستیں یار نے چڑھائی ہے
کس نگہ سے تم نے دیکھا تھا امیر
کہا جب اے صنم جلوہ دکھا دے
پوچھا نہ جنس دل کو بازار میں کسی نے
راتوں کو کہا کرتا ہے بلبل سے یہ صیاد
چھڑک کر میرے زخموں پہ نمک قاتل یہ کہتا ہے
لگاؤں دور سے تلوار وہ قاتل یہ کہتا ہے
زباں شمع کہتی ہے کہ میں تجھکو جلا دوں گی
آپ ہی جل رہے ہیں پروانے
سمجھا نہیں تو حضرت ناصح کی ایک بات
جب کہا میں نے بتو کیوں مجھے کرتی ہو شہید
اسکی پروا کچھ نہیں تکلیف یا آرام ہے
نجد میں گھبرا کے جا نکلے جو ہم
آپ ہی تم امیر کھوئے گئے
کیا اس بت نے قتل الحمدللہ
ترے در تک تو لایا ہے ہمیں شوق
پھر تو نے امیر اس سے کی بات
انساں جو چاہے کہ نہ ہو اسکو کبھی رنج
یہ دل نے کنج قناعت سے آشنائی کی

وقت تقدیر آزمائی ہے
روتے روتے ان کو ہچکی لگ گئی
تو وہ بولا کہ یہ دولت خدا دے
سو بار لیگئے ہم سو بار پھیر لائے
ظالم تری فریاد تو سونے نہیں دیتی
نمک سے پاٹ دوں میں آج میرا دل یہ کہتا ہے
لپٹ جاؤں میں جوہر بنکے میرا دل یہ کہتا ہے
میں کب ٹلتا ہوں پروانہ سر محفل یہ کہتا ہے
شمع کی سرگذشت کون سنے
کچھ خود ہی وہ کہا کئے خود ہی سنا کئے
ہنسکے کہنے لگے للہ یہی اک کام ہی
اے غم جاناں مجھے تیری خوشی سے کام ہی
قیس بولا پیر و مرشد خیر ہے
یار کی جستجو کو نکلے تھے
یہی تو ہم خدا سے چاہتے تھے
یہاں سے گھر تلک اب کون لیجائے
سو باتیں ابھی سنا چکا ہے
زنہار کسی سے کوئی امید نہ رکھے
کہ ہاتھ اٹھا کے دعائے شکستہ پائی کی

دیکھا خزاں میں ہمنے بلبل کے آشیاں کو
دو چار پر شکستہ دو چار استخواں تھے

پہنچے جو ہم عدم کو اہلِ عدم یہ بولے
مدت کے بعد آئے اتنے دنوں کہاں تھے

میں نہ کہتا تھا فغاں کی مجھ سے فرمائش نکر
باغباں سب پھول مرجھا کر چمن میں رہ گئے

جو وہاں جاتا ہے پھر اسکی خبر ملتی نہیں
نامہ بر کے واسطے بھی نامہ بر درکار ہے

منہ دیکھوں ہیں مقتل میں اجل کا ترے ہوتے
اے خنجرِ قاتل تجھے غیرت نہیں آتی

چھانتا ہوں تری گلی کی خاک
دل مرا ہے یہیں ملے تو ملے

کوئی دم بے تکلف ہو کے مستو میں اگر بیٹھے
تو جو کچھ عرش پر ہی دیکھلے زاہد وہ گھر بیٹھے

مرآۃ الغیب اور گوہر انتخاب کا انتخاب ناظرین کی نظر سے گذر چکا اور
یہ بھی دیکھ لیا گیا کہ ان میں کیسے کیسے مضامین بلند و برتر اور کیسے کیسے
نشتر و خنجر ہیں اور یہ چوٹی کے اشعار دو چار نہیں بلکہ آٹھ سو سے
زائد ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دوسرا دیوان جس کا نام صنمخانۂ عشق ہے
کس پایہ کا ہوگا۔ ع

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

صنمخانۂ عشق کی جیسی مقبولیت ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ارباب
سخن کا اس پر اتفاق ہے کہ امیر جیسے جیسے مسن ہوتے گئے انکی شاعری
جوان ہوتی گئی بمصداق ۔ ع ۔

ہم پیر جب ہوئے تو طبیعت جواں ہوئی

اگرچہ امیر کی ہمہ گیر طبیعت تغزل میں گوناگوں مذاق کی جامع تھی مگر اُنکا اپنا خاص رنگ جو فطرتاً تھا یہ تھا کہ مضمون عاشقانہ ہو۔ نیا ہو۔ نازک ہو اور زبان کے سانچے میں ڈھلا ہو مثلاً ذیل کے اشعار۔

لذت جو ملی مرے لہو کی — خنجر نے بلائیں لیں گلو کی

کی جب سے نگاہ تجھکو دیکھا — اب تک تو نظر کہیں نہ چوکی

ساقی نے سنگھائی غش میں مٹی — سوندھی سوندھی مجھے سبو کی

تھا چار طرف اُسی کا جلوہ — کیوں لاش ہماری قبلہ رو کی

پلکیں دم جوشش خونفشانی — دھاریں نظر آتی ہیں لہو کی

دل ہی نہ رہا امید کیسی — جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی

اب کیوں ہیں کلیم غش میں خاموش — پہلے نہ سنبھل کے گفتگو کی

کیسی ارنی کہاں کے موسیٰ — ق — خود دید کی اپنی آرزو کی

تھا پردہ ظاہری جو منظور — آواز بدل کے گفتگو کی

کلفت نہ مٹی امیر دل سے — اشکوں نے ہزار شست و شو کی

یہ اُس زمانے کی غزل ہے جب امیر مرحوم حضرت اسیر کے شاگرد ہوئے تھے۔

مرے ہی سامنے دامن اُٹھا کر ناز سے چلنا — مجھی سے پھر گلا الزام سے چاک گریباں کا

جنوں کا جوش گھٹتا تھا کہ فصل گل آئی — سمندِ جوش رکتا تھا کہ تازیانہ ہوا

شبِ وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو — کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا

سنا کسی سے جو نام دوائے دردِ جگر — تڑپ کے دل نے صدا دی کہ ہائے دردِ جگر

جو ہی بہار اسکو خزاں کا خطر بھی ہے ای باغباں بسنت کی تجھکو خبر بھی ہے

پھینک دو کاٹ کے جڑ نخلِ تمنا کی امیر پھول کم بخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

مجھ مست کو مے کی بو بہت ہے دیوانے کو ایک ہو بہت ہے

دلکو طرزِ نگہِ ناز جتاتے آئے تیر بھی آئے تو بے پر کی اڑاتے آئے

وار جتا بھی نہ گیا قاتل کا بچ گیا میں تو قضا لوٹ گئی

ہنس پڑے آپ تو بجلی تڑپی بال کھولے تو گھٹا لوٹ گئی

ہم اگر قتل ہوئے خیر یہ تقدیر اپنی آپ بدنام نہوں دھو لیے شمشیر اپنی

جب خوب رو چھپاتے ہیں عارض نقاب میں کہتا ہے حسن میں نہ رہونگا حجاب میں

ای برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں

آنکھ مجھ سے دل ملے اغیار سے یار در گزرا میں ایسے پیار سے

زمانہ ہو گیا مدہوش چشمِ مستِ دلبر سے تماشا ہے چھلکی محفل کی محفل ایک ساغر سے

امیر فاتحہ پڑھنے کوئی کہاں آئے مزار ہے نہ نشانِ مزار باقی ہے

خونِ ناحق کہیں چھپتا ہے چھپائے سے امیر کیوں مری لاش پہ بیٹھے ہیں وہ دامن ڈالے

نرگس کو صبا نہ چھیڑ اتنا سونے دے غریب سو رہی ہے

مرے جنازے پہ اب آتے شرم آتی ہے حلال کرنے کو بیٹھے تھے جب حجاب نہ تھا

لحاظ ہم سے نہ قاتل کا ہو سکا دمِ قتل سنبھل سنبھل کے تڑپتے وہ اضطراب نہ تھا

دھنے بیٹھے بیٹھے جو دے بیٹھے قتلِ عام کا حکم ہنسی تھی انکی کسی پر کوئی عتاب نہ تھا

جب کہا میں نے شبِ غم کوئی غمخوار نہ تھا درد نے اٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نہ تھا

کیا چلا تھی نگہِ ہوشربا ساقی کی اٹھ گئی آنکھ تو کوسوں کوئی ہشیار نہ تھا

جوشِ وحشت اِسی کہتے ہیں کہ آتے ہی بہار — ہاتھ ڈالا تو گریباں میں کوئی تار نہ تھا

بات رکھ لی مری قاتل نے گنہگار ہوں میں — اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

بہار آئی عجب حالت ہے اِن روزوں مرے دل کی — جگر میں چٹکیاں لیتی ہیں منقاریں عنادل کی

ترے مرقد کو ٹھکرانے قیامت بنکے آتے ہیں — پڑا ہوں میں یہاں آکر تو یوں مجھکو ستاتے ہیں

وہ مست جب کبھی گزرا ہی میکدے کی طرف — بہک کے دستِ سبو جا پڑا ہے ساغر پر

ای جرس تو تو نہیں قافلے والوں سے جدا — تیری آواز میں یہ درد کہاں سے آیا

تو نے تو ای سیاہیِ شبہائے تارِ ہجر — دھبا لگا دیا مرے بختِ سیاہ میں

بنا دو آئینہ امیدوار ہم بھی ہیں — تمہارے دیکھنے والوں میں یار ہم بھی ہیں

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر — جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

ڈوبی ہوئی لہو میں نظر آئیں کیوں نہ گل — سینچے ہوئے مری مژہ خونفشاں کے ہیں

خنجر کو چوس چوس کے کہتے ہیں اہلِ زخم — ظالم مزے بھرے ہوئے تجھ میں کہاں کے ہیں

کسکے کوچے سے یہ آتے ہیں ہوا کے جھونکے — کہ مری شمعِ لحد روز بجھا جاتے ہیں

واہ ای بیخودیِ شوق کیا خوب سلوک — اسکو جب ڈھونڈ نکالا تو کیا گم مجھکو

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں — پھر اسقدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے

شکوہ جو کیا درد کا تلوار نکالی — خوب اُسنے دوائے دلِ بیمار نکالی

طرزِ رفتار سے مارا ہے تو پامال بھی کر — دیکھ قاتل یہ بری چال رہی جاتی ہے

گناہگاروں کا چورنگ کھیل ہے اُنکا — اِدھر اُدھر گئے دو چار ہاتھ مار آئے

اس رنگ کے اشعار سے دیوان مراۃ الغیب بھرا پڑا ہے کہاں تک نقل کیے جائیں اور کو پھر انتخاب کے تو کل اشعار اسی رنگ کے ہیں جنکی تعداد نو سو گیارہ ہے ۔

حسنِ اتفاق دیکھیے کہ جب نواب کلب علیخاں والی رامپور نے امیر کی شاعری پر نظرِ غائر ڈالی تو اسی رنگ کے دلدادہ ہو گئے اور کیونکر نہ ہوتے۔ یہ رنگ تو شاعری کی جان ہے۔

قاعدہ ہے کہ جو فرمانروا شاعری کا ذوق رکھتا ہے وہ اپنے ذوق کے اعتبار سے ایک رنگِ سخن قایم کر دیتا ہے اور وہی رنگ اُسکے دربار کا مذاقِ شاعری قرار پا جاتا ہے۔ چنانچہ دربارِ رامپور میں سکۂ رائج الوقت یہی گوہر اُنکا رمان لیے گئے تھے۔ اور آج بھی نواب صاحب حال بالقابہ حضرت امیر کے خلفِ اکبر جناب ضریر کے شاگرد ہیں اور اسی رنگ کو پسند کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صنمخانۂ عشق جو صرف رام پور کی گویائی کا نتیجہ ہے اول سے آخر تک ایک رنگ میں ڈوبا نظر آتا ہے اور وہ وہی رنگ ہے جسکے امیر مُوجد تھے۔

صنمخانۂ عشق دیکھکے حیرت ہوتی ہے کہ بول چال کی زمینوں میں بھی جن میں روزمرہ کے سوا کسی مضمون کی گنجائش نہ تھی حضرت امیر نے وہی جدت طرازی کی ہے جو اُنکی طبعِ معنی آفریں کا خاصہ ہے۔ اس سے بڑھکر قادر الکلامی کیا ہو سکتی ہے۔ اور ایک یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ زبان کی اصلاح جو لکھنؤ میں ناسخ کی کوشش سے ہوئی تھی اُس اصلاح میں جو کسر رہگئی تھی رام پور میں حضرت امیر کی توجہ سے وہ بھی نکل گئی اور اردو زبان بالکل صاف ہو کر آئینہ ہو گئی۔

اب صنمخانۂ عشق کے اشعار ناظرین ملاحظہ فرمائیں میں کہیں کہیں سے کچھ کچھ نقل کرتا ہوں ورنہ دیوان سراپا انتخاب ہے۔

انتخاب صنم خانۂ عشق

یہ آفتاب ہے گرمِ اُسکی کبریائی کا
کہ ذرہ ذرہ ہے آئینہ خود نمائی کا

دراز عمر ہو مشاطۂ تصور کی
مزا وصال کا دیتا ہے غم جدائی کا

پکار رہا ہے یہ اندازِ ناز توبہ شکن
کہ آئے وہ جسے دعویٰ ہو پارسائی کا

میں ترا نامست ہوں جنت مری کاشانہ تھا
حور ساقی چشمۂ کوثر مرا پیمانہ تھا

ہم غلط فہمی سے سمجھے قتل کرنے کو عتاب
اور وہاں اک چھیڑ تھی کہ نازِ معشوقانہ تھا

یار ہر بدمست میں بیخود تکلف برطرف
ایسی صحبت میں جو آتا ہوش کیا دیوانہ تھا

پوچھتا پھرتا ہے غم اُسکا مرے سینے میں اب
کیا ہوا وہ جو یہاں اک نام کا ویرانہ تھا

جام جم کو دیکھتے ہی میں نے پہچانا امیر
میرے ہی میخانے کا چھوٹا سا اک پیمانہ تھا

آنکھوں میں نور تیرا دل میں سرور تیرا
دروازے سے ہی گھر تک سارا ظہور تیرا

یہ شکوہ بیوفائی کا یہ رونا کج ادائی کا
مزا ہے دل لگانے کی مزہ ہے آشنائی کا

درازی میں بھلا کیوں آتی ہے کب روزِ قیامت کی
کہ اک پیوند ہے پیراہنِ روزِ جدائی کا

نیا افسانہ کہہ اٹھے تو شاید گرم ہو مجلس
قیامت تو پرانا حال ہے روزِ جدائی کا

ان شمع رخ سینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا
کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

گردن تنِ بسمل سے جدا ہو گئی کب کی
گردن سے جدا خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

دھبا نہیں دیتا ہی لہو حسرتِ دل کا
اس خون سے تر دامنِ قاتل نہیں ہوتا

دل مجھ سے لیا ہی تو ذرا بولیے ہنسیے
چٹکی میں مسلنے کیلیے دل نہیں ہوتا

جس بزم میں وہ رخ سے اٹھا دیتے ہیں پردہ
پروانہ وہاں شمع پہ مائل نہیں ہوتا

تیر اس نے لگایا وہ پڑا آ کے جگر پر
بے چین ہی وہ کیا جانے ادھر دل نہیں ہوتا

تم اور کوئی کام امیر اس کو سکھاؤ
تڑپانے تڑپنے کے لیے دل نہیں ہوتا

کوچہ قاتل میں اپنا دل گیا
خاک میں ملنے کا رستہ مل گیا

اے نگاہِ یاس تیرا ہو برا
گھر تلک روتا ہوا قاتل گیا

مرحلے طے کنجِ عزلت میں کیے
بیٹھے بیٹھے سیکڑوں منزل گیا

دامنوں کا نہ پتا ہی نہ گریبانوں کا
حشر کہتے ہیں جسے شہر ہے عریانوں کا

موجیں دریا میں جو اٹھتی ہوئی دیکھیں سمجھا
یہ بھی مجمع ہے ترے چاک گریبانوں کا

بیخودی آٹھ پہر گم یہ مجھے کہتی ہے
دن کو شب رات کو ہوں خم نگہبانوں کا

قدرداں چاہیے دیوان ہمارا ہے امیر
منتخب مصحفی و میر کے دیوانوں کا

ہمدم آیا جب کسی نے کہیں وطن یاد آگیا
چار جھونکے جب چلے ٹھنڈے چمن یاد آگیا

رہ گیا اپنے گلے میں ڈال کر باہیں غریب
عید کے دن جس کو غربت میں وطن یاد آگیا

روبرو آئنے کے تو جو مری جان ہوگا — آئنہ ایک طرف عکس بھی حیراں ہوگا
ہوں وہ دیوانہ مرے ہاتھ میں روزِ محشر — عوضِ نامۂ اعمال گریباں ہوگا
اک پری رو نے ہماری یہ بنائی صورت — سیکڑوں پر یونہیں کیا حالِ سلیماں ہوگا
آگ دل میں جو لگی تھی وہ بجھائی نہ گئی — اور کیا تجھ سے بھرا دیدۂ گریاں ہوگا

مرے بس میں یا تو یارب وہ ستم شعار ہوتا — یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا
ترا میکدہ سلامت ترے خم کی خیر ساقی — مرا نشہ کیوں اترتا مجھے کیوں خمار ہوتا
وہ مزہ دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب — مرے دونوں پہلوؤں میں دلِ بیقرار ہوتا
جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی — وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا
میں زباں سے تم کو سچا کہو لاکھ بار کہہ دوں — اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا
اثر اس قدر تو ہوتا مرے لوٹنے کا ان پر — کہ وہ کروٹیں ہی لیتے جو میں بیقرار ہوتا
مرے دل کو یوں مٹایا کہ نشاں تک نہ رکھا — میں لپٹ کے رو تو لیتا جو کہیں مزار ہوتا
ترے تیر کی خطا کیا مری حسرتوں نے روکا — نہ لپٹتیں یہ بلائیں تو وہ دل کے پار ہوتا
مری خاک بھی لحد میں نہ رہی امیر باقی — انہیں مرنے کا ہی اب تک نہیں اعتبار ہوتا

جھونکا ادھر نہ آئے نسیمِ بہار کا — نازک بہت ہے پھول چراغِ مزار کا
عالم وہی ہے حسن سے اتر کر بھی یار کا — جوبن خزاں نے چھین لیا ہی بہار کا
پھر بیٹھے بیٹھے وعدۂ وصل اس نے کر لیا — پھر اٹھ کھڑا ہوا وہی روگ انتظار کا
وہ شوخ اپنی راہ ہے یہ اپنی راہ ہے — قابو کا دل رہا ہے نہ دل اختیار کا

ساقی کے ہاتھ سے جو گرا جام کھا اُٹھا / ٹوٹا وہ دل کہیں کسی امیدوار کا
شاخوں سے برگِ گل نہیں جھڑتے ہیں باغ میں / زیور اتر رہا ہے عروسِ بہار کا
شیشوں نے ہچکیوں کی لگائی ہے ڈاک کیوں / میخانے کو ارادہ ہے کس بادہ خوار کا
ہمراہ ہے جو حسرت و ارمان کی بھیڑ بھاڑ / تابوت اٹھا اسیرِ غریب الدیار کا

جمالِ یار کو کہتے ہو تم کہ ہاں دیکھا / کلیم ہوش میں آؤ ابھی کہاں دیکھا
پھنسی جو دام میں بلبل تو کن نگاہوں سے / کبھی چمن کو کبھی سوئے آشیاں دیکھا

بیدرد جانے والو ٹھہر جاؤ دم تو لو / کچھ تم سے کہتے ہیں لبِ خاموشِ نقشِ پا
ہم بے زبان خاک نشینوں کا عیش کیا / تھا اک تبسم لبِ خاموشِ نقشِ پا
ڈرتے ہیں پاؤں رکھتے کہ ایسا نہ ہو کہیں / چپکے سے چوم لیں لبِ خاموشِ نقشِ پا
نازک بہت ہیں پاؤں نہ رکھ اس طرح قدم / چھالے نہ ڈالے گرمیِ آغوشِ نقشِ پا
ای مستِ ناز دیکھ کے رکھ راہ میں قدم / چھلکے کہیں نہ بادۂ سرجوشِ نقشِ پا

اللہ رے شبِ غم کی سیاہی کہ سحر بھی / پڑھتی ہوئی آتی ہے عمل ردِّ بلا کا
خوش ہوں کہ ترے کوچے میں جا اک ملا ہے / بے مانگے ملا کرتا ہے بوسہ کفِ پا کا

ایکدل ہمدم مرے پہلو سے کیا جاتا رہا / سب تڑپنے تلملانے کا مزا جاتا رہا
سب کرشمے تھے جوانی کے جوانی کیا گئی / وہ امنگیں مٹ گئیں وہ ولولا جاتا رہا

آنے والا جانے والا بیکسی میں کون تھا / ہاں مگر اک دم غریب آتا رہا جاتا رہا
مجھکو گلیوں میں جو دیکھا چھیڑ کر کہنے لگے / کیوں میاں کیا ڈھونڈتے پھرتے ہو کیا جاتا رہا
جب تلک تم تھے کشیدہ دل تھا شکوہ سے بھرا / تم گلے سے مل گئے سارا گلا جاتا رہا
کھو گیا دل کھو گیا رہتا تو کیا ہوتا امیر / جانے دو اک بیوفا جاتا رہا جاتا رہا

غنی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا / مگر جو کسی کو دیا لے گیا
بہت تھے اسیرانِ زندانِ ہوش / جنوں آ کے سبکو چھڑا لے گیا

پرسش کو مری کون مرے گھر نہیں آتا / تیور نہیں آتے ہیں کہ چکر نہیں آتا
ڈرتا ہے کہیں آپ نہ پڑ جائے بلائیں / کوچے میں ترے فتنۂ محشر نہیں آتا
جو مجھ پہ گزرتی ہے کبھی دیکھ لے ظالم / پھر دیکھوں کہ رونا تجھے کیونکر نہیں آتا
پھول اسنے کھلائے کہ یہ تو نہ کہو تم / اللہ کے گھر سے یہاں زیور نہیں آتا
بنجاتی ہیں چلمن رخِ روشن کی شعاعیں / آتا بھی باہر تو وہ باہر نہیں آتا

کچھ ٹھکانا ہے ناتوانی کا / نہ اُٹھا بوجھ زندگانی کا
جوشِ فصلِ بہار ہیں اے گل / رنگ ہے تیری نوجوانی کا
مثلِ شبنم ہماری قسمت میں / ایک دانہ ہے وہ بھی پانی کا
زیست کا اعتبار کیا ہے امیر / آدمی بلبلا ہے پانی کا

آہوں سے سوزِ عشق مٹایا نہ جائیگا — آندھی سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا
لاکھوں کو خاک میں تو ملا دیگا آسماں — ظالم سے دو دلوں کو ملایا نہ جائیگا

مستی اُن آنکھوں میں آتی ہے تو کہتا ہے حجاب — دیکھ تو آئی تو میں گھر سے نکل جاؤنگا

دمِ اخیر ہے لازم نظارہ کر لینا — خدا سے کام پڑا ہے بتو خبر لینا
حریم کوچۂ قاتل کی راہ گر لینا — سمندِ عمر سے او شہسوار اُتر لینا
پڑا ہے دیر سے مٹی خراب ہوتی ہے — لگا دو ہاتھ جنازے کو پھر سنور لینا
وہ مسکرا کے مرے چھیڑنے کو کہتے ہیں — کہاں چمک کے یہ بجلی گری خبر لینا

ناوکِ ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا — درد اُٹھ اُٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانا دل کا
کہتے ہیں کیا میں کروں سن کے فسانہ دل کا — وہی جھگڑا وہی دکھڑا ہے پرانا دل کا
آدمی کہنے سے رک جاتا ہے قاتل میرا — لذتِ قتل گھٹاتا ہے بڑھانا دل کا
آج اس شوق سے پیکاں سے مرے دل میں آیا — آگیا یاد کسی شوخ پہ آنا دل کا

کیا میں اے پردہ نشیں قتل کا خواہاں ہوتا — شرم آتی تجھے خنجر بھی جو عریاں ہوتا

ہم سے دل دردِ محبت کا دکھایا نہ گیا — زخم کھایا کئے ٹانکا کبھی کھایا نہ گیا
نبض کی چال سکھائی تپشِ دل نے مجھے — عمر چلتے ہوئے گزری کہیں آیا نہ گیا

قیس کی خاک اڑانے کو ہوا آئی ہی تھی
پردۂ محمل لیلیٰ کو اٹھایا نہ گیا

جیب میں رکھتا ہوں جھگڑا سر گردن کا سا
تیغ کھنچی ہی مجھے بیچ میں ڈالا ہوتا

اور سامان جنوں بیچ ہیں درکار نہیں
کوئی رشتہ کوئی کانٹا کوئی چھالا ہوتا

ناتوانوں کو گرایا تو فلک کیا پایا
کسی گرتے ہوئے بیکس کو سنبھالا ہوتا

حسن بے پردہ سر طور پکارا آ کر
چھپتے جب ہم کہ کوئی دیکھنے والا ہوتا

لطف حسرت کی نگاہوں کا تو جب تھا کہ پھر
ان نگاہوں کا کوئی دیکھنے والا ہوتا

اٹھ کے اس محفل سے گھبراہٹ کا احسان رہ گیا
زانوئے جاناں کے نیچے دب کے داماں رہ گیا

دیدۂ بسمل پہ حیرانی نے پٹی باندھ دی
مرتے دم نظارۂ قاتل کا ارمان رہ گیا

پردہ پوشی تو بہت کی زخم دامن تار نے
خنجر قاتل مگر عریاں کا عریاں رہ گیا

جب دیکھتے ہیں ابر کہتے ہیں ہم مست
جاتا ہے یہ اڑتا ہوا میخانہ کسی کا

بدلی ہے کہ میخانہ ہے بجلی ہے کہ مے ہے
یہ رعد ہے یا نعرۂ مستانہ کسی کا

رقیبوں سے وہ خوش رقیب ان سے راضی
برا کہتے ہیں کیوں ہوں دشمن کسی کا

چمکتی نہیں ابر سے برق تاباں
اٹکتا ہے پردے میں دامن کسی کا

ادھر بھی کرم اے نسیم بہار تا
ترستا ہے پھولوں کو مدفن کسی کا

حسن کھلتا ہے حسینوں کا جسے جتنی نگاہ
جسقدر دیکھو ابھرتا ہے بدن تصویر کا

شوق خلوت میں بھی ہے انجمن آرائی کا
آئینہ خانہ ہے گوشہ مری تنہائی کا

شفق شام نہیں ہے - یہ مرے ماتم میں
منہ کو آیا ہے کلیجا شب تنہائی کا

آئینہ دیکھکے آئے ہیں مزے میں ایسے
خود وہ منہ چومتے ہیں اپنے تماشائی کا

پیاس اسکی جو بجھیگی تو مے کوثر سے
ظرف عالی ہے امیر احمد مینائی کا

صیاد کچھ تو پاس ہے لازم غریب کا
لٹکا دے شاخ گل سے قفس عندلیب کا

عشاق کی خزاں ہے معشوق کی بہار
غازہ ہے روئے گل کو لہو عندلیب کا

عیش میں سوختہ بختوں کو ہے اندوہ نصیب
شمع کو محفل شادی میں بھی روتے دیکھا

ہر صبح کو یہ شور ہے مرغ سحری کا
چونکو کہ زمانہ نہ رہا بے خبری کا

وعدہ آنے کا جو فرمائیے گا
جیسے آج آئے نہ کل آئیے گا

بجلی نظروں پہ نہ چڑھئے اتنا
دیکھئے دل سے اتر جائیے گا

ہاتھ میں لے جو بڑھایا تو کہا
بس بہت پاؤں نہ پھیلائیے گا

تم اپنی اٹھتی جوانی کی شوخیاں دیکھو
ابھر ابھر کے بڑھاتی ہے ولولہ دل کا

بدل کے یار نے چتون مٹا دی جھگڑ کر — نہ میں رہا نہ رہا دل نہ وہ گلہ دل کا

موقوف جرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا — بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا

ای برق حسن یار یہ اچھا ظہور تھا — دیدار کو کلیم تھے جلنے کو طور تھا

ای شور حشر قہر کیا کیوں جگا دیا — گوشہ مزار کا مجھے آغوش حور تھا

فرقت میں کیوں نہ تھا کسی کروٹ مجھے قرار — کیا دونوں پہلوؤں میں دل ناصبور تھا

صورت تری دکھا کے کہو نگا یہ روز حشر — آنکھوں کا کچھ گناہ نہ دل کا قصور تھا

وہ شوخ آنکھ شوخ نگہ شوخ تھی مگر — سب کا جواب ایک دل ناصبور تھا

سو شعر ایک جلسے میں کہتے تھے ہم امیر — جبتک نہ شعر کہنے میں ہمکو شعور تھا

یاں تو ہی دل میں کھٹک اور وہ فرماتے ہیں — سچ کہو تم یہ چرا لائی ہو پیکاں کس کا

جب ہوا وعدہ اور وفا نہ ہوا — ہو گیا ایک سب ہوا نہ ہوا

کام جاں حسب مدعا نہ ہوا — دل پیا تو مگر حنا نہ ہوا

خامشی میں بھی کیا حلاوت ہے — کہ کبھی لب سے لب جدا نہ ہوا

داغ و سوز تو ہوا اے درد — تو کسی درد کی دوا نہ ہوا

بیوفائی کو تیری تکتا داغ — وعدہ اچھا ہوا وفا نہ ہوا

صورت لالہ اس چمن میں امیر — داغ دل سے مرے جدا نہ ہوا

اے فلک یہ رُت یہ متوالی گھٹا — ابتو راتیں ہجر کی کالی گھٹا
تم بھی جوڑا کھولدو وہ آگئی — بال کھولے گیسوؤں والی گھٹا
گل نہیں بہوے چمن میں لائی ہے — میکشوں کی نذر کو ڈالی گھٹا
آپ اچھے وقت پر آئے اثیر — خوب میخانے پہ جب چھائی گھٹا

تکا کرتی ہے چاند سا منھ کسی کا — ستارہ ہے چمکا ہوا آرسی کا
قضانے کچھ اس ناز سے جان مانگی — کہ یاد آگیا مجھکو غمزہ کسی کا

ہو جائیگا ای شیخ مرا دامن تر خشک — میدان قیامت میں پڑیگی جو کڑی دہوپ
برسات میں کھلاؤ کبھی رخ کبھی گیسو — دو چار گھڑی سایہ ہو دو چار گھڑی دہوپ

نہ راستی کا نشاں سرو میں نہ گل میں ہے بو — بدل گئی چمن روزگار کی صورت

پردے ہی جو اس حور نے دیکھا ہی ادہر آج — آنکھوں کو مری چومتی ہے میری نظر آج
غیروں سے کبھی ہے کبھی مجھ سے ہی لگاوٹ — بہکی ہوئی پھرتی ہے محبت کی نظر آج
آنکھیں مری نشے سی نہیں سرخ ہیں زاہد — کچھ کچھ چھلک آیا ہے ادہر خون جگر آج

حیف کہ رستے میں مجھے ہم سفر — چھوڑ گئے نقشِ قدم کی طرح

نویدِ وصل ساقی ہو دل کے داغوں کو — بہار لوٹتی ہے باغ کو خزاں کی طرح
یہ میکدہ ہے کہ کوئی طلسم ہے ساقی — جو آئے پیر کی صورت گئے جواں کی طرح

یہ چھلک پڑا جہاں وہیں دریا بہا دیا — ساقی مجھے ہے ہمتِ دستِ سبو پسند
زاہد کو گر یہ وقت عبادت ضرور ہے — اللہ کو نماز نہیں بے وضو پسند
تعریف دوستوں کی نہیں معتبر امیر — اچھا ہے وہ کلام کرے جو عدو پسند

یارب پڑی ہے کس رخِ پر نور پر نظر — ہوتے نہیں جو دیدۂ خورشید و ماہ بند

تیری بالا کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر — سرفروشی کی تمنا ہے تو سر پیدا کر
کوہکن کوہ کنی شیوۂ عشاق نہیں — ہے جو عاشق دلِ معشوق میں گھر پیدا کر
رنگ چاہے اگر اس باغ میں آزادی کا — نکہتِ گل کی طرح شوقِ سفر پیدا کر
قطرۂ اشک ہے گوہرِ گوشِ جاناں — آبرو اتنی تو اے دیدۂ تر پیدا کر

کونسی جا ہے جہاں جلوۂ معشوق نہیں — شوق دیدار اگر ہے تو نظر پیدا کر
میرے ہی دل پہ گری کاش یہ بجلی بنکر — اے فلک آہ میں اتنا تو اثر پیدا کر

* * *

حال کیا پوچھتے ہو میرے دل پر خون کا — دیکھ لو بادۂ گلرنگ سے مینا بھر کر
عطر تحفے میں نہ بھیجو مجھے بھیجو کسی دن — شیشیوں میں گل عارض کا پسینا بھر کر

* * *

آمادہ وہ مژگاں سے ہیں ناوک فگنی پر — مینہ تیروں کا برسے گا غزال ختنی پہ
ساتھ اپنے جو لیجائیں مجھے بھی وہ سفر میں — قربان وطن ایسی غریب الوطنی پہ

* * *

سیہ کاری سے جی بھرتا نہیں پر شرم آتی ہے — کہاں تک بوجھ رکھیے کاتب اعمال کے سر پہ

* * *

حیا آتی ہے کیا منزل پہ جاؤں — کہ کانٹے روکتے ہیں پاؤں پڑ کر
یہ جنگ زرگری در پردہ ہے صلح — ملا دیتی ہے دل کو آنکھ لڑ کر

* * *

منعم ہے شکر فرض جو سائل ہوں تیرے گرد — فانوس چاہیے کوئی شمع حیات پہ
درکار ہے بہانہ لیے مغفرت امیر — تقوی پہ منحصر ہے نہ صوم و صلوات پر

* * *

بہار لالہ و گل پھر کبھی کاہے کو دیکھینگے — چلے ہیں اس چمن سے ہم نگاہ واپسیں کر کر

مرے پھولوں میں لوٹیں آو چمن صدقے ہو جوبن پر　　ملو ہاتھوں میں مہندی خون سب کا میری گردن پر

الٰہی وہ بھی دن آئے کہ میرا ہاتھ محشر میں　　کبھی جیبِ کفن پر ہو کبھی قاتل کے دامن پر

شرار آتشِ دل ہیں کہ قطرے اشکِ خونیں کے　　نظر آتی ہیں کچھ چنگاریاں سی جیب و دامن پر

کدورت کب جگہ پاتی ہے دلمیں صاف طینت کے　　نہ دیکھا گرد کو جمتے کبھی دریا کے دامن پر

کسی گل پیرہن کی جامہ زیبی رنگ لائی ہے　　گریباں آج گل لوٹا ہوا ہے میرے دامن پر

عجب لذت بھری تلوار سے قاتل نے مارا ہے　　مرا خون اسکے سر پر اسکا احساں میری گردن پر

وبالِ معصیت سے پاک ہیں دل صاف ہے جن کا　　غبارِ میکشی ہوتا نہیں شیشے کی گردن پر

میں جب کہتا ہوں اس سے مجھکو تیری شرم نے مارا　　تو شوخی سے حیا الزام رکھدیتی ہے چتون پر

امیر ایسا کیا ویراں اجل نے قصرِ شاہی کو　　کہ آنکھیں رکھ کے روئی بیکسی ایک ایک روزن پر

تری سفاکیاں پہنچیں یہاں تک　　کہ ڈرتی ہے حیاتِ جاوداں تک

کڑی ہے اسقدر منزل عدم کی　　کہ مر مر کر پہنچتے ہیں وہاں تک

نہ پائی گرد نالوں نے اثر کی　　زمیں سے خاک چھانی آسماں تک

جو حد سے ہو باہر اسے کیونکر کوئی دیکھے　　روشن ہے کہ جاتی ہے نظر حدِ نظر تک

واہ کیا خوب پر و بال لگائے بلبل　　اڑتے ہی پڑ گئی صیاد کے پالے بلبل

انھیں درکار ہے اک چلبلا دل　　یہ سنتا تھا کہ بجلی بن گیا دل
اسے دیکھا تصدق کر دیا دل　　کسیکو کیا مری آنکھیں مرا دل
تری اٹھکھیلیوں پر خون اس کا　　چلا اس چال سے تو پس گیا دل
تمھارا ہو نہو اسکی خبر کیا　　ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا دل
تمھیں افسردہ پایا بجھ گیا جی　　تمھیں دیکھا شگفتہ کھل گیا دل
تڑپنے سے ہے روز وصل کیا کام　　یہ تمکو پیار کرتا ہے مرا دل

جو کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے وہ اس سے جا کے کہدینا　　ہمارا حال اے قاصد نہیں تحریر کے قابل
امیر اپنا دل پر داغ سوے کربلا لے چل　　یہ گلدستہ ہے نذر روضۂ شبیر کے قابل

ہے حسن سے قدر عشق بالا　　گل سے ہے بلند جائے بلبل

جانا تو اس کے کوچے میں ہے بار بار دل　　کھائے نہ چوٹ یاس کی امیدوار دل
بزم وصال ہے کہ کوئی صیدگاہ ہے　　میرا شکار تم ہو تمھارا شکار دل
جسدم نکل چلا مرے پہلو کو توڑ کر　　رویا لپٹ کے اسکے تیر سے بے اختیار دل

گنتا ہے تیرے ہجر کی ایک ایک گھڑی دل　　ہے عاشق بتیاب کے سینے میں گھڑی دل

جنوں میں یاس یہ پامالیِ ضعف کا ہے　　کہ پھونک پھونک کے رکھتے ہیں پاؤں خار پہ ہم

ہم لوٹتے ہیں وہ سو رہے ہیں
کیا رنگ جہاں میں ہو رہے ہیں
دنیا سے الگ جو ہو رہے ہیں
سوتے ہیں لحد میں سونے والے
ارباب کمال چل بسے سب
اے حشر بلا رہے ہیں نہ کر شور
آئیں گی نہ پھر کے عہد رفتہ
زانو پہ امیر سر کو رکھے

کیا ناز و نیاز ہو رہے ہیں
دو ہنستے ہیں چار رو رہے ہیں
تکیوں میں مزے سے سو رہے ہیں
جو جاگتے ہیں وہ رو رہے ہیں
سو میں کہیں ایک دو رہے ہیں
چپ چاپ سکندر سو رہے ہیں
ہم مفت میں جان کھو رہے ہیں
پچھلے دن گزرے کہ رو رہے ہیں

آنے دے غیر کو آتا ہے اگر خلوت میں
کوئی پوچھے تو محبت ہی کیا ہے انصاف
نقش ہستی میں ابھی محو کیے دیتا ہوں

کچھ تری شرم نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں
وہ مجھے دل سے بھلا دیں میں بھلا بھی نہ سکوں
خط تقدیر نہیں ہے کہ مٹا بھی نہ سکوں

ہائے وہ دن کہ گزر جاتی تھی شب باتوں میں
اب نہ باتوں میں مزہ ہے نہ ملاقاتوں میں

یہ تو میں کیونکر کہوں تیرے خریدار ہوں میں
حشر میں آنا کبھو گر تھا اسی سے ہیں میں وصل

تو سراپا ناز ہے میں ناز بردار نہیں ہوں
پاکدامن تو ہے میں کیونکر گنہگار نہیں ہوں

جان پر صدمہ جگر میں درد دل کا حال زار
گھر کا گھر بیمار کس کس کے پرستار و نہیں ہوں

ہائے رے غفلت نہیں ہے آج تک اتنی خبر
کون ہے مطلوب میں کسکے طلبگار و نہیں ہوں

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر
چیخ اٹھا ہر بیگنہ میں بھی گنہگار و نہیں ہوں

زاہد و کافی ہے اتنی بات بخشش کیلیے
اُسکو شوقِ مغفرت ہے میں گنہگار و نہیں ہوں

کسطرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتار و نہیں ہوں

بیگنا ہو نہیں چلا زاہد جو اُسکو ڈھونڈنے
مغفرت بولی ادھر آ میں گنہگار و نہیں ہوں

اونچے اونچے مجرموں کی ہوگی پرسش حشر میں
کون پوچھیگا مجھے میں کب گنہگار و نہیں ہوں

بیگنا ہی کا تو دعویٰ اُنکے آگے کیا مجال
ڈرتے ڈرتے منھ سے نکلا میں گنہگار و نہیں ہوں

ضبط کرنا دل حسینوں نہ کہیں
چوٹ لگجا ئیگی کہیں نہ کہیں

مسکرا کر وہ شوخ کہتا ہے
آج بجلی گری کہیں نہ کہیں

اس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ میں
مشعل دکھائی برقِ تجلی نے راہ میں

اندھیر کر رہی ہے یہ چشمِ سیاہ میں
شوخی کو قید کیجیے نیچی نگاہ میں

کیا دخل جا سکے کوئی اُس جلوہ گاہ میں
غمزہ چھری لیے ہوئے بیٹھا ہے راہ میں

دل ہے تباہ قافلۂ اشک و آہ میں
گھیرا ہے آندھی پانی نے بیکس کو راہ میں

وہ دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں
میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

ہم مست ہی بھی پیتے ہیں تو کیا ہے پوچھے
توبہ پڑی ہوئی ہے ہمارے گناہ میں

قالب میں دل ہی دل میں ہے وہ قدر دانِ دل
یوسف گرا ہے لیکے زلیخا کو چاہ میں

وہ دیکھتے ہیں خونِ تمنا جا کے آنکھ / مہندی لگائی جاتی ہے پائے نگاہ میں

ڈرتا ہوں جذبِ شیخ کا سن سنکے غلغلہ / کھینچ جائے دخترِ رز نہ کہیں خانقاہ میں

آنکھ اپنی فتنہ ہائے قیامت پہ کیا پڑے / جسکے یہ فتنے ہیں وہ ہے اپنی نگاہ میں

قدرت خدا کی ہے کہ ملیں خاک میں تو ہم / اور سرمہ گھر کرے تری چشمِ سیاہ میں

تیرے جلال میں بھی مزہ ہے جمال کا / چشمِ کرم چھپی ہے غضب کی نگاہ میں

یہ عکس کسکے چاند سے چہرے کا پڑ گیا / پانی کو ناز ہے کہ ہیں یوسف ہوں چاہ میں

قالب کو بھی قیام نہیں روح کی طرح / منزل چلی ہے ساتھ مسافر کے راہ میں

ہم ہیں سیاہ کار تو رحمت ہے پردہ پوش / مے پیتے ہیں تو سایۂ ابرِ سیاہ میں

اللہ رے رشک جمع نہیں ہوتے دو حسین / روزِ ازل سے پھوٹ ہے خورشید و ماہ میں

آنسو ہمارے دیکھ کے خوش ہو رہے ہیں وہ / پازیب موتیوں کی ہے پائے نگاہ میں

اے تیغِ ناز ہاتھ جو تو نے اٹھا لیا / لیتا نہیں کوئی مجھے اپنی پناہ میں

آئینہ جب سے دیکھ لیا لوٹ ہی رہا / یوسف مرا ابھر نہ سکا گر کے چاہ میں

سودا و میر دونوں تھے کامل مگر امیر / ہے فرق واہ واہ میں اور آہ آہ میں

شاعر کو مست کرتی ہے تعریفِ شعر امیر / سو بوتلوں کا نشہ ہے اک واہ واہ میں

چلے ساقی ہنسے بولے اگر آئی ہے یاد دل میں / دلہن بنکر نہ بیٹھے دخترِ رز بادہ خواروں میں

حقیقت عاشقوں کی مرگ کی ہم سے کوئی پوچھے / بہت جب نیند آئی سو رہے جا کر مزاروں میں

فرشتوں سے کہو اتنی قیامت میں خبر لیں / کہیں چھپ چھپ کے زاہد پی نہ جائیں بادہ خواروں میں

جدا ہے دخترِ رز کا نام جنت میں اے ساقی / پری ہے شیشوں میں حور ہے میخوارگاروں میں

تشبیہ

کسی شہید کا ہے رنگِ خون بہار نہیں — کسی لحد پہ چراغان ہے لالہ زار نہیں
نہ دو رقیب کو تم داغ اپنی الفت کا — زمینِ شور سزاوارِ لالہ زار نہیں

مثل تارِ نظر نظر میں نہیں — اس طرح گھر میں ہوں کہ گھر میں نہیں
عجز بندوں کا کیوں پسند نہ ہو — کبھی تو خدا کے گھر میں نہیں
دیکھئے تو اسی میں ہو سب کچھ — کون کہتا ہے کچھ بشر میں نہیں

وہ انتظار کسی کا کرے جو آپ میں ہو — ہم ایک عمر سے اپنی ہی راہ دیکھتے ہیں

غنچے کہتے ہیں کہ کیا جلد گزرتی ہے بہار — مسکرا لینے کی فرصت بھی گلستاں میں نہیں
اپنے موقع پہ ہر اک چیز بھلی لگتی ہے — کانٹے ان پھولوں سے اچھے جو گریباں میں نہیں

کلیاں یہ سرخ سرخ نہیں لالہ زار میں — مہندی لگی ہے دستِ عروسِ بہار میں

شرم آتی ہے کہ یار کو میں بے وفا کہوں — اچھا کہا ہے جس کو اسے کیا برا کہوں

لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں — بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں
وہ گلعذار کہ کھلتے تھے روز پھولوں میں — انھیں کی خاک شریک آج ہے بگولوں میں
نظر جو آئے ترے بال بال میں موتی — گماں ہوا کہ حسین جھولتے ہیں جھولوں میں

محمدِ عربی سا کہاں ہے کوئی امیر
خدا کے فضل سے سرتاج ہیں رسولوں میں

یہی ہے شرم تو وہ آچکے آغوش میں میرے
جھکا لیتے ہیں آنکھیں چاند ہوتا جو ہالے میں

دل جدا مال جدا جان جدا لیتے ہیں
اپنے سب کام بگاڑ کر وہ بنا لیتے ہیں

مجلسِ وعظ میں جب بیٹھتے ہیں ہم مہوش
دخترِ رز کو بھی پہلو میں بٹھا لیتے ہیں

جی اکیلے شبِ فرقت میں جو گھبراتا ہے
فتنۂ حشر کو نالوں سے جگا لیتے ہیں

ہو ہی رہتا ہے کسی بت کا نظارہ تا شام
صبح کو اٹھ کے جو ہم نام خدا لیتے ہیں

فراقِ یار میں شب ہو کہ دن تمام نہیں
جو اسکی صبح نہیں ہے تو اسکی شام نہیں

ملی ہے دخترِ رز لڑ جھگڑ کے قاضی سے
جہاد کر کے جو عورت ملے حرام نہیں

یہاں کمال تواضع وہاں کمال غرور
ادھر ہیں سجدے پہ سجدے ادھر سلام نہیں

گرہ سے کچھ نہیں جاتا ہے پی بھی لے زاہد
ملے جو مفت تو قاضی کو بھی حرام نہیں

زمانے بھر میں پڑی ہے پکار حاتم کی
دیا ہے جس نے کہ حاتم کو اس کا نام نہیں

کہا جو میں نے کہ رخ سے کبھی نقاب الٹو
تو ہنس کے بولے کہ منظورِ قتلِ عام نہیں

جو میکشی سے ہو فرصت تو وہ [illegible] کو چلو
اذان مسجد جاتے ہیں [illegible] امام نہیں

کہتا ہے کون آہ میں اپنی اثر نہیں
ہاں دل دکھے کسی کا یہ مدِ نظر نہیں

گھر جانے کا ابھی سے ارادہ نہ کیجیے
یہ [illegible] دل کی چمک ہے سحر نہیں

دیا ہے طرفہ میکدۂ بیخودی امیر — سب مست ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں

دیکھی مجنوں کی شبیہ آج جو تصویر میں — ہڈیاں سوکھی ہی دو چار تھیں زنجیر میں
تیغ پر بارہ جو رکھوائی ہے قاتل نے امیر — عیدِ قرباں کی خوشی پھیلی ہے نخچیر میں

جو بوئے گل چمن میں ڈھونڈتے ہیں — مسافر کو وطن میں ڈھونڈتے ہیں
نہیں اسے باغباں غنچوں سے کیا کام — ہم اپنا دل چمن میں ڈھونڈتے ہیں

وحدت و کثرت تو دونوں ہیں اسی کی جلوہ گاہ — پھر جو خلوت میں ہے وہی انجمن میں کیوں نہیں

گزشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں — مٹا ہوا سا نشانِ سرِ مزار ہوں میں
ترے کرم میں کمی کچھ نہیں کریم ہے تو — مرا قصور ہے جھوٹا امیدوار ہوں میں
پڑا ہے دستِ اجل مجھ پہ لاکھ بار مگر — نکل گیا ہوں تڑپ کر وہ بے قرار ہوں میں
کچھ آج میں نے نئی پی ہے حضرتِ واعظ — ازل کا مست پرانا شراب خوار ہوں میں
نگاہِ گرم سے مجھکو نہ دیکھ اے دوزخ — خبر نہیں تجھے کس کا گنہگار ہوں میں
پھر اسکی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے — گنہگار یہ کہدے گنہگار ہوں میں
جو مست ہوش میں آنے کا قصد کرتا ہے — پکارتا ہے یہ ساقی کہ ہوشیار ہوں میں
بڑے مزے سے گزرتی ہے بیخودی میں امیر — خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں میں

وہ شوخ لاکھ پردوں میں پردہ نشیں نہیں
اور پھر جو دیکھیے تو کہاں ہے کہیں نہیں

گزرا ہوا زمانہ پھر آتا نہیں کبھی
وہ کونسا ہے دم جو دم واپسیں نہیں

نقش سجود سے در دلدار ہے حسین
اک پھول ہی چمن کا ہے داغ جبیں نہیں

غش میں پڑے ہیں جلوہ گہ ناز میں کلیم
تحسیں نہیں سپاس نہیں۔ آفریں نہیں

تو قابل سجود ہے اے میرے بے نیاز
پر قابل سجود کسی کی جبیں نہیں

واعظ کو تم تو دیکھتے ہی ہنس پڑے اسیر
باتیں تو ان بزرگ کی تم نے سنیں نہیں

یاد قاتل میں لہو ہے جو مونہیں تر پلکیں
بن گئیں طائر مذبوح کے شہپر پلکیں

اثر سوز محبت نے دکھایا اعجاز
بہہ گیا آنکھ سے دریا نہ ہوئیں تر پلکیں

عالم شگفتہ ہو جو میں آفت رسیدہ ہوں
صبح بہار ہوں جو گریباں دریدہ ہوں

اے اہل بزم مجھکو اٹھاؤ نہ بزم سے
شمع سحر ہوں عمر بپایاں رسیدہ ہوں

میں اور جم ہیں پیر مغاں دونو کے مرید
لیکن وہ بد عقیدہ ہیں میں خوش عقیدہ ہوں

مجروح تیغ حسن ہوا ایک [illegible] میرا
یوسف کی جلوہ گاہ میں دست بریدہ ہوں

اتنا کسی پہ میری حقیقت نہیں کھلا
حرف نگفتہ ہوں سخن ناشنیدہ ہوں

پیدا آئنے کی [illegible] الٰہی [illegible]
تو آفریدگار ہے میں آفریدہ ہوں

مطلب خزاں سے کچھ نہ غرض [illegible]
دونوں سے [illegible] میں [illegible] ہوں

دیکھوں کسی کے عیب تو کیا خاک [illegible]
ہاں [illegible] آئینے کی طرح آبدیدہ ہوں

بلبل ہوں میں نہ گل ہوں گلستان دہر میں
ہاں اک پر شکستہ و رنگ پریدہ ہوں

شبنم کہے اسے امیر ملے ہیں مجھے نصیب
گل ہنس پڑیں چمن میں جو میں آبدیدہ ہوں

نالہ ذرا کرے تو سمجھ بوجھ کر کرے
بلبل سے کوئی کہدے کہ ہم بھی چمن میں ہیں

تھوڑا سا لطف اور بھی اے پنجۂ جنوں
دو چار تار اور ابھی پیرہن میں ہیں

پیاسی ہیں آبِ خنجرِ قاتل کی دیر سے
جتنی رگیں امیر ہمارے بدن میں ہیں

عزیز احباب سب ساتھی م کیے ہیں پھر چھوٹ جاتے ہیں
جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

الٰہی کیا علاقہ ہے وہ جب لیتا ہے انگڑائی
مرے سینے میں سب زخموں کے ٹانکے ٹوٹ جاتے ہیں

عجب کانٹا ہے ساقی محتسب جب آنکلتا ہے
تو سب جام و سبو چھپالونکی صورت پھوٹ جاتے ہیں

شہیدِ عشق جی جاتے ہیں جی سے کیا گزرتے ہیں
خدا یہ موت دے سبکو ہم اس مرنے پہ مرتے ہیں

یہاں آنکھوں میں دم ہے اب کوئی ساعت میں مرتے ہیں
قضا کہتی ہے جلدی کیا ہے آئینگے سنورتے ہیں

نکلجاتے ہیں وہ جس راہ سے بیچین کرتے ہیں
ہزاروں چٹکیاں لیتی ہیں جب دلمیں گزرتے ہیں

لگاتے ہیں جو سرمہ آئینے کو دور دھرتے ہیں
ستم دیکھو وہ اپنی چتونوں سے آپ ڈرتے ہیں

کسے ہے ہوش فصلِ گل میں رختِ تو بدلنے کا
بدن ہی مثلِ گل پھٹکر یہاں کپڑے اترتے ہیں

تفاوت اسقدر ہے زاہدوں میں اور رندوں میں
کہ وہ کچھ دلمیں لے رہتے ہیں یہ سب کہہ گزرتے ہیں

شمیمِ گل ہیں ہم بھی تم اگر بادِ بہاری ہو
جدھر چلتے ہو چلتے ہیں جہاں ٹھہرو ٹھہرتے ہیں

لیا تو میں نے بوسہ خنجرِ قاتل کا مقتل میں
اجل شرما گئی سمجھی کہ مجھکو پیار کرتے ہیں

کبھی مدِّ نظر گر عاشقوں کا قتل ہو تم کو
ہمیں بھی یاد رکھنا ہم بھی تمکو پیار کرتے ہیں

عجب پردہ ہے پر وہ شرم حسینان کا وہ آخر
مرا خط پھینک کر قاصد کے منہ پر طنز سے بولے

اسی پہ تو ہیں ساری عمر کے بگڑے سنورتے ہیں
خلاصہ سارے اس طومار کا یہ ہے کہ مرتے ہیں

مدد اے آبِ خنجر رحم کر اب تشنہ کاموں پر
نہ انکی پیاس مرتی ہے نہ یہ پیاسے ہی مرتے ہیں

نہ اتنا محتسب کا خوف ہے ہمکو نہ قاضی کا
کہیں توبہ نہ میخانے میں آئی اس سے ڈرتے ہیں

نہ میخانے میں حاجت سازکی ہے کچھ نہ مطرب کی
شکستِ توبہ کی آواز پر ہم وجد کرتے ہیں

چل اے بادِ بہاری اک ذرا آہستہ آہستہ
کہ وہ مجھ سے الجھتے ہیں تو بال انکے بکھرتے ہیں

لب ایسے بجا لفظ اخط کا یہ رنگ اس قہر کی آنکھیں
مسیح و خضر و عزرائیل تینوں تم پہ مرتے ہیں

شوخی تھی قیامت تری مستانہ ادا میں
فتنوں نے قدم چوم لئے لغزشِ پا میں

چھوڑا ہے شگوفہ یہ نیا ناز و ادا میں
اک شاخ تغافل کی لگا دی ہے جفا میں

شرمائی ہوئی چتون پر اسکی نہ جانا
شوخی بھی چھپی بیٹھی ہے پہلوئے حیا میں

بیمارِ محبت نے کبھی منہ نہ ترا پایا
تاثیر کھلی جاتی ہے اس غم سے دوا میں

کہتی ہے شبِ وصل یہ چتون کہ نہ فرصت تجھے
آج آگ لگا دو کئی میں دامان حیا میں

قابل عفو میں آلودہ عصیاں ہوں تو نہیں
اے اجل صبر کر اتنا کہ پشیماں ہولوں

پھر تو پیدا میں ہوش ہی جامہ دری وحشت میں
پہلے واعظ سے ذرا دست گریباں ہولوں

غم نے تیرے نچوڑ لیا سر سے پاؤں تک
ہر رگ پکارتی ہے گزشتہ سے کیا کہیں

خالی تہی جیب نہ دے تو گلہ آسماں سے کیا
ساقی نہ منہ لگائے تو ساغر سے کیا کہیں

واقف دلوں کے بھید سے آفریدگار
آ بیٹھے اپنا حال کسی سے کیا کہیں
قسمت سے سامنا کبھی ہوتا بھی ہے اگر
پھر دل ہی سوچتے ہیں کہ دلبر کیا کہیں

تارے مرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں
یہ سب گنبد آنکھیں کے اچھالے ہوئے ہیں
کبھی خون سودائیوں کا گرا تھا
اچھل کر وہی قطرے لالے ہوئے ہیں
نہ تھی کوچہ گردی نہ صحرا نوردی
یہ رستے ہمارے نکالے ہوئے ہیں

ذرا چلمن تک آئیں گھر میں وہ کیا نیکے بیٹھے ہیں
ہزاروں سر بکف مشتاق اک چتون کے بیٹھے ہیں
ادھر ہے عکس ادھر وہ دونوں بانکے بنکے بیٹھے ہیں
غضب جوبن ہے دو دو گرز تولے تن کے بیٹھے ہیں
ملا کر خاک میں بھی ہائے شرم انکی نہیں جاتی
نگہ نیچی کیے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں
علاقہ میرے دشمن سے نہیں جاتا نہیں جاتا
نہیں دشمن تو اب ہوگا کہیں دشمن کے بیٹھے ہیں
دم آیا وہ سوئے پر ہم آمادہ ہیں مرنے پر
ادھر وہ تیکھے بیٹھے ہیں ادھر ہم تن کے بیٹھے ہیں
وہی انصاف سے کہدیں کہ ہے کسکی جگہ اچھی
بغل میں انکی ہم پہلو میں دشمن کے بیٹھے ہیں
نہیں اب کیا ہوشی یہ آسماں پر جا بجا تارے
پتنگے کچھ تری شمع رخ دشمن کے بیٹھے ہیں
امیر آتی ہے مجکو شرم اس محفل میں کیا بیٹھے
کہیں ناقص ہوں تو کامل یہاں فن کے بیٹھے ہیں

آزمائش میں جان لیتے ہیں
خوب آپ امتحان لیتے ہیں
فقرے فقرے میں دل لیے چتون
باتوں باتوں میں جان لیتے ہیں
کیوں سراپا نہ جان ہوں معشوق
سارے عالم کی جان لیتے ہیں

نہیں ساقی یہ قلقلِ مینا — ہچکیاں شیشہ جان لیتے ہیں
یہ بلا اوجِ خاکساری ہے — کہ قدم آسمان لیتے ہیں
پھیریں دل نہیں جو اُن کو پسند — کیوں غریبوں کی جان لیتے ہیں

غش ہیں گر لخلخہ زلف سنگھاتے بھی نہیں — چاہیے چاہیے ہم آپ میں آتے بھی نہیں
نیم جاں کر کے مجھے سر پہ کھڑے ہیں چپکے — ہاتھ اُٹھاتے بھی نہیں ہاتھ لگاتے بھی نہیں
رُوٹھنا روز کا ٹھہرا ہے تو یہ سن رکھے — روز کے رُوٹھنے والے کو مناتے بھی نہیں
آ کے تربت پہ مری کہتے ہیں لو اُٹھ بیٹھو — اب تو مدت ہوئی ہم تم کو ستاتے بھی نہیں
لطف مرنے کا دکھائیں کسے قسمت میں امیر — وہ نہیں آتے تو ہم جان سے جاتے بھی نہیں

جھوٹے موتی جو سمجھتا ہے انھیں تو دل میں — اور اس غم سے گھلے جاتے ہیں آنسو دل میں
گرمیاں کر کے رُلاتے ہو تجھے یاد رہے — چھالے ڈالینگے یہ جلتے ہوئے آنسو دل میں
ہجر میں ہوش نہیں صبر نہیں تاب نہیں — اُٹھ بھی اے دردِ دل اب کیوں ہے پڑا تو دل میں
ہے نگہ تیرِ ادا تیرِ بلا تیرِ قضا — دل ہے پہلو میں مرے تیر سے پہلو دل میں
کھینچ کر سرمے کا دُنبالہ دکھائی مجھے آنکھ — پھر گئی کوکبِ دُمدار کی جھاڑو دل میں
ناوکِ نازِ ادا کا ترے اللہ رے ادب — حسرتیں جتنی ہیں بیٹھی ہیں دو زانو دل میں
ایک ایک اُن میں شرارہ تھا جہنم کا امیر — آگ لگ جاتی جو رہ جاتے یہ آنسو دل میں

دارِ فانی میں پتا اُسکا میں کس سے پوچھوں — سب ہیں پردیسی یہاں کا کوئی ساکن ہی نہیں

نالۂ شب دل کو نہ دیکھا تو وہ کافر بولا
اچھی مسجد ہے جہاں کوئی مؤذن ہی نہیں

جب کہا میں نے کہ اے جان ہو واجب بوسے
آپ واجب کہیں یا فرض یہ ممکن ہی نہیں

اے صنم وصل میں کیا قید کہ ٹھہرے کس دن
سب دن اللہ کے ہیں کوئی برا دن ہی نہیں

اُن سے ہے وصل کی درخواست وہ جو چاہیں کہیں
غمزہ کیوں بیچ میں بولا اُٹھتا ہی ممکن ہی نہیں

بے جگہ شام ہوئی جاتی ہے جنگل میں امیر
ہائے کیا ہو گئے منزل پہ کہ اب دن ہی نہیں

اُلفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

آئے جو مری لاش پہ وہ طنز سے بولے
اب میں ہوں خفا تم سے کہ تم مجھ سے خفا ہو

گھبرا کے وہ بولے جو سنا شورِ قیامت
دیکھو مرے عاشق کا جنازہ نہ اُٹھا ہو

کیا شوق تمہارا مرقد سے قیامت میں پہنچا
کہتا ہوا اب وعدۂ دیدار وفا ہو

جھنجھلا کے سزا دی ہے وہ مجھے ہاتھ سے اپنے
ایسی کوئی ایذا جو خطا ہو تو مزا ہو

ہر رنگ میں ہے یار نیا رنگ تمہارا
بے پردہ جو شوخی ہو تو در پردہ حیا ہو

لایا ہے تو پدر کا آئینہ بغل میں
اتنا بھی نہ اپنا کوئی مشتاقِ لقا ہو

کیا ہاتھ نہیں درکار ہے اُن کو ہی مہندی
چھو لیں گلِ عارض تو وہی رنگِ حنا ہو

بولے وہ آئے جو ناصح مرے سمجھانے کو
کون ہو تم نہ ستاؤ مرے دیوانے کو

تو نے کمبخت کبھی پی ہی نہیں کیا تجھے قدر
محتسب دیکھ مری آنکھ سے پیمانے کو

گور میں آئے نکیریں تو میں یہ سمجھا
ناصح آ پہنچے یہاں بھی مرا سر کھانے کو

ساقیا دخترِ رز کا تو بڑا رتبہ ہے
بے وضو میں کبھی چھوتا نہیں پیمانے کو

واعظو تم جسے سمجھے ہو سحابِ رحمت
لے اڑی ہے یہ صبا دوش پہ پہنچانے کو

پردے میں تم ہو اُسپہ یہ عالم ہے حسن کا
پردے سے باہر آؤ تو کیا جانے کیا کرو
جب پوچھتا ہوں ان سے دوا دردِ عشق کی
کہتے ہیں پہلے ہوش کی اپنے دوا کرو

آج وہ چھاؤں میں تاروں کی سدھارے گھر کو
لگ گئی آگ دھندلکے میں ہمارے گھر کو
گھر سے ہم وادیِ وحشت کی طرف چل نکلے
چھوڑ کر خانہ خرابی کے سہارے گھر کو

گھر میں بستو نہ آج کل بیٹھو
فصلِ گل ہے چمن میں بلبل بیٹھو
دیکھو نکلی شہیدِ ناز کی لاش
تم بھی گھر سے ذرا نکل بیٹھو
جب میں اٹھتا ہوں کوئی قاتل ہے
روک کر کہتی ہے اجل بیٹھو
شوقِ دیدار کا تقاضا ہے
حشر میں سب سے پہلے چل بیٹھو
وہ دکھاتا ہے مجھے رہ رہ کر
دیکھو اٹھتا ہوں میں سنبھل بیٹھو

ہے ایک عمر سے مہماں اسے ملال نہ ہو
شبِ فراق میں ذکرِ شبِ وصال نہ ہو
جو اس کے زخم بھی سینے میں ہیں ڈرتا ہوں
ہنسی ہنسی میں کسی کو کہیں ملال نہ ہو
کرو نباہ و ستمگر ستم اپنے ہی کو
برا ہے اسقدر کہ پریشان کسی کا حال نہ ہو
عدو میں مر کے بھی میں لیٹ نہیں سکتا
خیال ہے کہ انہیں اور کچھ خیال نہ ہو

ہٹی جو زلف یہ چہرے کی روشنی پھیلی — میں ڈر گیا کہیں صبحِ شبِ وصال نہ ہو
ترے مریضِ محبت کو کوئی کیا جانے — وہی بتائیگا یہ حال جس میں حال نہ ہو

مار ہی ڈالتے ہیں گیسوؤں والے دل کو — پیچ پر پیچ ہیں اللہ بچالے دل کو
لوٹ کر آبلے ناسور ہوئے جاتے ہیں — ہائے چھلنی کئے دیتے ہیں یہ چھالے دل کو
کوئی پامال بھی کرنے کو نہیں لیتا ہے — مجھکو دو بھر ہے کروں کس کے حوالے دل کو
ہو گیا سرد تڑپ کر تو وہ بولے ہے ہے — کیا ہوا آج مرے چاہنے والے دل کو
سخت ناداں ہے کہ ملتا ہے وہ پاؤں کے تلے — کچھ بھی سمجھے تو کلیجے سے لگالے دل کو
کہتے ہیں شوق سے آئیں مری محفل میں امیر — ساتھ لائیں نہ مگر لوٹنے والے دل کو

اے جنوں لے چل اب وہاں کہ جہاں — یہ زمیں اور یہ آسمان نہ ہو
یوں مٹا الفتِ خدا میں خودی — نام باقی رہے نشان نہ ہو

دیکھ لے حال شمع و پروانہ — گھر جہنم ہے زن مریدوں کو

غیر سے آنکھیں چار کرتے ہو — جاؤ بھی کس کو پیار کرتے ہو
ہے جو نفرت امیدواروں سے — کیوں پھر امیدوار کرتے ہو
ایک نالہ جو ہم کریں تو ابھی — منتیں تم ہزار کرتے ہو
روز آئینے کو جب کہا بولے — اک تمھیں مجھکو پیار کرتے ہو

بوسۂ لب لیکے خود ہی بگیا ہی بت امیر
بات کیا ہے تم بھی چپکے ہو رہو جانے بھی دو

کشتۂ عشق ہوا دیکھ کے آنکھیں اسکی
شیر کے منہ پہ لگا لیگئے آہو مجھکو

پھر ذرا مجھکو چکھا دو مزہ دل آزاری کا
چار دن کو بھی جو ملجائے ترا دل مجھکو

کچھ اس انداز سے وہ ناز بھرے ہاتھ چلے
آ گئی نیند تہِ خنجرِ قاتل مجھکو

ناتوانی نے بنایا ہے مجھے نقشِ قدم
پاؤں رکھتا ہوں جہاں ملتی ہی منزل مجھکو

شاخیں اسی کی ہیں یہی جڑ ہے فساد کی
پہلو میں دل نہو تو کوئی آرزو نہو

غضب ہے اپنے عیبوں کا خیال آئے نہ انساں کو
کیا ہے شرم عریانی نے خم شمشیرِ براں کو

گلوں سے جا کے میں نے داغِ دل اپنے ملائے تھے
نہیں شبنم پسینا آگیا ہے یہ گلستاں کو

تڑپتا جانتا ہوں لذتِ ناوک سے ای قاتل
نہیں سوفار کو جانوں نہ پہچانوں میں پیکاں کو

میں اک غربت زدہ باقی رہا تھا میں بھی آج اٹھا
مبارک باد دے آئے کوئی گورِ غریباں کو

خیال آسودگانِ خاک کا دل سے نہیں جاتا
لیئے پھرتا ہوں اپنے ساتھ میں گورِ غریباں کو

پری کو بھی اترتے یوں نہیں دیکھا ہی شیشے میں
عجب انداز سے تو نے اتارا دل میں پیکاں کو

بہت ہی مختصر ہے وصل کی شب کچھ تو بڑھ جائے
مری خاطر سے دم بھر کھول دو زلفِ پریشاں کو

بہت ہی زور پر دستِ جنوں ناصح الگ رہنا
ترا دامن نہ پکڑے چھوڑ کر میرے گریباں کو

امیر ایسی کہاں قسمت کہ پہونچوں اڑ کے پھولوں تک
کبھی جا کے قفس سے جھانک لیتا ہوں گلستاں کو

گرد اغیار بیچ میں تو ہو — ہائے کیونکر قضا پہ قابو ہو
پاس سے تم اٹھو تو دل بیٹھے — کبھی خالی نہ اپنا پہلو ہو

وصل کی رات تو راحت سے بسر ہونے دو — شام ہی سے ہے یہ دھمکی کہ سحر ہونے دو
تلملانے میں تڑپنے میں کٹی کس کے دن — ہے جو اس پر بھی خفا درد جگر ہونے دو
ہم تصور میں نہ کھینچیں یہ نہ ہوگا ہم سے — لاکھ نازک ہے حسینوں کی کمر ہونے دو

کیوں وصل کی چرخ کو خبر کی — آمد ہے جو شام سے سحر کی
اے یاس نہ دل میں پاؤں پھیلا — پھانسیں نہ چبھیں مرے جگر کی
خط لیتے ہی چل دیا عدم کو — اتنی ہی لکھی تھی نامہ بر کی
غفلت میں نہ کھو شباب اے دل — یہ رات ہے جان عمر بھر کی
شام شبِ ہجر عمر آخر — امید امیر کیا سحر کی

جتنی کمی کہ نامۂ سیاہی میں رہ گئی — اتنی ہی وسعتِ عفوِ الٰہی میں رہ گئی
آنکھ اس نے پھیر لی تو کہاں پھر ہماری زیست — آدھی تو جان نیم نگاہی میں رہ گئی
تھے زار کوئے یار میں کیا جاتی اپنی خاک — اتنی تھی کم کہ اڑ کے ہوا ہی میں رہ گئی
دیکھا فتیلیاں مری قندیلِ آہ کی — کیسی لٹک کے عرشِ الٰہی میں رہ گئی
منہ روزِ حشر موڑ گئی تیغِ یار بھی — چلتی ہوئی زبان گواہی میں رہ گئی
صد شکر منہ سے نامِ محمد نکل گیا — بات اپنی بارگاہِ الٰہی میں رہ گئی

ابرو پر اُسکے آگئی اُڑ کر ہوا سے زُلف
کیا رویتِ ہلال سیاہی میں رہ گئی

صد شکر حق نے میری تواضع قبول کی
اچھی تھی اشک سے خزانۂ شاہی میں رہ گئی

پردے سے اُسکی ذات کو کیا کام تھا امیر
چھپ کر صفاتِ نامتناہی میں رہ گئی

آئینہ ترے حسن کا دل بھی ہے جگر بھی
ہے ایک ہی صورت کہ اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

غیروں سے ہیں باتیں بھی عنایت کی نظر بھی
پر دیکھنے جاتے ہیں کنکھیوں سے اِدھر بھی

تو چشمِ سخن گو سے مجھے پوچھ دے اتنا
ہیں باتیں ہی باتیں کہ ہے کچھ مدّنظر بھی

گھبرائے چلے جاتے ہیں گل کس کی ہے آمد
گھبرائی ہوئی پھرتی ہے کچھ بادِ سحر بھی

رُک رُک کے جو چلتا ہے گلے پر مرے خنجر
کچھ دل میں ہے قاتل کے ترحم کا اثر بھی

کیا تنگ ہے جلاد مری سختیٔ جاں سے
ہر وار پہ کہتا ہے کہ ظالم کہیں مر بھی

جاتا ہے مجھے واعظ کی محفل میں نہ کر دیر
ساقی مئے گلرنگ سے ساغر مرا بھر بھی

جب قتل کو آیا ہے مرے غمزۂ قاتل
کیا تیز چھری کھینچ کے نکلی ہے نظر بھی

کیا غم ہے خزاں میں جو نہیں طاقتِ پرواز
نکلینگی جو کلیاں تو نکل آئینگے پر بھی

ہے شوق جو پاؤں کے بڑھانے کا تو اےجان
پیدا کر اس بوجھ اُٹھانے کو کمر بھی

بیمار میں کس کا ہوں کہ آئے جو مسیحا
تعظیم کو اُٹھا نہ مرا دردِ جگر بھی

فرقت میں امیر ایسی برستی ہے اداسی
روتے ہیں مرے حال پہ دیوار بھی در بھی

پیکان ہی ترے تیر کا پہلو میں در آئے
ٹھنڈا ہو کلیجا ہی امید بر آئے

رخصت ترے بیکس کو کرے کون دمِ نزع
ہچکی ہی آ الٰہی کوئی وقتِ سحر آئے

اللہ رے ستم بیخودیِ عشق کے ہم پر — ہم آپ میں آئے تو کہا تم کدھر آئے
آئے وہ وہمِ باز پسیں یوں مرے گھر میں — جس طرح کہیں چاندنی پچھلے پہر آئے
کوٹھے سے نزاکت تو اُترنے نہیں دیتی — تم آنکھوں سے دلمیں مرے کیونکر اُتر آئے
کس طرح امیر اُن سے بنا ہے کوئی اُلفت — دل دیتے کو ہر روز کہاں سے جگر آئے

ہیں اشارے یہ تیغِ قاتل کے — آؤ ارمان نکالدوں دل کے
شرمِ لیلیٰ تو مانعِ دیدار — مفت بدنام پردے محمل کے
ہم سے سیکھیں جو طرزِ نالہ کشی — پھول منہ چوم لیں عنادل کے
دل میں آکر نہ دل سے پھر نکلے — تم تو ارمان بن گئے دل کے
فیصلہ کر رہے ہیں مجنوں کا — بیچ میں پڑ کے پردے محمل کے
غمِ کونین سے مجھے کیا کام — کسی کونے میں پڑ رہے دل کے
پوچھتے ہیں وہ مجھ سے عید کے دن — کہو کیا مل گیا گلے مل کے
اُسکی رحمت سے لو لگا کہ امیر — آڑے آئیگی وقت مشکل کے

وہ بن سنور کے ادھر آتے ہیں جفا کیلئے — ضرر سے ہیں آج تو دل درد آشنا کیلئے
دکھاؤنگا شبِ وصل اُنکو پھول انگوروں کے — لگا رہا ہوں یہ ڈالی اک آشنا کیلئے
یہ ہچکیاں نہیں آتی ہیں نزع میں تسلیم — سمٹی جاتی ہے ڈالی اک آمدِ قضا کیلئے
وہ آئیں نزع میں چلتی نہیں زباں تو چلے — نگاہ یاس تو ہے عرضِ مدعا کیلئے
امیر کعبے کو جاتا ہوں میں تو دیر سے بت — پکارتے ہیں ادھر بھی ذرا خدا کیلئے

کھ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی — ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی
کھل گیا جوبن تو عصمت سے حیا نے یہ کہا — ایک انگڑائی سے ہم دونوں کی رسوائی ہوئی
کھ تو اے گلچیں اسیرانِ قفس کے واسطے — توڑ لوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی
ہیں تو رازِ دل چھپاؤں پر چھپا رہنے بھی دے — جان کی دشمن یہ ظالم آنکھ للچائی ہوئی
موت آئی روح جاتی ہے کرے کون اہتمام — اک نگاہِ واپسیں پھرتی ہے گھبرائی ہوئی
شعر گلدستے میں مجھ افسردہ دل کے کیا امیر — دامنِ گلچیں میں کچھ کلیاں ہیں مرجھائی ہوئی

رندو جو ملو حضرتِ قاضی سے تو دب کے — سمجھو کہ بزرگوں میں ہیں یہ بنتِ عنب کے
اٹھیں تو وہ محشر میں ذرا چھپ کے سے پردہ — آگے ابھی ہو جائیں گے پیچھے ہیں جو سب کے
لیں ساتھ مجھے ڈرتے ہیں کیوں حضرتِ موسیٰ — طالب ہیں وہ خود دیدہ دیدار طلب کے
معشوقِ حقیقی میں بھی گرمی کی ہیں باتیں — قرآن میں بھی آئے ہیں آیات غضب کے
گھر بیٹھے ہمیں ہاتھ لگی منزلِ مقصود — جب توڑ کے ہم بیٹھ رہے پاؤں طلب کے
ہر ماہ میں دیکھا کیے وہ مصحفِ رخسار — اس سال میں سب چاند ہوئے ہم کو رجب کے
ہر مرتبہ کہتے ہو کہ ہم جاتے ہیں گھر کو — سب باتیں تو اچھی ہیں یہ فقرے ہیں غضب کے

نازکی کہتی ہے تسمہ تو لگا رہنے دے — ناز کہتا ہے لگی میری بلا رہنے دے
بے پر و بال ہوں طاقت نہیں اڑنے کی صبا — اک ذرا شاخِ نشیمن کو جھکا رہنے دے
جب وہ بت ہی نہیں جنت میں تو جنت کیسی — ایسی جنت سے تو دوزخ ہی خدا رہنے دے

لوٹ ہو جس پہ تبسم وہ دہن کس کا ہے
باتیں منہ چومیں وہ اندازِ سخن کس کا ہے

فتنے پستے ہیں یہ بے ساختہ پن کس کا ہے
حشر کی کچھ نہیں چلتی یہ چلن کس کا ہے

بات پھنس پھنس کے نکلتی ہے ہنسی لب لب پر
اسقدر تنگ سوا تیرے دہن کس کا ہے

تیر چٹکی میں کماں ہاتھ میں خنجر قریب
انتظار اب تجھے اے تیر فگن کس کا ہے

دل کی یا رب وہ دلربا نہ سنے
ایسی حسرت بھری صدا نہ سنے

یوں وہاں چل کہ پاؤں کی آہٹ
پاسباں کیا ہے نقشِ پا نہ سنے

کسی نا آشنا کا کیا شکوہ
آشنا کی جب آشنا نہ سنے

جو کسی کو برا بھلا نہ کہے
وہ کسی سے برا بھلا نہ سنے

دل وہاں ٹھنڈی سانسیں لیتا ہے
کوئی نقرہ جلا بھنا نہ سنے

وائے قسمت جو سب کی سنتا ہے
وہ بھی عاشق کی التجا نہ سنے

دل جو کہتا ہے بے اثر ہے دوا
درد کہتا ہے چپ دوا نہ سنے

پھول آہستہ توڑ اے گلچیں
دیکھ ظالم کہیں صبا نہ سنے

وعدۂ وصل چپکے چپکے ہو
غمزہ عشوہ ادا حیا نہ سنے

حال پھولوں کا جو خزاں نے کیا
کہیں بلبل وہ ماجرا نہ سنے

میری فریاد رائیگاں تو نہ ہو
بت ہی سن لیں اگر خدا نہ سنے

درد پر دل نثار دلبر درد
ایسے دیکھے نہیں آشنا نہ سنے

بہت اے دل وفا وفا نہ پکار
کہیں وہ دشمنِ وفا نہ سنے

میں تو سنتا ہوں تو جو کہتا ہے
اے ستمگر مگر خدا نہ سنے

رات تھوڑی سی حسرتیں بے حد
کیا کرے کیا سُنے وہ کیا نہ سُنے
جو کوئی درد آشنا ہو امیر
اِدھر آئے مرا فسانہ سُنے

دل میں جو داغ ہیں ندامت کے
پھول ہیں سب یہ باغِ جنت کے
سوکھے جب پھول میری تربت کے
دوڑے سقے سحابِ رحمت کے
چھیڑتی پھرتی ہیں حسرتیں پسِ مرگ
گوشے گوشے میں میری تربت کے
اس ادا سے چلے وہ حشر کے دن
فتنے پس پس گئے قیامت کے
عیش کر لو نئی جوانی ہے
یہی دو چار دن ہیں فرصت کے
ہجر کی ایک شب نے دکھلائے
سیکڑوں دن مجھے قیامت کے
دیکھ کر دخت رز کو بہکلے شیخ
اب تو ٹھنڈے وضو ہیں حضرت کے
وصل کے دن قریب آتے ہیں
چوڑ چلنے لگے نزاکت کے
تیری صورت بنا کے بیٹھ رہے
کارکن کارگاہِ صنعت کے
قتل کو دوڑ کر چلے آئے
وصل میں عذر تھے نزاکت کے
رکھ کے خنجر گلے پہ کہتے ہیں
کیوں چکھا دوں مزے محبت کے
جتنے تکیے ہیں سو رہے ہیں امیر
یار ہیں سب ہماری صحبت کے

بگاڑی جو اسے دلربا مل رہی ہے
دعا دی تھی اُسکی سزا مل رہی ہے
لگانا چاہتی ہے کوئی آگ تازہ
شرارت سے اُنکی حیا مل رہی ہے
بھرے جاتے ہیں عیادت کی باتیں
مریضوں کو اچھی دوا مل رہی ہے

مرا دل وہ تلوون سے ملتے نہیں ہیں — یہ مٹی ہیں میری وقابل رہی ہے

قد نے گیسو کو سر چڑھایا ہے — سرو سے بھی بلند سایا ہے
خود نہیں ابر گھر کے آیا ہے — شوق مستوں کا گھیر لایا ہے
روح پھر آگئی بدن میں مرے — دیکھو تربت پہ کون آیا ہے
سجدے کرتے ہیں طاق ابرو میں — ہم نے کعبہ نیا بنایا ہے
مشربِ صلح کل ہیں اے زاہد — دیر بھی ایک حرم کا سایا ہے
طرفہ آفت ہے روزِ فرقت بھی — حشر نے راس اسے بٹھایا ہے
دیدۂ تر سے کرکے ہم چشمی — کیا سمندر نے غوطہ کھایا ہے
نقدِ طاعت جو روز کرتے ہیں نذر — خلد کا پیشگی کرایا ہے
انس پیکاں سے کیوں نہ ہو دل کو — اپنا ہمشکل یار پایا ہے
گھڑیوں روئے ہیں ہم امیر لہو — زخم کوئی جو مسکرایا ہے

کیوں وہ شرمائیں اپنے درباں سے — حوریں چھپتی نہیں ہیں رضواں سے
آبلے دل کے جب دکھاتا ہوں — چھیڑ دیتے ہیں نوکِ مژگاں سے
چاک کرنے کی وضع پوچھتی ہے — صبحِ محشر مرے گریباں سے
یادِ مژگاں ہوئی پیامِ اجل — خون آنے لگا رگِ جاں سے
پھول جھڑتے نہیں خزاں میں امیر — روٹھے جاتے ہیں گل گلستاں سے

شکل آئینہ جو حیرت ہوگی — دیکھ لینے کی تو صورت ہوگی
وصل میں شام سے یہ خوف رہا — صبح کو کیا مری حالت ہوگی
دوڑ ساقی کہ ترے مستوں کو — ہوش آیا تو قیامت ہوگی
ہے یہی چال تو دو ہی دن میں — آگے تم پیچھے قیامت ہوگی
آئنہ دیکھئے ہنسئے نہ مجھے — آپ کی کبھی یہی صورت ہوگی
بیخودی شیشہ نہ ٹوٹے کوئی — مجکو ساقی سے خجالت ہوگی
آپ گھر غیر کے جائیں ہم بھی — مر ہی جائینگے جو غیرت ہوگی
ہم سے دیوانے اگر جمع ہوئے — کیا پریشان قیامت ہوگی
دل اُٹھاونگا میں اُس سے ناصح — ناز اُٹھانے سے جو فرصت ہوگی
ہم بھی محشر میں طلب ہونگے امیر — کیا قیامت میں قیامت ہوگی

جب اُس شمع رو سے مقابل ہوئی — چراغ سحر شمع محفل ہوئی
چھری کھچ کے اُس ترک کی میان سے — کلیجے میں رکھنے کے قابل ہوئی
ہوا وصل اُس سے تو اک دم کے دم — یہ سمٹی کہ شب آنکھ کا تل ہوئی
میں دیوانہ کیوں ہوش میں آگیا — یہ کیسی مری عقل زایل ہوئی

یہ وقت مرگ لیلیٰ کی دعا تھی — الٰہی خوش رہے مجنون جہاں ہے
تم اپنے پاؤں سے کانٹے نکالو — مجھے اے ہمرہو فرصت کہاں ہے
کرے دو ٹکڑے مجکو تیغ اُس کی — امیر ایسی مری قسمت کہاں ہے

مہرِ اُلفت میں تیری جلتا ہے صبح کا تجھ پہ دم نکلتا ہے
ہے زمانہ بھی کیا ترا بیتاب رات دن کروٹیں بدلتا ہے
شمع کہتی ہے یہ پتنگوں سے کہو پہلے سے کون جلتا ہے
سوزِ غم بعدِ مرگ بھی ہے وہی ہڈیوں سے دھواں نکلتا ہے
مُے گلرنگ یہ نہیں ہے امیرؔ دہنِ شیشہ لعل اُگلتا ہے

پھری نہ مرضیِ جلاد سے کبھی گردن ہزار بار تہِ تیغِ امتحاں آئی

کوئے جاناں میں ہوئی ہے جو شہادت میری دامنِ حور کے سائے میں ہے تربت میری
ہنسکے فرماتے ہیں وہ دیکھکے حالت میری کیوں تم آسان سمجھتے تھے محبت میری
بعد مرنے کے بھی چھوڑی نہ رفاقت میری مری تربت سے لگی بیٹھی ہے حسرت میری
چارہ گر مجھ سے مکدّر ہے الٰہی کیا ہے آج متی ہوئی جاتی ہے طبیعت میری
ہو چکے قتل دو عالم تو کہا ظالم نے آج کچھ رنگ پہ آئی ہے طبیعت میری
چاہے قتل کرو پیار سے مٹی دیدو ہائے اتنی بھی نہیں تم کو مروت میری
جرمِ الفت سے میں انکار اگر کرتا ہوں آئینہ سامنے رکھدیتی ہے حیرت میری
تجھ سے اے بادِ صبا مجکو یہ اُمید نہ تھی چار پھولوں کو ترس جائیگی تربت میری
دھوم ہے روزِ قیامت کی قیامت کیسی آئی ہے بھیس بدلکر شبِ فرقت میری
پھول داغوں کے مرے دل میں جو دیکھا تو کہا کیا رہاں خوب بناتی ہے محبت میری
درِ قاتل کا پتا دیتی ہے مشتاقوں کو خضر بن بیٹھی ہے اُس کوچے میں تربت میری

تو بھی کر کے ستم جیسا کا نہ پیچھا چھوڑا
مہر کی طرح لگی رہتی ہے نیت تیری

بیخودی نے کئے بال و پر عنقا پیدا
میرے گم ہونے سے عالم میں ہے شہرت تیری

مر کے محشر میں یہ کہکے چھڑایا مجھ کو
جانے دے اسکی طرفدار ہے رحمت تیری

وائے بیبسی باتیں میں کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
سن رہا ہوں میں کئے جاؤ شکایت تیری

لٹکے دیتی ہیں مرے دل کو لٹیں زلفوں کی
آنکھیں گیسوؤں میں بھٹک جاتی ہے نیت تیری

کس صفائی سے وہ دل چھین کے کہتے ہیں امیر
وہ مرا گھر ہے رہے جس میں محبت تیری

جان بلب ہو کے بھی دم توڑ رہا ہوں میں امیر
اس قدر ضعف پر اللہ رے طاقت تیری

سب یہ تیرے حالت یہ ہے گلزار کی
ہچکیاں گل سانس ہے بیمار کی

ہوں وہ لاغر در پہ اسکے گر پڑا
کھا گئے ٹھوکر سایۂ دیوار کی

حال مجھ سے سر پٹکنے کا نہ پوچھ
دیکھئے حالت در و دیوار کی

خشمگیں ہے یار ظاہر میں تو ہو
ہم نظر پہچانتے ہیں پیار کی

آ کے بالیں پر مرے بولی اجل
میں دوا ہوں عشق کے آزار کی

گل ترے عارض کے دیوانے ہوئے
پھاڑ کے کپڑے راہ لی بازار کی

اے امیر اسکی نگاوٹ پر نہ جا
مار ڈالیں گی نگاہیں پیار کی

دم تری الفت پوشیدہ کا بھرنے والے
دل جلے سینہ جلے اُف نہیں کرنے والے

عشق میں جی سے گزرتے ہیں گزرنے والے
موت کی راہ نہیں دیکھتے مرنے والے

اک ذرا دیکھ تو کیا کہتے ہیں مرنے والے
او غریبوں کے مزاروں پہ گزرنے والے

آخری وقت بھی پورا نہ کیا وعدۂ وصل
آپ آتے ہی رہے مر گئے مرنے والے

نزع کا وقت جو گزرا تو خوشی کیا اسکی
ایسے صدمے ابھی کتنے ہیں گزرنے والے

پھر کہاں دل کا پتا دل میں حسیں جب آئے
گھر بھی لیجاتے ہیں اس گھر میں ٹھہرنے والے

موت کہتی ہے کہ دیتے تو حسینوں پہ ہیں جان
اور مجھے مفت لئے مرتے ہیں مرنے والے

نقشِ پا سے بھی ابا جو کہیں بیٹھے ہی نہیں
ہر قدم پر یہ مسافر ہیں ٹھہرنے والے

قابلِ رحم قیامت میں نہ ٹھہرینگے امیر
رحم دنیا میں غریبوں پہ نہ کرنے والے

خاکی نژاد خاک کے اندر چلے گئے
جس گھر سے آئے تھے پھر اُسی گھر چلے گئے

شیشے پکارتے ہیں کہ رندانِ بادہ نوش
آئے تباہ کر کے مرا گھر چلے گئے۔

جو گھر میں چھپ کے ہم اُن کے حضور سے آئے
کلیم پھر ملاقات طور سے آئے

خدا تو عفو کرے بار بار دیکھے جرم
غضب ہے باز نہ بندہ قصور سے آئے

ہمیں نہ تم سے ملا کچھ رہے وہی اچھے
کہ خالی ہاتھ تو موسیٰؑ نہ طور سے آئے

گناہ گار ترے گیسوؤں کے محشر میں
بندھے ہوئے رسنِ زلفِ حور سے آئے

امیر اپنی جو آنکھیں ہوں طالبِ دیدار
چمک کے برق ابھی کوہِ طور سے آئے

میں وہ دیوانہ عریاں تھا کہ مرقد میں عزیز
دفن کرنے لگے مجکو تو کفن بھول گئے

دل کو اب کب قرار آتا ہے
سن لیا ہے کہ یار آتا ہے

تیرے وعدے ہی عشق ہے اسکو — ساتھ ہی اعتبار آتا ہے
وصل میں اسکو کس نے بلوایا — غصہ کیوں بار بار آتا ہے
روز تکیوں میں جا کے دل میرا — دوستوں کو پکار آتا ہے
تم کو آتا ہے پیار پر غصہ — مجھکو غصے پہ پیار آتا ہے
فتنے گھٹتے ہیں دیکھکر اسکو — فتنہ روزگار آتا ہے
جائے شکوہ مری زبانپہ آتے ہی — شکر بے اختیار آتا ہے

تندمے اور ایسے کمسن کے لئے — ساقیا ہلکی سی لا ان کے لئے
جب سے بلبل تونے دو تنکے لئے — ٹوٹتی ہیں بجلیاں ان کے لئے
دن ہرا روتا ہے میری رات کو — رات روتی ہے مری دن کے لئے
ہے جوانی خود جوانی کا سنگار — سادگی گہنا ہے اس سن کے لئے
ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا — میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے
ذرہ ذرہ دروھے کا زاہدو — دور بیں ہے چشم باطن کے لئے
کیمیا گر آگ سا دیکھا نہیں — تار سونے کے دیئے تنکے لئے
باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی — بھیجنا ہے ایک کمسن کے لئے
سب حسیں ہیں زاہدوں کو ناپسند — اب کوئی حور آئیگی ان کے لئے
وصل کا دن اور اتنا مختصر — دن گنے جاتے تھے اس دن کے لئے
دختِ رز سی پاک دامن چاہئے — شیخ جی سے پاک باطن کے لئے
کہتے ہیں چھپنے کی بھی اچھی کہی — پردے میں بیٹھینگے ہم ان کے لئے

دل کا ضامن تو ترا کیا اعتبار
پہلے اک ضامن ہو ضامن کے لیے

لاش پر عبرت یہ کہتی ہے امیرؔ
آئے تھے دنیا میں اس دن کے لیے

صبح کا سونا جو ہاتھ آتا امیرؔ
بھیجتے تحفے موذن کے لیے

ادائیں کھیلتی ہیں رنگ تلوار اُسنے تولی ہے
لہو کی چلتی ہیں پچکاریاں مقتل میں ہولی ہے

عجب بانکپن ہے نزاکت اسکی کہ جس محفل میں کھولی ہے
وہاں سے جو چلا ہے اٹھکے اُسکے ساتھ ہو لی ہے

عجب ملبوس ہے ہم وحشیوں کا رختِ عریانی
گریباں ہے نہ دامن ہے نہ پردہ ہے نہ چولی ہے

گھٹا کی سیر حجرے سے نکل کر دیکھ اے زاہد
تماشے کو یہ چولی حور نے جنت میں کھولی ہے

صراحی دور میں آتی ہے زاہد ہوں جو محفل میں
جھکا لیں اپنی آنکھیں دخترِ رز کی یہ ڈولی ہے

نظر بازی میں جو ملتی ہے لذت وہ نہیں لکھتے
ترے دیدار کے بھوکے فقیروں کی یہ جھولی ہے

ادا ہی سی تری مرتا ہے جو مرتا ہے دنیا میں
قضا کہتے ہیں جسکو وہ اسی سانچے کی گولی ہے

صبا ان منہ بندھی کلیوں نے شب کو کسکی چوری کی
کہ تو نے صبح کو ایک ایک کی مٹھی ٹٹولی ہے

گلوری کھائی اس غنچہ دہن نے تو یہ سمجھا
کہ ہے جو پھول گلشن میں سرِ پانوں کی ڈھولی ہے

خوشامد اے دلِ بیتاب اس تصویر کی کب تک
یہ بولا چاہتی ہے پر نہ بولیگی نہ بولی ہے

امیرؔ ایسے شگفتہ ہیں مضامین نازک و رنگیں
غزل کیا ہے یہ پھولوں سے بھری گلچیں کی جھولی ہے

لپٹ کے تم سے تصور میں کوئی سوتا ہے
کدھر خیال تمہارا ہے کچھ خبر بھی ہے

نہ دستِ ناز میں رکھیں تو کیا کریں اخترؔ
کہاں وہ تیغ کو باندھیں کہیں کمر بھی ہے

نالۂ بلبل سے دل پر چوٹ ایسی لگ گئی
روتے روتے باغباں کو آج ہچکی لگ گئی

ہم صفیر و اس چمن میں ہوں میں وہ درد آشنا
غنچہ بھی چٹکا تو میرے دل پہ گولی لگ گئی

بیعت پیر مغاں سے مل گیا بام مراد
سلسلہ پیدا ہوا رفعت کا سیڑھی لگ گئی

واہ رے شوق تماشا وہ ابھی گھر ہی میں ہیں
اٹھ گئی دیوار۔ در پر بھیڑ ایسی لگ گئی

تا کجا بیداد اب فریاد کی طاقت نہیں
باغباں آواز میں بلبل کی پتی لگ گئی

درد دل نے اٹھ کے پہلو سے وہیں چونکا دیا
رات بھر میں ایک پل جب آنکھ میری لگ گئی

روتی ہے شبنم گلستاں میں تو ہنس پڑتے ہیں پھول
پانی پانی جو کرے دل کو وہ آنسو اور ہے

بوئے یوسف مصر سے کنعاں میں لائی ہے صبا
اب دماغ حضرت یعقوب میں بو اور ہے

بھر بالش حور کا زانو یہاں درکار کیا
جس پہ ہم سر رکھ کے سوتے ہیں وہ زانو اور ہے

یار آیا دیکھنے اب تو ٹھہر جا کوئی دم
میرے تڑپانے کا وقت اے درد پہلو اور ہے

تذکرہ کچھ تو کیا میری پریشانی کا
آج الجھے وہ بہت زلف کی سرگوشی ہے

دو جہاں چھوڑ کے عشاق ترے غم میں رہے
دونوں عالم سے جدا تیسرے عالم میں رہے

خم بھی رویا مجھے پیمانہ بھی رو دیا مجھ کو
جتنے تھے چھوٹے بڑے سب مرے ماتم میں رہے

آکے بگڑی ہوئی اس باغ کی دیکھی جو ہوا
شور سے کوچ کے شب بھر گل و شبنم میں رہے

دل میں عصیاں کے یہ ہے ایک ہو داخل خلد
عفو کہتا ہے کہ کوئی نہ جہنم میں رہے

باتیں ناصح کی سنیں یار کے نظارے کیے
آنکھیں جنت میں رہیں کان جہنم میں رہے

مرگِ عاشق کی خبر آئی تو جھنجلا کے کہا
روز سو مرتے ہیں کبتک کوئی ماتم میں رہے

وصل ہو جائے یہیں حشر میں کیا رکھا ہے
آج کی بات کو کیوں کل پہ اُٹھا رکھا ہے

دل سی شے گردِ کدورت میں ستم ہے کہ نہیں
ہای کیا خاک میں ظالم نے ملا رکھا ہے

کہتے ہیں میری بلا جانے ترا دل ہے کہاں
چور ہیں کیا مرے دشمن کو چھپا رکھا ہے

کہتے ہیں ناز کی لذت کا تو کچھ شکر نہیں
اور مزہ یہ ہے کہ نام اُس کا جفا رکھا ہے

ہیں تمھارے ہی تو جلوے کے کرشمے سارے
اسکو کیا تکتے ہو آئینے میں کیا رکھا ہے

یاد آتا ہوں کبھی میں تو پہن لیتے ہیں
ایک جوڑا مرے پھولوں میں بسا رکھا ہے

ہیں تغافل میں بھی سرگرمِ ستم وہ آنکھیں
آپ تو سوتے ہیں فتنوں کو جگا رکھا ہے

ناز سے وار کیا اُسنے یہ کہکر مجھ سے
لے یہ خنجر بھی ترے دم کو لگا رکھا ہے

حشر پر قامتِ جاناں کا ہی جلوہ موقوف
اس قیامت کو قیامت پہ اٹھا رکھا ہے

جان بھی ہجر میں دیدیتے مگر ہم نے امیر
کسی موقع کے لیے اِسکو لگا رکھا ہے

قاتل ابھی سوار بھی گھر سے نہیں ہوا
کشتوں کا ڈھیر چار طرف رہگزر میں ہے

رکھتا نہیں زمیں پہ مارے خوشی کے پاؤں
شاید جواب خط ظفر نامہ بر میں ہے

آنکھوں کے نیچے پھرتی ہے تصویر یار کی
پتلی سی اک بندھی ہوئی تارِ نظر میں ہے

قاصد کو ہاتھ داغ کے بھیجا ہے یار نے
خط کی نہیں رسید کفِ نامہ بر میں ہے

آجاؤ تیغ باندھ کے پھر سیر دیکھ لو
میرے گلے پہ ہے کہ تمہاری کمر میں ہے

آئینہ سامنے آتا ہے عوض لینے کو
ہوشیار او مرے دیوانہ بنانے والے

ہم جو پہنچے تو قیامت میں ہوا غل آئے
دھجیاں دامنِ محشر کی اڑانے والے

جامِ مے کاتبِ اعمال کو بھی دے ساقی
دو بزرگ آ رہے ہیں ساتھ اگلے زمانے والے

بولے حسرت سے وہ تابوت کو کاندھا دیکر
بوجھ اٹھواتے ہیں اب ناز اٹھانے والے

لاش پر میری وہ آئے تو نزاکت نے کہا
کہ یہ کاندھے نہیں تابوت اٹھانے والے

اپنے آئینے سے وہ پوچھتے ہیں کون ہو تم
میری تصویر کو سینے سے لگانے والے

کیسی راہِ عدم آباد ہے ہموار امیر
چین سے سوتے چلے جاتے ہیں جانے والے

دمِ اخیر تو ظالم ذرا نگاہ ملے
کچھ اس غریب مسافر کو زادِ راہ ملے

فنا جو قبلِ فنا ہو بقا کی راہ ملے
یہ قلعہ وہ ہے جہاں موت سے پناہ ملے

میں ہوں وہ گوشہ نشیں جا کے دیر کے در پر
پکارتا ہوں کوئی بت خدا کی راہ ملے

ہزاروں وعدے کیے پر کی دعا اکدن
فقیر بھی ہیں ہمیں جھوٹوں کے بادشاہ ملے

کرم کرے جو وہ بندہ نواز بندوں پر
بتوں کو ڈھونڈنے نکلیں خدا کی راہ ملے

چلا ہوں دشتِ مصیبت میں چال سوزنکی
قدم قدم پہ مجھے ڈوبنے کو چاہ ملے

سرِ راہِ عدم گورِ غریباں طرفہ بستی ہے
کہیں غربت برستی ہے کہیں حسرت برستی ہے

تری مسجد میں واعظ خاص ہیں اوقات رحمت کے
ہمارے میکدے میں رات دن رحمت برستی ہے

خمارِ نشہ سے نگاہیں انکی کہتی ہیں
یہاں کیا کام تیرا یہ تو متوالوں کی بستی ہے

دمِ مستی مژہ کی اشکباری دیکھ اے ساقی
گھٹا ہلکی سی ہے پر جھوم کر کیا کیا برستی ہے

کبھی کروٹ نہیں لیتا کوئی گورِ غریباں میں
یہ کیسی نیند سوتے ہیں یہ کیسی انکی مستی ہے

چلے نالے ہمارے یہ زبانِ حال سے کہکر
ٹھہر جانا پہونچکر عرش پر ہمت کی پستی ہے

ترے قرباں اے مرگِ غریبی جلد اب لے چل
وطن کے دیکھنے کو روح مدت سے ترستی ہے

نہ شاخِ گل ہی اونچی ہے نہ دیوارِ چمن بلبل
تری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

نہو جو آپ ہی میں اُس سے پھر پاس ادب کیسا
تکلف برطرف ساقی کہ وقت جوشِ مستی ہے

بڑھا اے آہِ رسا اب کنگرے پر عرش کے پہونچی
بلندی کو بلندی جانتا ہمت کی پستی ہے

تری آنکھوں کو کیا تشبیہ دیں ہم چشمِ آہو سے
وہاں شوخی ہی شوخی ہے یہاں شوخی و مستی ہے

نفس کی آمد و شد پر نہ دم بھر زندگانی کا
ارے غافل یہی مقراض ہر رشتۂ ہستی ہے

نئی ترکیب پائی چشمِ بد دور انکی آنکھوں نے
غزالوں کی ہے شوخی نرگسِ شہلا کی مستی ہے

امیر اک تختۂ ہموار ہے یہ شعر کا کوچہ
طبائع کے تفاوت سے بلندی اور پستی ہے

امیر آتی ہے یہ آوازِ ناقوسِ برہمن سے
بتِ پندار کو توڑو جو شوقِ بت پرستی ہے

بلبلو پھولوں سے کیا پوچھتے ہو حالِ چمن
باغ میں یہ تو ہیں دو روز کے رہنے والے

گلفروشوں کا ملے رستہ گل اتنے کھاؤں
وہ پکاریں مجھے او پھولوں کے گہنے والے

منزلِ گور سے دم لیکے بڑھیں گے آگے
ہم مسافر ہیں بڑی دور کے رہنے والے

ہجوِ مے ہو چکی ممبر سے اب اتریں نیچے
رند کچھ حضرتِ واعظ سے ہیں کہنے والے

سادہ سمجھو نہ انھیں رہنے دو دیواں میں امیر
یہی اشعار زبانوں پہ ہیں رہنے والے

چھٹ گئی افشاں جبیں پر کچھ ستارے رہ گئے
آسمانِ حسن پر گنتی کے تارے رہ گئے

تیغ کا پانی پلایا سب کو اوس سفاک نے
تشنہ لب ہم ایک دریا کے کنارے رہ گئے

موت آئے یا وہ آئے یا قیامت ہو امیر
اب یہی دو تین جینے کے سہارے رہ گئے

آنکھ اس کو کھولنی بھی دشوار ہو گئی ہے
چلئے چمن میں نرگس بیمار ہو گئی ہے

جس نے لکھا ہے نامہ اس عالم آشنا کو
جانے کو جان میری تیار ہو گئی ہے

ہم تم چمن میں چلکر جب چار دن رہے ہیں
بلبل میں اور گل میں تکرار ہو گئی ہے

سب کی نظر میں ہیں وہ گو دل میں ہیں ہمارے
خلوت کی کوٹھری بھی بازار ہو گئی ہے

انگور میں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں
جس دن سے کھنچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

نرگس بیاں ہوئی ہے بلبل یہ صفِ گل میں
پتی گلاب کی اب [illegible] ہو گئی ہے

جلوہ گر یار [illegible] عام میں ہے
جب بلاتا ہوں میں سنتا ہوں قضا کام میں ہے

دور جاری رہے ہر وقت مئے گلگوں کا
پڑھ لے ساقی یہی تحریر خطِ جام میں ہے

نہ ہوا نالۂ مظلوم سے ظالم بیدار
پھونک چکا صور یہ مردہ ابھی آرام میں ہے

آنکھ خالی نہ دکھا لطف بھی کر اے ساقی
جام ہی جام ہے یا مے بھی کہیں جام میں ہے

الفتِ پنجتنِ پاک سے دل ہے معمور
پانچ میخانوں کی مے ایک مرے جام میں ہے

روز کی وعدہ خلافی ہے ترا وعدہ بھی کیا
رات دن میری طرح گردشِ ایام میں ہے

نام کا نام تخلص کا تخلص ہے امیر
یہ بڑا حسن خدا داد مرے نام میں ہے

غضب کی عشوہ گری سے رو خشمگیں میں رہی
کرشمہ بن کے شکن یار کی جبیں میں رہی

تری شبیہ میں کی صرف اس قدر لطافت
سکت نہ پھر قلم صورت آفریں میں رہی

گھٹا عتاب تو پہنا لباس آرایش
جبیں سے چین جو اتری تو آستیں میں رہی

عجب رسائی قسمت ہوا ہے حنا تیری
چمن جو چھوٹ گیا دست نازنیں میں رہی

تنگ آ کر ترے بیمار نے بیتابی میں
جب مسیحا کو پکارا ہے اجل آئی ہے

موت کو ہم جو حیات ابدی سمجھے ہیں
ملک الموت کو بھی ناز مسیحائی ہے

بیکسی پھرتی ہے قمری کی طرح گرد امیر
سرو آزاد مرا مصرع تنہائی ہے

او بندہ بت دیکھ خدا اور ہی کچھ ہے
بت پردہ میں پردے میں چھپا اور ہی کچھ ہے

آغاز جوانی میں ادا اور ہی کچھ ہے
اٹھتی ہوئی کونپل میں مزا اور ہی کچھ ہے

قاصد یہ زباں اسکی بیاں اسکا نہیں ہے
دھوکا ہے تجھے اسنے کہا اور ہی کچھ ہے

کہتے ہو کہ ہم درد کسی کا نہیں سنتے
میں نے تو رقیبوں سے سنا اور ہی کچھ ہے

ہم مر بھی گئے مر کے ہوئے خاک بھی لیکن
ظالم یہی کہتا ہے وفا اور ہی کچھ ہے

عادت تو امیر اچھی ہے فریاد و دعا کی
پر شیوہ تسلیم و رضا اور ہی کچھ ہے

ہم مر گئے آ لینے کی جو ان کے خبر آئی
افسوس اجل چار قدم پیشتر آئی

کہئے جو چاہے مسجد میں جناب واعظ
آپ سے ہم سے تو میخانے میں حضرت ہوگی

بے سبب نفس کشی کیا فقرا کرتے ہیں / ترکِ لذت میں بھی انکو کوئی لذت ہوگی

دستِ معشوق کے ہیں جیب و گریباں مشتاق / ای جنوں ہیں ترے ہاتھوں نہیں پھٹنے والے

جو نازک طبع ہیں محفوظ ہیں قہرِ الٰہی سے / کبھی چھالے حبابوں کے نہ ٹوٹے خار ماہی سے

وہ خوش ہنگامِ آرائش ہیں اپنی کج کلاہی سے / لرزتا ہے مرا دل ٹوٹنے کی بدنگاہی سے

وہ مجرم ہوں گنہ کا عذر بھی ہو ہی نہیں سکتا / کہ رحمت اسکی شرماتی ہے میری عذر خواہی سے

مرا دل او ستمگر چلتے چلتے کر دیا چھلنی / لگائیں برچھیاں مڑ مڑ کے کیا کیا کج نگاہی سے

الٰہی وہ بھی دن آئے کہ وہ بت مجکو بلوائے / کہوں میں ایک دم فرصت نہیں یادِ الٰہی سے

رتبہ شہیدِ عشق کا گر جان جائیے / قربان ہونے والے پہ قربان جائیے

خنجر کمر سے کھینچ کے گردن پہ رکھدیا / اور بولے اب تو کھ ترے قربان جائیے

اچھا ہوا کہ حضرتِ دل واں دھرے گئے / کس نے کہا تھا انکے نگہبان جائیے

جیسا ہو دیس بھیس بھی ویسا ہی چاہیے / جنگل کو چاک کر کے گریبان جائیے

اس بانکپن سے قتل ہوا ہیں کہ کہہ اٹھے / ایسا ہو جان نثار تو قربان جائیے

یہ رشک بد بلا ہے دمِ رخصتِ حبیب / کیونکر کہوں خدا کے نگہبان جائیے

جانے کو منع میں نہیں کرتا مگر حضور / دل سے مرے نکال کے ارمان جائیے

کیا ہند میں کمی ہے معشوق کی امیر / شیراز جائیے نہ خراسان جائیے

کس قدر زار ہے عاشق تیرا — رنگ کے ساتھ اُڑا جاتا ہے
سر بکف میں ہوں وہ شمشیر بکف — فیصلہ آج ہوا جاتا ہے
دل لگی سمجھے ہو دل کا آنا — جان جاتی ہے جب آجاتا ہے

قتل میں کس لیے ہے اب تاخیر — آپ موجود بندہ حاضر ہے
چشمِ پرخوں کے دیکھنے سے امیر — دل کا جو رنگ ہے وہ ظاہر ہے

یوں آنسوؤں سے ہے دلِ مضطر کی خرابی — برسات میں ہو جیسے کسی گھر کی خرابی
ہر چند کہ ہو صاف سخن لاف ہے بیجا — ہوتی ہے گرج جانے سے گوہر کی خرابی

ساقی ہو برق سے کہیں شیشے سے جلوہ گر — گلشن پہ کیا سیاہ ہیں بادل گھرے ہوئے

ہاتھ طوقِ گردنِ مینا کیے — میکدے میں ہم مزے لوٹا کیے
ہم وہ میکش تھے کہ پی جب تک شراب — دامنِ قاضی سے منہ پونچھا کیے
حضرتِ ناصح یہاں آئے تھے آج — دیر تک کچھ بیٹھے جھک مارا کیے
آئینے کو تم نے دکھلایا جمال — ہم کنارے بیٹھے منہ دیکھا کیے
سنگھے جب داغِ دل بولا وہ گل — پھول جو ہم نے دیے تھے کیا کیے
دختِ رز آئی ہمارے ہاں امیر — اور میکش دور سے تاکا کیے

ہما یا

نیمجاں چھوڑی ہوی مقتل سی جاتا ہی وہ شوخ　　ای نگاہِ یاس یہ تیرے اثر کا وقت ہے

صبا کو یہ کیا موج آج آگئی　　کہ پھولوں سے تربت مری چھاگئی
نئی چشمِ ساقی کو موج آگئی　　مری عمر کا جام چھلکا گئی
جہاں سے مجھے لائی تھی میری عمر　　وہیں سیر دکھلا کے پہنچا گئی
خدا جانے وہ تیغ کیا وقتِ قتل　　گلے مل کے بسمل کو سمجھا گئی
مرے عشق کی وجہ ناصح نہ پوچھ　　طبیعت ہی تو ہے ادھر آگئی
اُدھر شرم ادھر توبہ ٹوٹی امیر　　شکست آج دونوں طرف آگئی

کہیں یہ بھی نہ چھپ جائے نظر سے　　نزاکت لپٹی جاتی ہے کمر سے
نہ آیا تیر جب کوئی اُدھر سے　　لپٹ کر خوب رویا دل جگر سے
تڑپنے کا مزہ جی بھر کے لیلوں　　ذرا تھم تھم کے درد اُٹھے جگر سے
مبارک تجھکو اے شوقِ شہادت　　وہ لی تلوار قاتل نے کمر سے
ستم ہے تیر سے ہوتے آب پیکاں　　مرا دل بوند بھر پانی کو ترسے
ہجومِ آرزو ہے وقت آخر　　پتنگے لپٹے ہیں شمعِ سحر سے
ذرا ٹھہرو ابھی جوڑا نہ کھولو　　نزاکت پوچھ لے پہلے کمر سے
امیر اُس وقت لگ کر لے چلا ہے　　لپٹ کر خود مرا دامن کمر سے

رُکا خنجر جو دستِ نازنیں سے　　چھری جھنجھلا کے لی چینِ جبیں سے

حذر مے سے مسلّم اور جو واعظ — ملے دستِ بتانِ نازنیں سے
یہ کس کا آستانہ ہے کہ سجدے — گرے پڑتے ہیں آغوشِ جبیں سے
جفائے آسماں کی داستانیں — سنو گورِ غریباں کی زمیں سے
چڑھاؤ تیوریاں تم آئنے پر — تمھارے ناز اٹھیں گے تمھیں سے
اجل بھی کھنچ اٹھی ہم نے دمِ نزع — وہ چٹکی لی نگاہِ واپسیں سے

رہِ عشق میں جس جگہ گر پڑا میں — کہا ضعف نے تیری منزل یہی ہے
مرے دل کو ٹھکرا کے مجھ سے وہ بولے — بڑی دھوم جسکی تھی وہ دل یہی ہے
عدو کو میں اس بزم سے تو اٹھا دوں — جگہ اسکے دل میں ہے مشکل یہی ہے
امیر اس کرم پر میں صدقے کہ اُٹھے — کہا میری رحمت کے قابل یہی ہے

یہ کس بیدرد کس ظالم پہ اپنا دم نکلتا ہے — یہ رہ رہ کر کلیجا چٹکیوں سے کون ملتا ہے
ذرا سی جان ہے پر دل جگر پروانہ کا دیکھو — کہ جلتی آگ میں کس شوق سے گر گر کے جلتا ہے
خرامِ ناز پر اُنکے گریباں چاک کرتا ہوں — کسی کے پاؤں چلتے ہیں کسی کا ہاتھ چلتا ہے
جو کہتا ہوں کہ میرا دم نکلتا ہے تو کہتے ہیں — ہمارے وصل کا ارمان تو یونہی نکلتا ہے
سزا قاضی کی کیا چھڑوا سکی مستوں سے میخواری — قلم جب باغباں کرتا ہے انگور اور پھلتا ہے

زاہدوں کی توبہ ٹوٹی لڑکھڑایا پائے شیخ — کچھ عجب مستانہ رُت ہے ساقیا برسات کی
ہجر میں سب بیمزہ ہے وصل میں سب بامزہ — فصل گرمی کی ہو یا جاڑے کی یا برسات کی

ہم دل جلے گئے تو جہنم پکار اُٹھا
یارب سزا ملی یہ مجھے کس گناہ کی

کس کی سواری آتی ہے صحرا میں اے جنوں
اُٹھ اُٹھ کے رقص کرتی ہے کیوں گرد راہ کی

ہم پر کسی نے لطف کیا یا ستم امیر
ہم نے اسی کی شانِ کرم پر نگاہ کی

پوچھتا کیا ہے کہاں دل جگر اے جان گئے
جاتے کمبخت کہاں سب ترے قربان گئے

کیا کہیں دل ہی کہاں وصل میں ارماں گئے
ناز کے صدقے تو انداز کے قربان گئے

قاضی و محتسبِ شہر سدھارے حج کو
میکشو خوب پیو حلق کے دربان گئے

حق شناسی کی حقیقت کو انھیں نے جانا
اے امیر اپنی حقیقت کو جو پہچان گئے

خود ترے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسہ لیلو
اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کیسی

کیاریاں پھولوں کی دیکھیں جو کبھی گلشن میں
یاد آئی مجھے احباب کی صحبت کیسی

درد اُٹھ اُٹھ کے تہہِ خاک جو تڑپاتا ہے
بیٹھی ہے مجھکو دبا کر مری تربت کیسی

ناوکِ ناز کی آمد جو کہیں سن لی ہے
دل میں گھبرائی ہوئی پھرتی ہے حسرت کیسی

دیکھ غفلت میں جوانی کو نہ کھو
عمر بھر میں اک یہی تو رات ہے

بوتلوں سے راتدن ڈھلتی ہے مے
یہ نئی بدلی نئی برسات ہے

ہے توکل پر گزر اپنی امیر
اُسکے در کی بھیک پر اوقات ہے

دکھلا کے اک جھلک جو وہ روپوش ہوگئے
کیا کیا خیال خوابِ فراموش ہوگئے

بوسے لئے جو زلف کے مستی ہیں تو کہا
مے پیتے پیتے تم تو بلا نوش ہوگئے

دفتر گرا اِدھر تو اُدھر کاتبِ عمل
تڑپے ہم اسقدر کہ سبکدوش ہوگئے

کاندھا ابھی جنازے کو دینا ہی جان من
کب کاٹ کر سر آپ سبکدوش ہوگئے

افسردہ داغِ دل ہوئے پیری ہیں کیا امیر
گویا چراغِ صبح کو خاموش ہوگئے

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

تری بانکی چتون نے چُن چُن کے مارے
نکیلے سجیلے جواں کیسے کیسے

ہزاروں برس کی ہے بڑھیا یہ دنیا
مگر تاکتی ہے جواں کیسے کیسے

اٹھائے ہیں مجنوں نے لیلی کی خاطر
شُترِ غمزۂ ساریاں کیسے کیسے

جہاں چھیڑنے پر وہ باتوں میں آئے
چلی لب سے نشتر زباں کیسے کیسے

کہیں قتل پر عشق میں خاتمہ ہے
ابھی دینے ہیں امتحاں کیسے کیسے

لٹکائے کیوں گئے ہیں گیسو سنہرا ہوئی
گیسو تو خود بلا تھے انھیں کیا بلا ہوئی

موجود آکے وصل میں بھی تو حیا ہوئی
اک جان کا عذاب ہوئی شرم کیا ہوئی

رحم آ گیا کریم کو محتاج دیکھ کر
حاجت ہی اس غریب کی حاجت روا ہوئی

اک عمر ہو گئی شبِ فرقت کو میرے گھر
اب بھی جو ابتدا ہے تو بس انتہا ہوئی

دیکھا نگاہِ گرم سے آج اس نے غیر کو
مقبول بس جلے ہوئے دل کی دعا ہوئی

آئینہ عاشقوں سے سوا ہے ستم نصیب
پہلے اسی غریب پہ مشق ادا ہوئی

گھبرا رہے ہو حشر میں کیوں اسقدر امیر
اتنی ہی سی تو بات ہے کہ مدد خطا ہوئی

بخشا امیر روزِ ازل ہی کریم نے
یاں پہلے مغفرت ہوئی پیچھے خطا ہوئی

اچھے علی ہو مریضوں کا خیال اچھا ہے
ہم مرے جاتے ہیں تم کہتے ہو حال اچھا ہے

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

دیکھ لے بلبل و پروانہ کی بیتابی کو
ہجر اچھا نہ حسینوں کا وصال اچھا ہے

راتیں اچھی ہیں دن اچھے ہیں مہینے اچھے
اچھے معشوق سے صحبت ہو تو سال اچھا ہے

دونوں آئینے ہیں اکہیں ہی رقیب اپنی جلیب
خوابِ معشوق سے عاشق کا خیال اچھا ہے

آنکھیں دکھلاتے ہو جوبن تو دکھاؤ صاحب
وہ الگ باندھ کے رکھا ہی جو مال اچھا ہے

ماہِ کامل مہِ نو دونوں حسین ہیں لیکن
اک ذرا آن جو ہی کم اس سے ہلال اچھا ہے

روز آتا ہے مرے دل کو تسلی دینے
تجھ سے اے دشمنِ جاں تیرا خیال اچھا ہے

ناز کو جان کی ہے تاک ادا کو دل کی
دونوں خوش فکر ہیں دونوں کا خیال اچھا ہے

گرمیِ شوق یہ کہتی ہے چلو دیکھیں تو
سنتے ہیں طور پہ بھی ایک نہال اچھا ہے

برق اگر گرمیِ رفتار میں اچھی ہے امیر
گرمیِ حسن میں وہ برقِ جمال اچھا ہے

ساقیا جاتے ہیں پیاسے ترے میخانے سے
گھونٹ دو گھونٹ چھلکتے ہوئے پیمانے سے

رازِ میخانہ کے باہر نہ ہوں میخانے سے
محتسب چھین نہ لے خط کہیں پیمانے سے

رقص کرنے لگا دم بھر میں چھلک کر ساقی
کہہ دیا جھک کے یہ کیا شیشے نے پیمانے سے

وہ تو معشوق ہی تڑپانے میں ملتا ہے مزہ
دردِ دل مجھکو ملا کیا مرے تڑپانے سے

کہتے ہیں وصل میں دیکھے کوئی چھل پھر انکی
بڑے ہوشیار ہیں جو پھرتے ہیں کو آنے سے

میرے غمخوار جو گھبرے ہیں انھیں میں کیا دوں
غم مرے پاس بچے بھی جو مرے کھانے سے

زاہد و وعظ کی مجلس سے کسے ہے انکار
تم چلو پی کے میں آیا ابھی میخانے سے

شمع سے کتنے ہی اک ساتھ لپٹ جاتے ہیں
رشک مطلق نہیں پروانے کو پروانے سے

ساقیا دخترِ رز بھی ہے عجب مشاطہ
آ کے شیشے کو ملا دیتی ہے پیمانے سے

کی تھی ہم چشموں میں تعریف تری شوخی کی
آنکھ نیچی ہوئی میری ترے شرمانے سے

خوب جی بھر کے تصور کا ترے موقع ہے
میں بہت خوش ہوں شبِ ہجر کے بڑھ جانے سے

زیست کا لطف تو یاروں ہی کی دم تک ہے امیر
بیٹھ جاتا ہے دل احباب کے اٹھ جانے سے

ذکر کس دلِ وحشی نے کیا ہے کہ امیر
وہی آواز چلی آتی ہے ویرانے سے

جب آنکھ اس شاہِ خوباں پر پڑی ہے
نگہ تقدیر بن بن کر لڑی ہے

مسی پر چھوٹ افشاں کی پڑی ہے
کنی ہیرے کی نیلم میں جڑی ہے

نظر کس چشمِ فتاں سے لڑی ہے
کہ آنکھوں کو لئے نرگس پڑی ہے

زمانے بھر کی آنکھ اس سے لڑی ہے
جدھر دیکھو یہی آفت پڑی ہے

شبِ غم مجھ سے بیٹھا جائے کیونکر
تری تصویر تو آگے کھڑی ہے

کلی کو باغ میں چھیڑا ہے کس نے
صبا یہ منہ لپیٹے کیوں پڑی ہے

بہت جلدی نہ کر قاتل دمِ ذبح
یہی تو حاصلِ عمر اک گھڑی ہے

نہیں رکتی چلی جاتی ہے دن رات
مری عمرِ رواں بھی اک گھڑی ہے

فلک کو پھونکتی ہے آہ دل کی
ذرا سی شمع لو اتنی بڑی ہے

ملا کر خاک میں آئے ہو کس کو
یہ کیسی گرد دامن پر پڑی ہے

نگاہِ ناز ہوتی ہے برآمد
سلامی کو صفِ مژگاں کھڑی ہے

اجل آئی ہے نذر اُس کے کریں کیا
ہماری جان تو تم میں پڑی ہے

تمہارے لب ہیں باغِ حسن کے پھول
تبسم اُنکی نازک پنکھڑی ہے

وہ بیٹھے ہیں مگر تیوری چڑھائے
مسیحا پاس - اجل سر پر کھڑی ہے

گرے ہیں جو لگن میں شمع سے پھول
پرِ پروانہ اُن کی پنکھڑی ہے

گرہ بندِ قبا کی کھل رہیگی
وہ کھولو جو گرہ دل میں پڑی ہے

مری میت کو ٹھکرا کر وہ بولے
کہاں کی نیند تم کو پھٹ پڑی ہے

زباں دی بہرِ وصل اور خود ہی بولے
میں سچ کہتا ہوں یہ جھوٹی بڑی ہے

نہیں پلکوں کی اوجھل ہیں وہ پتلی
دُلہن چلمن میں شرمائی کھڑی ہے

ادا قاتل ہے الزام اُسکے سر پر
قضا کیا مفت میں ماری پڑی ہے

تڑپتے ہیں جب دہانِ زخمِ بسمل
تو اک تلوار اور اُسپے جڑی ہے

آ گئے آگے فتنۂ محشر چلے
چال قاتل کی اگر خنجر چلے

لالے کے مانند ہم اس باغ میں — داغ لینے آئے تھے لیکر چلے
کوئے قاتل میں گزر آساں نہیں — آدمی تلوار پر کیونکر چلے
چھپکے اس کوچے میں راتوں کو گئے — اپنے سائے سے بھی ہم بچکر چلے
یہ ملی کس جرم پر دم کو سزا — حکم ہے دن بھر چلے شب بھر چلے
جرم اپنا موج کی تقصیر کیا — کیوں حباب اتنا اٹھا کر سر چلے
گل گیا آخر تہ تربت کفن — ایک جوڑا حشر تک کیونکر چلے
ضعف اس کوچے میں کہتا ہی امیر — بیٹھے صاحب کہاں اٹھ کر چلے

رہتے کیا دنیا میں آئے تھے امیر
سیر کرلی اور اپنے گھر چلے

تری صورت کچھ ایسی کلک قدرت سے حسیں نکلی — کہ اسکی ہر ادا سے شان صورت آفریں نکلی
وفا کی داد دینے میں بھی شرمیلی دلہن ہیں — دلہن پردے ہی سے نکلی یا زباں سے آفریں نکلی
ہوا دیدار اس کا خواب میں باتیں تصور میں — کوئی حسرت کہیں نکلی کوئی حسرت کہیں نکلی
عجب لذت بھرے ہاتھوں سے قاتل نے کیا زخمی — کہ منہ سے اف نکلنے کی جگہ بھی آفریں نکلی
تن بیجاں کو زیر خاک کیا دھر دھر کے پیستا ہے — ستم کرنے میں استاد آسماں کی بھی زمیں نکلی
شریک حال عاشق بیکسی میں کون ہوتا ہے — جو نکلی بھی تو کچھ دل سوز آہ آتشیں نکلی

خبر ہے نعش پہ کس بیوفا کے آنے کی — کہ جان ابھی سے ہے مشتاق جا کے آنے کی
نکالتے ہیں وہ مانگ اور دل یہ کہتا ہے — نکل رہی ہے سڑک یہ بلا کے آنے کی

شبِ وصال میں اس شوخ کو پلا کے شراب — میں راہ میں روک رہا ہوں حیا کے آنے کی

گھٹا میں برق جو چمکی تو یاد آئی امیرؔ
ادا کسی کے وہ پردہ اٹھا کے آنے کی

یہ آتا ہے جی میں کہ کوثر پہ چلیے — خرابات میں دور کی سوجھتی ہے

یہاں تو مری جان پر بن رہی ہے — تمہیں جانِ من دل لگی سوجھتی ہے

برا دخترِ رز کو کہے کیوں نہ واعظ — برے کو بھلی بھی بری سوجھتی ہے

بری ہو نہ قسمت الٰہی کسی کی — کہ جو سوجھتی ہے بری سوجھتی ہے

جو کہتا ہوں ان سے کہ آنکھیں ملاؤ — تو کہتے ہیں تم کو یہی سوجھتی ہے

امیرؔ ایسے ویسے تو مضموں ہیں لاکھوں
نئی بات کوئی کبھی سوجھتی ہے

جوہرِ انتخاب

گوہر انتخاب کیطرح یہ بھی افراد کا ایک مختصر مجموعہ ہے مگر گوہر انتخاب سے بہت کم ہے۔ کل دو سو چوراسی شعر ہیں۔ صنمخانۂ عشق کے آخر میں مثل ضمیمہ کے چھپا ہے۔ ایک ایک شعر فصاحت کی تصویر اور بلاغت کی جان ہے۔ زبان کی شیرینی بیان میں نہیں آسکتی۔ میری رائے میں جس شاعر کے خزانۂ تصنیف میں صرف جوہر انتخاب ہو وہ زبان اردو کا سحبانِ وائل ہونے کا دعوے کر سکتا ہے اور کوئی اسکی تردید نہیں کر سکتا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہاتھ رکھکر مرے سینے پہ جگر تھام لیا
تم نے اسوقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا

وحشت میں کہاں اب کوئی ہمپایہ ہے میرا
سب چل دیئے ہمزاد ہے یا سایہ ہے میرا

راہ بتلا دی عدم کی خضرِ منزل ملگیا
گھر سے اچھے وقت نکلے تھے کہ قاتل ملگیا

کیف حاصل ہو گئے واعظ نہ میخواری کا
مستیٔ عشق ترا کام ہے ہشیاری کا

جا کر دوست وہ ہوئے شاکی
چاہیے شکر اس شکایت کا

لے گئے مسجد سے مجھکو مغبچے
توبہ توبہ میں پکارا ہی کیا

بستر خواب کو دیکھو کہ ہے ٹکڑی ٹکڑی
حال کیا پوچھتے ہو ہجر کی بیتابی کا

قبر کھودی تو مگر ایسے تری وحشت سے ڈرا
اپنی چادر بھی یہیں دزدِ کفن چھوڑ گیا

خط وطن کو لئے جاتا ہے تو لیجا قاصد
پر مرا حال نہ یارانِ وطن سے کہنا

مجھ سے بیکس کے پاس رہتا ہے
کتنا مسکین نواز ہے غم دوست

دیکھا کر دو جہاں میں ہے ذاتِ الٰہ ایک
دو آنکھیں جس طرح کہ ہیں انہیں نگاہ ایک

ہے قصد شبِ غم میں کریں دل سے باتیں
پھر کہتے ہیں دیوانے سے کیا بات کریں ہم

دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا
نہ ہوئی پر نہ ہوئی گردشِ ایام تمام

دن نہاں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
رنگ گئی ایک نہیں ہاں کا کہیں نام نہیں

دیکھنے کو تمہیں اے اہلِ عدم آتے ہیں
خیر اگر تم نہیں آتے ہو تو ہم آتے ہیں

ہر چند نہیں وصال ممکن
وہ چاہے تو ہے محال ممکن

کھا کے تلوار جو قاتل کی فغاں کرتا ہوں
لذّتِ زخم رقیبوں سے نہاں کرتا ہوں

کوئے جاناں سے میں کب جاتا ہوں
کبھی وہ دن تھے کہ خورشید تھا میں
ہجومِ رنج ہے اس کا خیال کچھ بھی نہیں
دل بھی ہے انتظارِ یار میں گم
بعدِ مرگ آئے ہیں وہ تربت پر

روز کہتا ہوں کہ اب جاتا ہوں
اب تو سائے سے بھی دب جاتا ہوں
ملال یہ ہے کہ اُن کو ملال کچھ بھی نہیں
اب کہو کس کا انتظار کروں
اب کہاں جان جو نثار کروں

کیوں کہوں اُن سے کہ چھوڑ دو شیوۂ جور و ستم
ترکِ عادت سے ہے عداوت میں کوئی دشمن نہیں

اُس کوچے میں کچھ رہرووں کے نقشِ قدم ہیں
کچھ طالبِ دیدار بچھا آئے ہیں آنکھیں

کہاں کوئی محرم کہوں کس سے غم
کہ غم کے سوا کوئی محرم نہیں

ٹھہر ٹھہر کے ذرا ایلچو مرا تابوت — کہاں امید کہ پھر آؤں کوئے قاتل میں

تیرے وعدہ پہ شاد ہوں کیونکر — اپنی قسمت کو جانتا ہوں میں

فقط دو ہاتھ سبو ہے ایک میں جام ایک میں شیشہ
کہاں وہ ہاتھ ہے اب جو پڑے ساقی کی گردن میں

جان دی تب ملی مجھے راحت — موت سے کچھ میں شرمسار نہیں

آہ کرنے پہ کیوں بگڑتے ہو — تم تو صاحب ہوا سے لڑتے ہو

نہیں گھیرا ہے پلکوں نے یہ چشم مست دلبر کو
لیا ہے دونوں ہاتھوں سے کسی میکش نے ساغر کو

منکر گوشہ نشینان خرابات نہ ہو — کہ یہی گوشہ کہیں قبلہ حاجات نہ ہو

پہلے زلفوں کو سنگھا کر مجھے بے ہوش کرو
پھر مرے سینے سے تم تیر کا پیکاں کھینچو

سناؤں کیا انہیں نالے ہیں اپنے راتوں کو
وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں ایسی باتوں کو

آپ تو دیکھتے چلتے ہیں وہ جوبن اپنا — دیکھتا میں ہوں تو کہتے ہیں کہ کیا دیکھتے ہو

دیکھیے کہاں تھے ایسے حسینوں کے جھمگھٹے — محشر کا روز اور الٰہی دراز ہو

ٹالتے ہیں روز وہ پر دل مرا مضطر ہے — آج کل کب تک کریں گے کیا قیامت دور ہے

ہے دختِ رز حلال تجھے کیا تمیز ہے — واعظ یہ زر خرید ہماری کنیز ہے

دل چرایا ہے مرا پر وہ خجل کتنا ہے — فق ہوا جاتا ہے منہ چور کا دل کتنا ہے

وہ دوپہر کو گھر سے ہمارے نکل گئے — ہم دن ڈھلا تو گور کے سانچے میں ڈھل گئے

جاری ہے لین دین یہ رسمِ زمانہ ہے — دریا کا ابر ابر کا دریا خزانہ ہے

وہ ہم نازک دلوں کو آنکھ دکھلائے تو کیا گزرے
دکانِ شیشہ گر میں مست آجائے تو کیا گزرے

میرے گھر ہے قصد آنیکا تو آؤ ناز سے — پر ذرا چھپ کر سپہرِ تفرقہ پرداز سے

بتوں کی روش کوئی کیا جانتا ہے — بڑے بے وفا ہیں خدا جانتا ہے

ترستے ہیں زندگی یہ عنایت خدا کی ہے — آگے جو کچھ کہوں تو شکایت خدا کی ہے

اسلئے در پہ صدا دیتا ہوں میں — بول اُٹھے شاید وہ اپنا کون ہے

جینا بھی دل جلوں کو تمہارے حمات ہے — اخگر کو موت قطرۂ آبِ حیات ہے

نشۂ مے نے کر دیا اندھا — خاک سوجھے رہِ صواب مجھے

پسند آئی نہ دستِ جنوں کی بیکاری — جنوں میں اس لئے پھاڑا ہے پیرہن ہمنے

ہم بتوں سے امیدوارِ کرم — کارخانے ہیں اُسکی قدرت کے

عجب دلچسپ نقشہ عالمِ ایجاد رکھتا ہے — جو آنکھیں دیکھ لیتی ہیں اُسے دل یاد رکھتا ہے

نہ یہ ساعد نہ یہ بازو نہ یہ آنکھیں نہ یہ ابرو
فقط تیرا سا قد ہے اور کیا شمشاد رکھتا ہے

دل دیے آرزو بھی دی تو ہے لطف — یوں تو سب کچھ دیا خدا نے مجھے

دے کہیں حکم نہ وہ گھر سے نکلوانے کا — بیخودی جلد مجھے آپ سے باہر کر دے

دیت کے واسطے محشر میں کب ہوں دامنگیر
مجھے تو دوست ہے منظور اپنے قاتل کی

کون جاتا ہے کہیں بے مطلب — جان لینے کو اجل آتی ہے

اک دن مرے گھر ماہِ محرم میں تو آ دُ
اب مہندی لگانیکا بہانہ تو نہیں ہے

مجھے جب دُور سے دیکھا وہ بولے
کوئی ناوک فگن ہے یا نہیں ہے

قدر مرنے کی ہم سمجھتے ہیں
صدمے جھیلے ہیں زندگانی کے

پُرزے خط کے ہیں دست قاصد میں
ایک کیا سو جواب لایا ہے

شبِ فرقت تو ابد تک نہیں ہونے کی تمام
تیرے عشاق کو اندیشۂ فردا کیا ہے

میں ہر اک سے جو خطا اپنی بیاں کرتا ہوں
ہے یہ مطلب کہ اُسے کوئی ستمگر نہ کہے

دشمنوں کا شکوہ کرتے ہیں حضورِ دوستاں
دوست جب دشمن ہو پھر کس سے شکایت کیجئے

وعدۂ وصل نے کیا بیخود
دیکھئے کیا وصال میں گزرے

پوچھو نہ اس زمانے میں اُلفت کا حال کچھ
اک رسم تھی قدیم سو موقوف ہو گئی

خوشا تقدیرِ بلبل پیشِ گُل کہتی ہے حال اپنا
نہ قاصد کی ضرورت ہے نہ حاجت ہی کبوتر کی

مُشتاق ستم ہوگا نہ مجھسا کوئی بسمل
ہر زخم کی قاتل کی طرف آنکھ لگی ہے

چمن اشکِ مجنوں سے سینچا ہے شاید
کہ سنبل میں گیسوے لیلیٰ کی بو ہے

خواب میں آئے تھے وہ خنجر کے ساتھ
کھل گئی میری آنکھ خیر ہوئی

تکلیف ہی پر شکر گدا کو ہے مناسب
شاہوں کیطرح کچھ غم عالم تو نہیں ہے

محامد خاتم النبیین

یہ حضرت امیرؔ کا نعتیہ دیوان ہے۔ نعت گوئی میں وہ آزادی کہاں جو عاشقانہ تغزل میں ہوتی ہے۔ باوجود اس کے حضرت امیرؔ کا نعتیہ کلام بہت رنگین و بامزہ ہے۔ جو شخص اِن اشعار کو سنتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ عاشقِ رسول کا کلام ہے۔ اور محافلِ میلاد و سماع میں اس کلام سے بڑی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو یہ شاعری دراصل امیرؔ کی جگرکشیِ خاطر ہے۔

مولانا غلام امام شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نعت بھی عشق میں ڈوبی ہوئی ہے لیکن امیرؔ کی نعت میں عشق کے ساتھ متانت اور فصاحت و بلاغت کا زیادہ لطف ہے۔ اور قوتِ گویائی مصرع مصرع سے نمایاں ہے تھوڑے سے اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

مژدہ اے امت کہ ختم المرسلیں پیدا ہوا ۔ انتخابِ صنعِ عالم آفریں پیدا ہوا

نور جس کا قبل خلقت تھا ہوا اُس کا ظہور ۔ رحمت آئی رحمۃ للعالمیں پیدا ہوا

بسکہ رحمت سے ہوا یاقوتِ رمّاں کا ظہور ۔ قلزمِ توحید کا دُرِ ثمیں پیدا ہوا

داغ سینہ میں جو حضرت کی محبت کا پڑا ۔ ہم یہ سمجھے کہ چراغِ شب تربت پایا

بالائے آسمان کہ سر لامکاں نہ تھا
احمد کے حسنِ پاک کا جلوہ کہاں نہ تھا
معراج کے سفر میں ملائک تھے راست و چپ
افسوس میں غبارِ پسِ کارواں نہ تھا
اچھا ہوا کہ اُلفتِ حضرت میں جاں گئی
ان داموں اے امیرؔ یہ سودا گراں نہ تھا

مومن کو عشق سرورِ عالی صفات کا
طوفانِ حشر میں ہے سفینہ نجات کا

یہ بھی حضرت کی محبت کا تصرف ہے امیرؔ
غرق دریا ہوئے دامن نہ ہوا تر اپنا

بیاں کیا ہو شہنشاہِ عرب کی شان و شوکت کا
فلک جس کے درِ دولت پہ نقارہ ہے نوبت کا
دکھاتا ہے تماشہ لختِ دل کیا یادِ عارض میں
مژہ سے گرتے گرتے پھول بنجاتا ہے جنت کا

خلف وہ ہے کرے جو نام روشن جدِ امجد کا
الف احمد کا میم احمد کا دال آدم میں احمد کا
کھچا ایسا پری نقشہ سراپائے محمد کا
کہ نقاشِ ازل نے آپ سایہ رکھ لیا قد کا
اُتر کر عرش سے لیتے ہیں بوسے رات دن قدسی
دیا یا سنگِ در نے تیرے پہلو سنگ اسود کا

شبِ معراج حوروں نے بچھائیں اسقدر آنکھیں
کہ سبزہ نرگستاں ہو گیا چرخِ زبرجد کا

مدینے میں نہ کیونکر لہلہائے سبزۂ جنت
خضر چھڑکاؤ کرتے پھرتے ہیں آبِ زمرد کا

تمنا ہے کہ اک اک بال کی سو سو بلائیں لے
دلِ صد چاک شانہ بن کے گیسوئے محمدؐ کا

قدم سے کیا ہی تیز آئی سواری جانبِ امکاں
نہ پہونچا ساتھ آخر رہگیا سایہ وہیں قد کا

سیہ کارانِ امت اور سب کڑیاں اُٹھالیں گے
الٰہی سلسلہ چھوٹے نہ گیسوئے محمدؐ کا

امیر اُس روضہ پر پہونچوں تو استغنا ہی اوریں ہوں
جو یہ مقصد روا ہو قصد ہے پھر ترک مقصد کا

قابِ قوسین جسکو کہتے ہیں ہے وہ ادنیٰ مقام احمدؐ کا
ہم نے میخانۂ ازل میں امیر پی لیا بھر کے جام احمدؐ کا

کیوں عاملانِ دین کا نہ قایل ہوں میں امیر
یہ لوگ بھی ہیں مظہرِ انوارِ مصطفیٰ

تو اے دلِ وحشت زدہ دیوانہ ہی کس کا | کس شمع پہ قربان ہے پروانہ ہی کس کا
حوروں نے کہا دیکھ کے ملبوسِ اویسی | بخشا ہوا یہ خلعتِ شاہانہ ہی کس کا
کن الجھے ہوئے بالوں کی سلجھانی کی دُھن ہے | یارب دلِ صد چاک مرا شانہ ہی کس کا
دعویٰ جو کرے اُلفتِ محبوبِ خدا کا | یہ حوصلہ اے ہمتِ مردانہ ہی کس کا
حضرت کے جو مستوں کا وہاں دَور نہیں ہے | خورشید چھلکتا ہوا پیمانہ ہے کس کا
ہیں دیدہ و دل دونوں امیر اُس کے ٹھکانے | یہ قصر ہے کس کا وہ جلوخانہ ہی کس کا

جب مدینے کو رواں ہند سے محمل ہوگا | مجھ سے بھی چار قدم آگے مرا دل ہوگا
آپ کے نور کو خالق نے کیا جب پیدا | آئی آواز یہ پیغمبرِ کامل ہوگا
حضرت آتے ہیں دمِ نزع نہ گھبرا تو امیر | ابھی آسان ترا عقدۂ مشکل ہوگا

یہ سوال آخری ہے بندۂ درگاہ کا | خاتمہ بالخیر ہو صدقہ رسول اللہ کا
طوف کرتے کرتے روضے کا چمک اُٹھّی نصیب | گرد پھرتے پھرتے ہالہ بنگیا میں ماہ کا

قطرے کے منہ سے نام جو اُن کا نکل گیا | بادل سے گر کے روئے ہوا پہ سنبھل گیا
لکھا جو وصفِ گیسوئے پیچانِ مصطفےٰ | کچھ مغفرت میں بل جو رہا تھا نکل گیا
حضرت نے جسکے حق میں کہا جو وہی ہوا | کیا اختیار تھا کہ مقدر بدل گیا

میں نے چاہا ہے اُسے جسکو خدا نے چاہا | دل دھڑکتا ہی کہ کیا روزِ قیامت ہوگا

جھونکا جو کوئی آئے مدینے کی ہوا کا — ٹھنڈا ہو کلیجا ترے مشتاقِ لقا کا
بیمار ہوں میں اُلفتِ محبوبِ خدا کا — اس درد میں ملتا ہے مزہ مجھکو دوا کا

خلشِ دردِ محبت میں بڑی لذّت ہے — اور اس درد کو پہلو میں بڑھا دے یارب
غش تری شانِ جلالی سے مجھے آیا ہے — دامنِ شافعِ محشر کی ہوا دے یارب

کیا سناتے ہیں یہ واعظ ہمیں جنّت جنّت — اپنے نزدیک تو ہے روضۂ حضرت جنّت

چل مدینے وقت تونے ہند میں کھویا بہت — رات اب تھوڑی ہے چونک اے بے خبر سویا بہت
جاگتے سوتے اُدھر کی لَو رہے دل کو لگی — پھر نہیں پروا ہے تو جاگا جو کم سویا بہت

کس کے آنے کی فلک پر ہے خبر آجکی رات — آنکھ سورج سے ملاتا ہے قمر آجکی رات
ہے سرِ شام سے رحمت کے فرشتوں کا نزول — لیلۃ القدر ہے عالم میں مگر آجکی رات
حوریں فردوس سے نکلی ہیں نچھاور کرنے — سر پہ رکھے طبقِ لعل و گہر آجکی رات
سر پہ سلطانِ دو عالم کے ہے سایا کرنا — سب ملک بیٹھے ہیں تولے ہوئے پر آجکی رات
روشنی پھیلی ہے خورشیدِ رسالت کی ابھر — میرے گھر شام سے مہمان ہے سحر آجکی رات

وہ دائرہ جسکا کہیں آغاز نہ انجام — نقطہ تھا جو اندر وہی باہر شبِ معراج

اللہ رے پاسِ ادبِ احمدِ مرسل　　جبریل نے آنکھوں سے جگایا شبِ معراج

بازو درِ عرفاں کا ہے بازوئے محمدؐ　　زنجیر اسی دروازے کی گیسوئے محمدؐ
قوسین ہے تفسیرِ دو ابروئے محمدؐ　　کونین تہِ ظلِ دو گیسوئے محمدؐ

ہوں مست مئے الفتِ گیسوئے محمدؐ　　ڈوروں کی جگہ آنکھوں میں ہیں موئے محمدؐ
دل میں ہے خیالِ رخِ نیکوئے محمدؐ　　اللہ کے گھر میں ہے بسی بوئے محمدؐ
کیا رنگِ تصور ہے کہ ہر سانس سے ملکر　　آتی ہے ہوائے چمنِ کوئے محمدؐ
محشر میں یہ شہرہ ہوگا کہ اٹھ اٹھ کے لحد سے　　سب سوئے جناں جائینگے ہم سوئے محمدؐ
ابرو مہِ نو عید کا دن ہے رخِ پرنور　　عاشق کی شبِ قدر ہے گیسوئے محمدؐ
سبطینؓ سے ظاہر ہے وہی شان وہی آن　　اک بوئے محمدؐ ہے تو اک خوئے محمدؐ
کسطرح اٹھائے ہوئے ہیں بارِ دو عالم　　ظاہر میں تو نازک سے ہیں بازوئے محمدؐ
اللہ رے رفاقت کہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے　　چھوڑا نہ پس مرگ بھی پہلوئے محمدؐ
رحمت کا وہاں شوقِ شفاعت کا یہاں ذوق　　خالق کو پسند آئے نہ کیوں خوئے محمدؐ
سینے سے لگاؤں میں امیر آنکھوں میں رکھوں　　ہیں پھول مجھے خارِ خسِ کوئے محمدؐ

تھے جلوہ گر زمیں پہ حضرتؐ مگر امیر　　دیتے تھے قدسیوں کو سبق آسمان پہ

خوش تھے یوں اصحاب روئے مصطفیٰؐ کو دیکھکر

مصطفیٰ جس طرح انوارِ خدا کو دیکھ کر

چٹک سے کہتا ہے غنچہ غنچہ گلوں سے بڑھکر بہار تم پر
چہک رہی ہے چمن میں بلبل ہزار جانیں نثار تم پر

جلاؤ دوزخ کو کیسا کیسا بساؤ خلدِ بریں کو کیا کیا...
مزا ہو روزِ جزا جزا کو جو رکھ دے پروردگار تم پر

نبوت اک بے بہا تھا گہنا کہ سلسلہ وار سب نے پہنا
تمہیں کیا خاتم النبیین کھلا کچھ ایسا یہ ہار تم پر

پوچھ لوں شہ سے تو لکھوں حور سے شادی کا خط
مانگتا ہے مجھ سے رضواں خانہ دامادی کا خط

شافعِ محشر جو حضرت ہیں تو پھر کیسے گناہ...
نامۂ اعمال ہے دوزخ سے آزادی کا خط

خلق کے سرور شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
مرسلِ داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

نورِ مجسم نیرِ اعظم سرورِ عالم مونسِ آدم
نوح کے ہمدم خضر کے رہبر صلی اللہ علیہ وسلم

تخت جہاں ہیں عرش مکاں ہیں شاہِ شہاں ہیں سیف زباں ہیں

سب پہ عیاں ہیں آپ کے جوہر صلی اللہ علیہ وسلم

بحرِ سخاوت کانِ مروت آئیہ رحمت شافعِ اُمّت
مالکِ جنّت قاسمِ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم

قبلۂ عالم کعبۂ اعظم سب سے مقدّم رازسے محرم
جانِ مجسّم روحِ مصوّر صلی اللہ علیہ وسلم

دولتِ دنیا خاک برابر ہاتھ کے خالی دل کے تونگر
مالکِ کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وسلم

رہبرِ موسیٰؑ ہادیِ عیسیٰؑ تارکِ دنیا مالکِ عقبیٰ
ہاتھ کا تکیہ خاک کا بستر صلی اللہ علیہ وسلم

چشمۂ جاری خاصۂ باری گرد سواری بادِ بہاری
آئینہ داری فخرِ سکندر صلی اللہ علیہ وسلم

مہر سے مملو ریشہ ریشہ نعت امیر اپنا ہے پیشہ
وردِ ہمیشہ دن بھر شب بھر صلی اللہ علیہ وسلم

پہونچ ہی جائینگے محبوب کے دیار میں ہم
یہ شوق ہے کہ نہیں اپنے اختیار میں ہم

کیا ہے جذبۂ کامل نے قافلہ سالار
امام سمجھتے تو ہیں گو نہیں شمار میں ہم

امیر لے کے چلے داغِ عشقِ شاہ کا گل
کرینگے سیرِ جناں گوشۂ مزار میں ہم

ضعف سے گو ہے اٹھانا مجھے دشوار قدم
شوق کہتا ہے کہ ہے شہرِ نبی چار قدم

سوئے تو آپ کے کوچے میں پہونچ کر سوئے
واہ رکھتے ہیں عجب طالعِ بیدار قدم

ساتھ جب تک کہ نہ لے لینگے گنہگاروں کو
مصطفیٰ خلد میں رکھینگے نہ زنہار قدم

جو غرق ہیں ولائے رسالت مآب میں
کیونکر جلینگے حشر کے دن آفتاب میں

سبطین مصطفیٰ ہیں جو ہر اک کے نورِ عین
رحمت کے یہ دو سورۂ ہیں اُمّ الکتاب میں

آئینہ ہے یہ پنجتن و چار یار کا
نقطے ہیں چار حرف ہیں پانچ آفتاب میں

جتنے سوال چاہیں کریں منکر و نکیر
حضرت کا ایک نام ہی سب کے جواب میں

مجرم ہو پاک آئے جو حضرت کے سامنے
ہوتا ہے خشک دامنِ تر آفتاب میں

کس قیدیٔ بلا کا نہیں آپ کو خیال
پہونچے خبر جو بند ہوا ہو حباب میں

جائے جو سوئے عالمِ بالا نگاہِ قہر
پانی کا قطرہ قطرہ شرر ہو سحاب میں

مقامِ امتحاں میں دل جو اپنا تول لیتے ہیں
وہی سودائے بازارِ محبت مول لیتے ہیں

رقم کرتے ہیں جب مضمون سوادِ چشمِ حضرت کے
سیاہی مردمک کی آنسوؤں میں گھول لیتے ہیں

کشائش سب طرح کی ہے سرِ مژگانِ احمد میں
اسی ناخن سے عاشق دل کے عقدے کھول لیتے ہیں

ترازو طبعِ سنجیدہ ہے اپنی فیضِ حضرت سے
یہیں اچھے برے اعمال اپنے تول لیتے ہیں

امیر الفت جو دل میں رکھتے ہیں ابروئے حضرت کی
وہ اس کنجی سے قفلِ بابِ جنت کھول لیتے ہیں

جو لوگ الفتِ حضرت میں جان دیتے ہیں
ملک انہیں کو جناں کی زبان دیتے ہیں

کہدو رضواں سے ہمیں سیر کی تکلیف نہ دے — ہم مدینے ہی کو گلزارِ ارم جانتے ہیں

وہ دن بھی ہو کہ روضۂ اقدس پہ ہوں مقیم — رضواں بلائے مجھکو کہوں میں نہیں نہیں
بے شبہ ہے سجود کے لائق وہ آستاں — پر لایقِ سجود کسی کی جبیں نہیں

سجود

دستگیری نہیں کرتے ہیں محمد کس کی — کون گرتا ہے کہ وہ تھام نہیں لیتے ہیں
اب تو للہ اٹھئے رخِ انور سے نقاب — دل جگر سینے میں آرام نہیں لیتے ہیں
خاکساروں کو ترے آبِ بقا سے کیا کام — خضر دیتے ہیں انہیں جام نہیں لیتے ہیں
جان دیتا ہے جو حضرت پہ وہ پاتا ہے بہشت — ایک کا مال وہ بے دام نہیں لیتے ہیں

پہونچا امیر خیرِ وریٰ کی جناب میں — ہے لاکھ لاکھ شکر خدا کی جناب میں

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں — حسرت آتی ہے یہ پہونچا میں رہا جاتا ہوں
المدد المدد اے شافعِ روزِ محشر — بوجھ بھاری ہے گناہوں کا دبا جاتا ہوں
دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں — شوق کھینچے لئے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں
کاروانِ رہِ یثرب میں ہوں آوارہ سا — سب میں شامل ہوں مگر سب سے جدا جاتا ہوں

دودھ پیتے ہوئے اطفال نہ کیونکر بولیں — جب لبِ لعل کی تاثیر سے پتھر بولیں
دلِ زائرین جو اکسیر کا آجائے خیال — بوٹیاں آپ ہی جنگل میں برابر بولیں

عاشقِ شاہ ہوں جھگڑیں جو قیامت میں ملک — ہے یقیں میری طرف سارے پیمبر بولیں

ہوں تو مجرم پہ نہیں شبہ مرے اقبال میں — نام حضرت بھی ہے میرے نامۂ اعمال میں
یادِ احمد میں جو روئیں اپنی آنکھیں اے امیر — ابرِ تر بھر بھر کے موتی لیگئے رومال میں

غل ہے معراج کی شب شاہِ اُمم آتے ہیں — مالکِ مہر و مہ و لوح و قلم آتے ہیں
آپ بالائے براق آتے ہیں اور روح امیں — بوسے دیتے ہوئے بالائے قدم آتے ہیں
نکلیگی عالمِ امکاں سے سواری شب کو — روشنی کرنے کو انوارِ قدم آتے ہیں
شان و شوکت کوئی دیکھے تو شہنشاہی کی — کہ ملایک لئے ہاتھوں میں علم آتے ہیں
اہلِ جنت کا تو کیا ذکر ہے ایسی ہے خوشی — تہنیت کیلئے اربابِ عدم آتے ہیں
غول کے غول ملائک ہیں اِدھر اور اُدھر — واہ کس شان سے با جاہ و حشم آتے ہیں
جو گھڑی آتی ہے آواز یہ آتی ہے امیر — تو ہراساں نہ ہو ہم آتے ہیں ہم آتے ہیں

نہیں ہے آپ کے رخ کا شمار پھولوں میں — بسی ہوئی ہے عروسِ بہار پھولوں میں
نثار کر ہمیں لے چل کے اے صبا اس پر — پڑی ہوئی ہے یہ ہر سو پکار پھولوں میں
ہر ایک گل چمنِ فاطمہ کا ہے اک باغ — یہ انتخاب ہے ستر ہزار پھولوں میں
زیادہ پھر میں ہے اصحابِ پاک کی خوشبو — مہک گیا چمنِ دہر چار پھولوں میں
کسی میں آگئی بو ہے کسی میں آپ کا رنگ — عیاں ہے رحمتِ پروردگار پھولوں میں
نہیں ہیں اشک یہ اُس رخ کی یاد میں جاری — امیر ہے یہ رواں آبشار پھولوں میں

فرشتوں میں ہے ہنگامہ رسولِ پاک آتے ہیں
کھلیں رحمت کے دروازے شہِ لولاک آتے ہیں

ستاروں سے کہو آنکھیں بچھائیں انکی آمد ہے
ملائک جنکے در پر جھاڑنے کو خاک آتے ہیں

طلب معشوق کی عاشق نے کی ہے بھیجکر خلعت
لئے جبریل سر پر آپکی پوشاک آتے ہیں

براقِ برق دم سے برق خوش ہو ہو کے کہتی ہے
چلن کیا کیا تجھے اے توسنِ چالاک آتے ہیں

ہے آمد آمد انکی جن کے سودائے محبت میں
عدم سے سوئے ہستی گل گریباں چاک آتے ہیں

اٹھا کر انگلیاں کہتی ہیں موجیں بحرِ رحمت کی
کہ دریائے رسالت کے بڑے پیراک آتے ہیں

مدینے میں دلِ پر داغ اپنا لیکے جاتا ہوں
بڑے سرکار کے دربار کی ڈالی لگاتا ہوں

مدینے کی زمیں کو جھاڑتا پلکوں سے جاتا ہوں
جو کانٹے راہ میں ملتے ہیں آنکھوں سے اٹھاتا ہوں

بہت ہی ناتواں ہو نہیں قدم مشکل سے اٹھتا ہے
تو اے دل آگے آگے چل میں پیچھے پیچھے آتا ہوں

ضعیف و زار ہوں گو قافلے بھر سے مگر دیکھو
میں آوازِ جرس کیطرح آگے سب سے جاتا ہوں

تصدق اس عنایت پر میں اس اعجاز کے صدقے
کہیں ہوں آپ لیکن میں تو اپنے دل میں پاتا ہوں

فلک جو داغ دیتا ہے مجھے عشقِ محمد میں
اُسے آغوش میں لیکر کلیجے سے لگاتا ہوں

امیر اب میں یہاں گھبرا گیا ہوں جی نہیں لگتا
اٹھا کر ہند سے بستر مدینے میں لگاتا ہوں

مدینے کو سفر ہم اے دلِ ناشاد کرتے ہیں
یہ گھر برباد کرتے ہیں وہ گھر آباد کرتے ہیں

چلے جو سوئے یثرب اسکے دامن سے یہ جا لپٹے
ہم اس حسرت میں اپنی خاک کو برباد کرتے ہیں

تجھے افلاک ابتک خاک کا پیوند کر دیتے
مگر تیرا سمجھکر رحم یہ جلاد کرتے ہیں

ادھر عاشق پہ صدقے ہیں اُدھر معشوق پر قرباں
خدا کے ساتھ محبوبِ خدا کو یاد کرتے ہیں

فدا کرنے کو حضرت پر لیے چلتے ہیں اب اے دل
تو اک مدت کا قیدی ہے تجھے آزاد کرتے ہیں

کلامِ عاشق و معشوق میں بھی رنگِ وحدت ہے
وہی ارشادِ باری ہے جو آپ ارشاد کرتے ہیں

شفیعِ عاصیاں اب جلد آئیں شفاعت کو
گنہگارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

مدینے میں صبا لائی ہے مژدہ کس کی آمد کا
کہ مرغانِ چمن شورِ مبارکباد کرتے ہیں

جدائی میں کٹی اک عمر یارب وہ بھی دن آئے
کوئی کہہ دے کہ چل سرکار تجھکو یاد کرتے ہیں

امیر اتنی حقیقت ہے ہماری نعت گوئی کی
ملا ہے مہرباں فریادرس فریاد کرتے ہیں

آنسو مری آنکھوں میں نہیں آئے ہوئے ہیں — دریا تری رحمت کے یہ لہرائے ہوئے ہیں

ہم اور عبادات و ریاضات کی لذت — سب تجھکو یہ سرکار ہی کے لائے ہوئے ہیں

دیدیجئے پابوسی کی اب ہمکو اجازت — کب سے دل بیتاب کو ٹھہرائے ہوئے ہیں

احکام تری شرع کے ہر نفس شقی کو — روکے ہوئے ڈانٹے ہوئے دھمکائے ہوئے ہیں

کیا پوچھتے ہو لوٹتے ہیں کیوں جگر و دل — یہ دونوں تمہاری ہی تو تڑپائے ہوئے ہیں

اللہ رے حیا حشر میں اللہ کے آگے — ہم سب کے گناہوں پہ وہ شرمائے ہوئے ہیں

امت کا مری بال نہ بیکا ہو یہ ہٹ ہے — گیسو سر دوش اسلئے بل کھائے ہوئے ہیں

میں نے چمن خلد کے پھولوں کو بھی دیکھا — سب آگے ترے چہرے کے مرجھائے ہوئے ہیں

کن آنکھوں کا بیمار ہوں یارب کہ مرے گھر — عیسیٰ بھی مجھے دیکھنے کو آئے ہوئے ہیں

عشاق کی آنکھوں کو رلاتے ہو تمہیں تو — یہ جام تمہارے ہی تو چھلکائے ہوئے ہیں

شاخوں میں یہ پتے نہیں اے غیرت گلشن — سب ہاتھ ترے سامنے پھیلائے ہوئے ہیں

پھولوں کی طرح ہجر میں عشاق کے دل بھی — افسردہ ہیں پژمردہ ہیں مرجھائے ہوئے ہیں

جی بھر کے ہمیں دیکھنے دو حشر میں دیدار — اک عمر کے ترسے ہوئے ترسائے ہوئے ہیں

روشن ہوئے دل پرتو رخسار نبی سے — یہ ذرے اسی مہر کے چمکائے ہوئے ہیں

آئے ہیں جو وہ بیخودی شوق کو سنکر — اسوقت امیر آپ میں ہم آئے ہوئے ہیں

صدا دے رہی ہے یہ گور غریباں — یہاں سب فلک کے ستائے ہوئے ہیں

دل و دیدہ اجڑی ہوئی گھر تھے دونوں — یہ سرکار ہی کے بسائے ہوئے ہیں

ولہٗ

عمر بھر دولتِ کونین کی کرتا تھا تلاش
مل گئی آج تہہ دامنِ احمدؐ مجھکو

اب وہ جد فخرِ عرب آپ ہیں فخرِ آب و جد
یاد ہے مکتبِ ایماں میں یہ ابجد مجھکو

ہیں وہ محبوبِ خدا اس سے ہیں سب کے محبوب
راست گو ہوں نہیں آتی ہے خوشامد مجھکو

نکہتِ گل کبھی گلشن سے جو لاتی ہے صبا
یاد آجاتی ہے اس شاہ کی آمد مجھکو

اب کہاں چین خبر دی مرے جی نے مجھکو
کہ مدینے میں بلایا ہے نبیؐ نے مجھکو

عاشقِ چہرۂ حضرت تھا گیا بے کھٹکے
درِ فردوس پہ روکا نہ کسی نے مجھکو

بحرِ آفت میں نبیؐ اور علیؑ ہیں حامی
پار اترنے کو ملے ہیں یہ سفینے مجھکو

عشق کر ختمِ رسل سے کہ خدا راضی ہو
کی یہ تعلیم اویس قرنیؓ نے مجھکو

آتشِ عشق میں جلتا ہوں میں شب بھر دمِ صبح
شمع ساں موت کے آتے ہیں پسینے مجھکو

پر نکل آئیں جو طائر کی طرح دور نہیں
ہمہ تن شوق بنایا ہے خوشی نے مجھکو

شوقِ محبوبِ الٰہی میں نہیں صبر کی تاب
لے چل اے جذبۂ دل جلد مدینے مجھکو

ہے یقیں راہ میں ملجائینگے جبریلِ امیں
سب بتا دینگے زیارت کے قرینے مجھکو

اب نہ ٹھہروں جو کرے میری خوشامد بھی وطن
کہ پکارا ہے غریب الوطنی نے مجھکو

مومن و زائر و حاجی ہوں دیئے تین شرف
مکی و ہاشمی و مطلبی نے مجھکو

رات دن ہند میں رہتا ہے یہی دھیان امیر
اب کیا یاد رسولِ عربیؐ نے مجھکو

مدح خواں ہوں میں جو آواز نہیں ہے تو نہ ہو
سوزِ حاصل ہے مجھے ساز نہیں ہے تو نہ ہو

مرتے ہی پھاند کے دیوار میں داخل ہونگا
بابِ فردوس اگر باز نہیں ہے تو نہو

زندہ دل جتنے ہیں اقرارِ نبوت ہی نہیں
مردہ دل قائلِ اعجاز نہیں ہے تو نہو

آپ کا نام تو لیتا ہے موذن ہر صبح
مثلِ داؤد خوش آواز نہیں ہے تو نہو

دردِ الفت کا ہوا انجام الٰہی اچھا
خوبصورت اگر آغاز نہیں ہے تو نہو

آشیانہ ہے مدینے کے درختوں پہ مرا
اب اگر طاقتِ پرواز نہیں ہے تو نہو

دور سے دیکھ لیا کرتے ہیں حضرت کا جمال
پاس اگر جلوہ گہِ ناز نہیں ہے تو نہو

رہ نہیں جانے کا میں وادیِ مدحت میں امیر
توسنِ فکر سبکتاز نہیں ہے تو نہو

یہ باعث تھا کئے سجدے فرشتوں نے جو آدم کو
کہ دیکھا اُن کی پیشانی میں نورِ فخرِ عالم کو

شرف بخشا مدینے کو خدا نے ہفت کشور پر
بلندی جیسے دی ہفت آسماں سے عرشِ اعظم کو

سفارش سے تمہاری قوتِ اعجاز دی حق نے
یدِ موسیٰؑ عمران کو لبِ عیسیٰؑ مریم کو

غبارِ کوچۂ حضرت کا سرمہ ہے عجب سرمہ
کیا ہے جس نے روشن دیدۂ خورشید روشن کو

یہ شوقِ دیدِ مرقد ہی کہ جب در بند ہوتا ہے
فرشتے جھانکتے پھرتے ہیں دیوار کے روزن کو

اجازت طائرِ سدرہ کو ہو تو نخلِ یثرب پر
بنائے آشیانہ چھوڑ کر اپنے نشیمن کو

تمہارا بوسۂ در یوں بدوں کو نیک کرتا ہے
بنا دیتا ہی سونا سنگِ پارس جیسے آہن کو

براق اُڑتا ہوا قطعِ رہِ معراج کرتا تھا
ملے جب شہسوار ایسا خوشی ہو کیوں نہ توسن کو

اطاعتِ حق ہے محمدؐ کی اطاعت مجھکو
حج ہے کعبے کا مدینے کی زیارت مجھکو

شاید آجائیں وہاں ختمِ رسالت کے قدم
جلد اے مرگ دکھا گوشۂ تربت مجھکو

مظہرِ رحمتِ حق تو میں سراپا عصیاں
مغفرت کیلئے کافی ہے یہ نسبت مجھکو

عشقِ محبوبِ الٰہی میں وہ لذت ہے امیر
درد درماں ہے غم و رنج ہے راحت مجھکو

عشق سے شہ والا و دلِ زار کو دیکھو
اس کاہ کو اور کوہِ گرانبار کو دیکھو

کہتی ہے کہ میں پرتوِ چشمانِ نبیؐ ہوں
لو اور سنو نرگسِ بیمار کو دیکھو

فاقوں میں اُس ابرو کا رہے دھیان تو بہتر
ماہِ رمضان دیکھ کے تلوار کو دیکھو

اے اہلِ جنوں سلسلہ بخشش کا یہی ہے
بل کھائے ہوئے گیسوئے خمدار کو دیکھو

جنت میں یہ کہتے ہیں فرشتوں سے فرشتے
یثرب میں چلو شاہ کے دربار کو دیکھو

فیضِ قدمِ شہ سے ضیا پائی ہے ایسی
خورشید ہے اک ذرۂ صحرائے مدینہ

محشر میں ہوا لالۂ گلزار شفاعت
جس دل میں پڑا داغِ تمنائے مدینہ

بازارِ محبت میں کہاں مجھ سا خریدار
سر بیچ کے لیتا ہوں میں سودائے مدینہ

ہر صبح بندھا روضۂ حضرت کا تصور
جب آنکھ کھلی کھل گئے درہائے مدینہ

یہ بسگئی ہے دل میں تمنائے مدینہ
ہر سانس سے آتی ہے صدا ہائے مدینہ

ہے مجھکو ہوائے چمن آرائے مدینہ
جنت میں کروں کیا مجھے ملجائے مدینہ

آنکھیں ہوں یہ محوِ رخِ زیبائے مدینہ
کعبے کو بھی دیکھوں تو نظر آئے مدینہ

اے حسرتِ دیدار دکھا جذب کی تاثیر
پتلی کی طرح آنکھ میں کھنچ آئے مدینہ

خضرِ رہِ مقصود ہوائے ولولۂ شوق
دکھلا دے مجھے گنبدِ خضرائے مدینہ

عاشق کے کلیجے سے لگی رہتی ہے ہردم
کیا پیاری تمنّا ہے تمنائے مدینہ

سوتے میں بھی آ آکے دکھا جاتا ہے جلوہ
غش ہے انہیں باتوں پہ تو شیدائے مدینہ

ہے وصل میں بھی شوق وہی وصل کا باقی
کہتا ہوں مدینے میں بھی میں ہائے مدینہ

یارب یہ جمے رنگِ تمنّا مرے دل میں
سینے سے کھلے لالۂ صحرائے مدینہ

یارب وہ عطا کر مری آنکھوں کو بصیرت
گھر بیٹھے رہوں محوِ تماشائے مدینہ

سو جان سے اس بیخودیِ شوق کے صدقے
جب آپ سے باہر ہوئے دیکھ آئے مدینہ

روضے سے امیر آتے ہیں جھونکے جو ہوا کے
کیا جھومتے ہیں مست شجرہائے مدینہ

زہے ہمّتِ میزبانِ مدینہ
خدائی ہے سب میہمانِ مدینہ

مدینے میں اک اک سے میں پوچھتا ہوں
کہاں ہے وہ بانکا جوانِ مدینہ

مجھے اور قصّوں سے کیا کام واعظ
سنا دے کوئی داستانِ مدینہ

یہ ہے رشکِ دل کو کہ قاصد جو بھیجوں
بتاؤں نہ ہرگز نشانِ مدینہ

فصاحت ہی صدقے بلاغت ہی قرباں
کچھ ایسی ہے پیاری زبانِ مدینہ

برستا ہے یہ نور دیوار و در سے
کہ ہے لامکاں ہر مکانِ مدینہ

معطّر ہیں گلیاں معنبر ہیں راہیں
یہ اے نامہ بر ہے نشانِ مدینہ

امیر اُس پہ کیونکر نہ ہو جان صدقے   کہ جانِ دو عالم ہے جانِ مدینہ

رہتی ہے زباں پر صفتِ شانِ مدینہ   ہوں مرغِ نواسنج گلستانِ مدینہ
اللہ نے بخشی ہے جسے شاہیٔ کونین   سلطانِ مدینہ ہے وہ سلطانِ مدینہ
حاصل ہے مجھے زیست میں بھی سایۂ طوبیٰ   بستر ہے تہِ نخلِ بیابانِ مدینہ
روضۂ شہِ کونین کا کعبے سے نہیں کم   اللہ کا مہمان ہے مہمانِ مدینہ
کہتا ہے امیر اسلئے عالم مجھے سحبان   ہوں حسنِ طبیعت سے ثناخوانِ مدینہ

دل سے نکلیگی نہ حضرت کی محبت ہرگز   حور یا ہر نہ کبھی باغِ ارم سے ہوگی
کھینچ لیجائینگے کس طرح فرشتے سوئے نار   خلق لپٹی ہوئی حضرت کے علم سے ہوگی

جاتے تھے جب براق پہ حضرت چڑھے ہوئے   قدسی پکارتے تھے کہ آگے بڑھے ہوئے
تعلیم جبرئیل امیں تھی برائے نام   حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے
اے اشتیاق قافلہ جو مدینے کو ہو رواں   بانگِ جرس سے پاؤں ہوں آگے بڑھے ہوئے
پلہ جو نیکیوں کا گھٹا ہے تو غم نہیں   امت کے دل ہیں تیری بدولت بڑھے ہوئے
اللہ رے شوق پہونچے مدینے میں دن ڈھلے   منزل سے ہم اگرچہ رواں دن چڑھے ہوئے
حضرت کا علم علمِ لدنی تھا اے امیر   دیتے تھے قدسیوں کو سبق بن پڑھے ہوئے

غل کرینگے یہ ہمیں دیکھ کے محشر والے   غول کے غول وہ آتے ہیں پیمبر والے

ہو گئے نامۂ اعمال شفاعت سے سفید
اپنے دفتر لئے بیٹھے رہیں دفتر والے

حشر میں دینگے یہ ہم ساقیِ کوثر کو صدا
ایک ساغر ہمیں او شیشہ و ساغر والے

دشمنِ شاہ ابوجہل ہو عاشق ہوں اویس
حیف گھر والوں سے اچھے رہیں باہر والے

ہے جو محبوب خدا ہے وہ ہمارا محبوب
حق تو یہ ہے کہ کہاں ہم سے مقدر والے

کوچۂ حضرت کا وہ کوچہ ہے جہاں بیٹھے ہیں
سلطنت چھوڑے ہوئے سیکڑوں کشور والے

خوف کیا حشر میں امت کے سیہ کاروں کو
کہ لپٹینگے انہیں بال وہ گھونگھر والے

زور یہ قوتِ بازوے محمدؐ نے کیا
کہ جسے دیکھ کے ششدر رہے خیبر والے

میں نے دیکھا ہے وہ آئینۂ رخسار امیر
کیوں نہ قسمت کی قسم کھائیں سکندر والے

چاہئے مجھ پہ عنایت شہِ دیں تھوڑی سی
دیجئے قبر کو یثرب میں زمیں تھوڑی سی

آرزو ہے کہ محبت میں تمہاری کٹ جائے
عمر باقی ہے جو اے خسرو دیں تھوڑی سی

ہے وصیت کہ کفن میں مرے رکھدیں احباب
خاک روضے کی جو ملجائے کہیں تھوڑی سی

زعم میرا ہے یہی یہ بات کہ الفت شہ کی
ہم بہت رکھتے ہیں جبریل امیں تھوڑی سی

سنگِ در آپ کا ملجائے تو سجدے یہ کروں
سودہ ہو کر مری رہ جائے جبیں تھوڑی سی

سیر تھی نعمتِ دنیا سے طبیعت ایسی
کہ غذا آپکی تھی نانِ جویں تھوڑی سی

طول کیا دوں کہ مری طبع یہ کہتی ہے امیر
شعر تھوڑے سے کہو ہو یہ زمیں تھوڑی سی

جس روز مدینے کی طرف گھر سے چلینگے
آنکھوں سے رواں ہونگے کبھی سر سے چلینگے

وہ ہم نہیں رہ جائیں جو پیچھے صفتِ گرد
اڑتے ہوئے بڑھتے ہوئے صرصر سے چلینگے

حضرت ہوئے شافع تو گنہگار ہی پہلے
جنت کی طرف عرصۂ محشر سے چلینگے

جنت ہے در خسرو ذیشان سے آگے
کہہ دو کہ نہ لے دون کی رضوان سے آگے

شاہی ہے مجھے کوچۂ حضرت کی گدائی
کیا مال ہے گنجینۂ سلطاں مرے آگے

صدمہ جو ذرا پیاس کا ہو دوڑ کے آئے
ظلمات سے خود چشمۂ حیواں مرے آگے

لیجاؤ حضور شہ فریاد و تشنو
لاؤ نہ مرا نامۂ عصیاں مرے آگے

ناجی ہو کیوں نہ حشر میں امت رسول کی
حضرت نے کی دعا تو خدا نے قبول کی

جائے عجب نہیں جو بہا انگلیوں سے آب
بحر کرم تھی ذات جناب رسول کی

وہ ابر رحمت کہ طراوت اسی سے ہے
ایک ایک برگ نخل کی ایک ایک پھول کی

کافی ہے یہ ثنا کہ حبیب خدا تھے وہ
حاجت نہیں ہے مدحت لا طول کی

آتے تھے یوں ملائکہ حضرت کے سامنے
جیسے فقیر صاحب دولت کے سامنے

قطرہ ہے بحر آپکی ہمت کے سامنے
ذرہ ہے مہر مہر مروت کے سامنے

ق

ممکن نہیں رکوں میں مدینے کی راہ میں
ہر چند سیکڑوں ہوں قیامت کے سامنے

اندھا کیا ہے شوق میں دریا ہو یا کنواں
کچھ سوجھتا نہیں ہے محبت کی راہ میں

یا فرشتہ میں جو کوئی رات گذر جائیگی
بہت اچھی مری اوقات گذر جائیگی

دیر ہوتی ہے زیارت میں تو کہتا ہے یہ دل
عمر اسی طرح سے ہیہات گذر جائیگی

ہوگا اللہ کا فرمان بھی موافق اسکے
آپ کے ذہن میں جو بات گذر جائیگی

سوئے یثرب نکلے ہم زائر چلے
شکر کی جا ہے وطن اپنے پھر چلے

راہِ حضرت کا ہے ایسا اشتیاق
پاؤں تھک جائیں تو اپنا سر چلے

یا رسول اللہ جلدی آ [illegible]
لشکرِ اندوہ میں ہم گھر چلے

نخلِ دل میں تھے گناہوں کے جو برگ
حبِ حضرت کی ہوا سے گر چلے

گھر خوشی سے رہِ خالق میں لٹانے والے
چند صابر تھے محمدؐ کے گھرانے والے

لکھ گئے اپنی کتابوں میں نبوت کی نشان
علما موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے زمانے والے

بھوک میں پیاس میں ایک ایک ہزاروں سے لڑا
کیا بہادر تھے محمدؐ کے گھرانے والے

حیف صد حیف رہے خود لبِ دریا پیاسے
حشر میں چشمۂ کوثر کے لٹانے والے

آج تک نقشِ شریعت نہ مٹا پر نہ مٹا
مٹ گئے آپ ہی جتنے تھے مٹانے والے

تو بھی راہی ہو مدینے کی طرف جلد امیر
غول کے غول چلے جاتے ہیں جانے والے

کبھی جو دیدۂ دل میں فضا مدینے کی
نسیمِ خلد کو سمجھا ہوا مدینے کی

دماغ بوئے حبیبِ خدا کا ہے مشتاق
ادھر بھی آئے الٰہی ہوا مدینے کی

خدا کی راہ جسے اہلِ دل سمجھتے ہیں
وہ راہ راست ہے کعبے کی اور مدینے کی

حسنؑ کو سبز تو رنگت ملی حسینؑ کو سرخ
بٹی نواسوں میں کیسی حنا مدینے کی

جدا ہو دل مرے سینے سے کچھ نہیں پروا
پر آرزو نہ ہو دل سے جدا مدینے کی

مقدم آپ کا ہے نور سارے عالم پر — ہوئی ہے عرش سے پہلے بنا مدینے کی
کمال ہند میں دل تنگ ہو رہا ہے امیر — دکھا دے وسعت اسے یا خدا مدینے کی

جو مدینے سے رہِ ملکِ عدم لیتا ہے — کب ٹھہرتا ہے کہیں خلد میں دم لیتا ہے
گھر سے چلتا ہے مدینے کی طرف جو زائر — ہر قدم بڑھ کے ثواب اسکے قدم لیتا ہے
طے ہو کس طرح سے میدان صفتِ حضرت کا — ٹھوکریں راہ میں رہوارِ قلم لیتا ہے

بن آئی تیری شفاعت سے روسیاہوں کی — کہ فرد داخلِ دفتر ہوئی گناہوں کی
ثواب جملہ عبادت کا ہے زیارت میں — یہ ایک راہ ہے اے دل ہزار راہوں کی
نہیں ہے گرد نواحِ مدینہ نخلستاں — قطار ہے یہ ترے عاشقوں کی آہوں کی
ذرا بھی چشمِ کرم ہو تو لے اڑیں حوریں — سمجھ کے سرمہ سیاہی مری گناہوں کی
نظارہ کر کے رخِ پاک کا جو پھرتی ہیں — بلائیں لیتی ہیں آنکھیں مری گناہوں کی
فرشتے کرتے ہیں دامانِ زلفِ حور سے صاف — جو گرد پڑتی ہے اس روضے پہ نگاہوں کی
کرے گی آ کے شفاعت تری خریداری — کھلینگی حشر میں جب گٹھریاں گناہوں کی

فرمان ہوا تو بولے مٹھی میں سنگریزے — ایما ہوا تو دوڑے اشجار کیسے کیسے
سچ ہے کہ تھے دلاور اصحابِ شاہ کیا کیا — الحق کہ تھے بہادر انصار کیسے کیسے
لیتے تھے مول جنت سر بیچتے تھے اپنا — غازی جری مجاہد دیندار کیسے کیسے

پڑھتے ہیں پانچ وقت نماز جو اہل دین — بجتی ہے پانچ وقت یہ نوبت رسول کی
مفتاح باب خلد جسے کہتے ہیں امیر — الفت رسول کی ہے وہ الفت رسول کی

وہ بزم خاص جو دربار عام ہو جائے — امید ہے کہ ہمارا سلام ہو جائے
ادھر بھی اک نگہ لطف عام ہو جائے — کہ عاشقوں میں ہمارا بھی نام ہو جائے
ترے غلام کی شوکت جو دیکھ لے محمود — ابھی ایاز کی صورت غلام ہو جائے
میں قائل آپ کے روضے کا ہوں وہ قائل طور — کلیم سے نہ کسی دن کلام ہو جائے
مدینے جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں — تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے
ثنائے زلف و رخ شاہ کا ہے شوق ایسا — کہ بیٹھوں صبح سے لکھنے تو شام ہو جائے
شکستہ لاکھ ہو دل بادہ ولا نہ گرے — یہ شیشہ ٹوٹ بھی جائے تو جام ہو جائے
بلاؤ جلد مدینے نہیں ہے امیر کو خوف — کہیں نہ عمر دو روزہ تمام ہو جائے

لحد میں ہم کو سزائے گناہ کیا ہوگی — وہ ناخدا ہے تو کشتی تباہ کیا ہوگی
مقابل آپ کے یوسف کو کون پوچھے گا — کنار بحر رواں قدر چاہ کیا ہوگی
جو روئے ہیں غم شہ میں وہ ہیں گناہ سے پاک — برس چکی ہے جو بدلی سیاہ کیا ہوگی
بغیر شوق زیارت نصیب ہوتی ہے کب — نہ پیاس ہوگی تو پانی کی چاہ کیا ہوگی

زباں ہی منہ میں خشک ایسی نہیں طاقت تکلم کی — ہمیں بھی کوئی ساغر میر کوثر خیر ہو خم کی
پسند آتا ہی کتنا مسکرانا غنچہ گل کا — شباہت دل کو یاد آتی ہے حضرت کے تبسم کی

زہے رحمت جو گرمی مہرِ محشر کی ہوئی غالب
سیہ کاروں کے سر پر چھا گئی بدلی ترحم کی

کرو تر دامنوں کو پاک دامن جنبشِ لب سے
ادھر بھی موج آ جائے کوئی رحمت کے قلزم کی

جو حضرت ناخدا ہیں بحرِ طوفاں خیزِ محشر میں
امیرؔ اپنے سفینے کو نہیں وحشت تلاطم کی

درِ شہ پر اجل آئے کاش میسر ہوتی
میری تربت بھی شہیدوں کے برابر ہوتی

تھی جو اس برق سرِ طور نمائش منظور
آ کے قندیلِ درِ روضۂ اطہر ہوتی

راستہ کون مدینے کا بتاتا مجھ کو
تپشِ دل نہ خضر بن کے جو رہبر ہوتی

ہے ترے پیرہنِ پاک کی حسرت اس کو
ورنہ کیوں نکہتِ گل جامے سے باہر ہوتی

معرکہ مجھ کو نکیرین سے درپیش ہے آج
آج تشریف جو لاتے تو مہم سر ہوتی

یا خدا جسم میں جب تک کہ مری جان رہے
تجھ پہ صدقے ترے محبوب پہ قربان رہے

شامیانہ پرِ جبریل کا ہو تربت پہ
کشتۂ عشقِ محمد کی یہ پہچان رہے

دین و دنیا میں جو پایا وہ وہیں سے پایا
ہم تو جس گھر میں رہے آپ کے مہمان رہے

ما عرفناک سے مقصود تھا یہ حضرت کا
بے خبر اپنی حقیقت سے نہ انسان رہے

ناامیدی سے بچانا مرے دل کو یارب
وصل ممکن نہیں تو وصل کا ارمان رہے

کچھ رہے یا نہ رہے پر یہ دعا ہے کہ امیرؔ
نزع کے وقت سلامت مرا ایمان رہے

لے کے جنت سے خبر بادِ بہاری آئی
اٹھو تعظیم کو حضرت کی سواری آئی

پردۂ رحم میں اے برقِ تجلی ہو ظہور
دورِ موسیٰ کا گیا اب مری باری آئی

واہ کیا شانِ کرم ہے جو ہیں یادِ دمِ نزع
مسکراتی ہوئی تصویر تمہاری آئی

یوں مدینے سے نسیمِ سحری آتی ہے
ناز کرتی ہوئی جسطرح پری آتی ہے
غش جو آجائے گا کسطرح میں دیکھونگا جمال
لیجئے جلد خبر بے خبری آتی ہے

بہار آئی ہے گل پھولے ہیں بادل گھر کے آیا ہے
مدینے کا چمن اسوقت آنکھوں میں سمایا ہے
حقیقت پوچھ لی مجھ سے کوئی فردوسِ طیبہ کی
رخِ احمد کا پرتو ہے قدِ احمد کا سایا ہے

عجب بستی مدینہ ہے جہاں رحمت برستی ہے
زیارت کو ہماری روح مدت سے ترستی ہے
تصور میں ہے تصویرِ محمد گرد پھرتے ہیں
ہماری بت پرستی در حقیقت حق پرستی ہے
پری کو حور کو کیا دیکھیں تیرے دیکھنے والے
کن آنکھوں میں یہ شوخی ہے کن آنکھوں میں یہ مستی ہے
مزہ ہے زندگی کا یادِ محبوبِ الٰہی میں
جو غفلت میں بسر ہو موت سے بدتر وہ ہستی ہے
دو عالم کی حقیقت کیا ہے جنسِ عشق کے آگے
عجب نعمت ہے جس قیمت کو ہاتھ آجائے سستی ہے
مدینے کو امیر اب ہند سے چل چونک اے غافل
یہ کیسی نیند سوتا ہے یہ کیسی تیری سستی ہے

یاد جب مجھکو مدینے کی فضا آتی ہے
سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے
کثرتِ جرم سے ایسا ہوں میں مجرم نادم
توبہ کرتے ہوئے بھی مجھکو حیا آتی ہے
شمع پر روضۂ اقدس کی جو گرتے ہیں پتنگ
پرِ جبریل کی کانوں میں صدا آتی ہے
خاک چھانیں تو رہِ عشقِ نبی میں چھانیں
ذرے ذرے سے یہاں بوئے وفا آتی ہے

غمِ احمدؐ میں مرے دل سے نکلتا ہے دھواں
یا انگیٹھی ہوئی قبلے سے گھٹا آتی ہے

روضۂ پاک میں سب ضبطِ نفس کرتے ہیں
اس گلستاں میں دبے پاؤں صبا آتی ہے

آپکے عشق میں مرنا بھی عجب دولت ہے
فَادْخُلِی کی درِ جنت سے صدا آتی ہے

موت کو دیکھ کے کہتا ہے مدینے میں مریض
حور آتی ہے الٰہی کہ قضا آتی ہے

خونِ ناحق شہدا کا مجھے یاد آتا ہے
پس کے جب سامنے آنکھوں کی حنا آتی ہے

جب میں جاتا ہوں تو اس روضۂ اقدس میں امیر
پھول دامن میں بکھیرے بادِ صبا آتی ہے

زہے رحمت کہ ختمِ انبیا کی آمد آمد ہے
حبیبِ خاص محبوبِ خدا کی آمد آمد ہے

ملائک مژدہ دیتے ہیں گنہگاران امت کو
کہ خوش ہو شافعِ روزِ جزا کی آمد آمد ہے

زمانہ تیرہ و تاریک تھا اب روشنی ہوگی
مٹینگی ظلمتیں شمعِ ہدا کی آمد آمد ہے

بہار آئیگی گل پھولینگے بلبل چہچہائینگے
چمن میں دھوم ہے بادِ صبا کی آمد آمد ہے

بھٹکتے پھرتے تھے جو قافلے راہ تو انکو ملیں
اب انکے دن پھرینگے رہنما کی آمد آمد ہے

عدم کی راہ لیں کہہ دو فساد و فتنہ و شر سے
یہاں خیر البشر خیر الوریٰ کی آمد آمد ہے

زمین و آسماں سے متصل ہے نور کی بارش
جہاں روشن ہے نورِ کبریا کی آمد آمد ہے

ازل سے تا ابد ہو جائینگے حل جتنے عقدے ہیں
مبارک ہو شہِ عقدہ کشا کی آمد آمد ہے

یہ مہر و مہ ہیں جسکے فرشِ پا انداز کے بوٹے
اسی شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ کی آمد آمد ہے

عبادت کی جماعت کو خبر ہو آج ہی پھر کہ
کہ اہلِ اقتدا میں مقتدیٰ کی آمد آمد ہے

ستم پامال ہوگا اور عدل و داد آتا ہے
جفا جاتی ہے دنیا سے وفا کی آمد آمد ہے

کہو شوخی سے اب جا کر چھپے حوروں کی آنکھوں میں
کہ یاں سر تا قدم شرم و حیا کی آمد آمد ہے

ادب آواز دیتا ہے سنبھل بیٹھو سنبھل بیٹھو — کہ فخر اولیا و انبیا کی آمد آمد ہے
خدا ہی لاکھ جانیں تو امیر اسد کم کروں قرباں — مری مولیٰ مری حاجت روا کی آمد آمد ہے

گل مہتاب سے اس رخ کا پتا ملتا ہے — بو تو کچھ بھی نہیں پر رنگ ذرا ملتا ہے
روضۂ پاک بھی رتبہ میں نہیں عرش سے کم — جو پہونچتا ہے اسے قرب خدا ملتا ہے
زائروں کیلئے ہی جہد زیارت میں ثواب — مر بھی جائیں تو ثواب شہدا ملتا ہے
چھانتے ہیں جو گدا خاک ترے کوچہ کی — صورت خضر انہیں آب بقا ملتا ہے

یوں تو حسن ابرو میں ہی فتنہ نگاہوں ہی گیسو میں ہے — حسن کا اعجاز لیکن نرگس جادو میں ہے
ہجر حضرت میں یہ کافی ہے میری تسکین کو — آپ کی تصویر دل میں دل مرے پہلو میں ہے
واہ رے خلق نبی با دشمنوں بھی ہے میل جول — ہے یہی تو وجہ جو پیوستگی ابرو میں ہے
نرگسی آنکھوں کا تیری سے رسیلا پن کہاں — پاس اک فقط شوخی ہی شوخی دیدۂ آہو میں ہے

دو عالم کے سرتاج اللہ والے — مجھے اب تو قدموں میں اپنی بلا لے
یہ عالم ہے داغ جدائی سے دل کا — پڑے ہیں مجھے اپنے جینے کے لالے
کھٹک سی کھٹک ہے تپک سی تپک ہے — زباں پر ہیں کانٹے جگر میں ہیں چھالے
کہیں مجھکو ٹھنڈا نہ کر دیں جلا کر — مری سرد آہیں مرے گرم نالے
نکیرین آنکھیں دکھانے نہ پائیں — مجھے آکے دامن میں اپنے چھپا لے
دھڑکتا ہے دل ہجر کی دشمنی سے — یہ بیدرد ایسا نہو مار ڈالے

مری جان نکلے تو قدموں پہ تیرے ۔ خدا یہ بھی ارمان میرا نکالے
کہیں دفن ہوں عاشقانِ محمد ۔ گر سب مدینے کو ہیں جانے والے
رسولِ خدا سے جدائی ہے آفت ۔ خدا یہ مصیبت کسی پر نہ ڈالے
مری رُوح نکلے بدن سے تو حوریں ۔ کھڑی ہوں درِ خلد پہ منہ نکالے
جدائی کے صدمے ضعیفی کا عالم ۔ کہاں تک امیر اپنے دل کو سنبھالے

حلم تھا حضرت کی گھٹی میں پڑا ۔ تھیں حلیمہ نام دائی آپ کی
اک جھلک پر دین و دنیا سب نثار ۔ دونوں عالم رونمائی آپ کی
شوق نے برسوں مجھے تڑپا لیا ۔ تب کہیں صورت دکھائی آپ کی
سونگھنے والے جو پڑھتے ہیں درود ۔ بو کہاں پھولوں نے پائی آپ کی

خلق سمجھی ہے جسے سایۂ ابرِ رحمت ۔ ہے وہ اک گوشۂ دامانِ رسولِ عربی
ہمہ دم ارض و سما حور و ملک جن و بشر ۔ ہیں یہ سب تابعِ فرمانِ رسولِ عربی
واہ کیا نوک پلک ہے کہ جب آئی دل میں ۔ رگِ جاں بن گئی مژگانِ رسولِ عربی
آب و تاب اور بڑھی جنگِ احد میں انکی ۔ ذرہ غلطاں ہوئے دندانِ رسولِ عربی
نعرہ یا ساقیٔ کوثر کا جہاں سنتے ہیں ۔ لوٹنے لگتے ہیں مستانِ رسولِ عربی
حشر میں نامۂ اعمال ہوں جس دم تقسیم ۔ ہو مرے ہاتھ میں دامانِ رسولِ عربی

حلقے میں رسولوں کے وہ ماہِ مدنی ہے ۔ کیا چاند کی تنویر ستاروں میں چھپی ہے

کہدے مرے عاشی سے مدینے میں کوئی
اب جاں پہ بیمار محبت کی بنی ہے

محبوب کو لے دیکھے ہوئے لوٹ رہی ہیں
عشاق میں کیا رنگ اویس قرنی ہے

گھر سے کہیں اچھا ہے مدینے کا مسافر
یاں صبح وطن شامِ غریب الوطنی ہے

معراج میں حوروں نے جو دیکھا تو یہ بولیں
کس نوکِ پلک کا یہ جوانِ مدنی ہے

اک عمر سے جلتا ہے مگر جل نہیں چکتا
کس شمع کا پروانہ اویسِ قرنی ہے

عشاق سے پوچھے نہ گئے حشر میں اعمال
کیا بگڑی ہوئی بات محبت میں بنی ہے

یادِ احمدِ مختار کی ہے کعبۂ دل میں
مکے میں عیاں جلوہ ماہِ مدنی ہے

کہتا ہے مسافر سے یہ ہر نخل مدینہ
آرام ذرا لیلو یہاں چھاؤں گھنی ہے

اللہ کے محبوب سے ہی عشق کا دعویٰ
بندوں کا بھی کیا حوصلہ اللہ غنی ہے

کیوں شمع نے روضے میں پتنگوں کو جلایا
گلگیر سے کہدو کہ یہ گردن زدنی ہے

جو داغ ہے دل میں وہ مدینے کا ہے اک پھول
جو سانس ہے میری وہ نسیم مدنی ہے

آنکھوں سے ٹپکتا ہے مری رنگ اویسی
جو لختِ جگر ہے وہ عقیق یمنی ہے

ہیں اسکے غلاموں میں ہوں جو سب کا ہے آقا
سردارِ رسل سیدِ مکی مدنی ہے

اعدا نے جہاں مانگی اماں رک گئی چل کر
شمشیر حسینی میں بھی خلقِ حسنی ہے

مقتل ہے چمن نعش پہ حوروں کا ہے مجمع
کیا رنگ میں ڈوبی مری خونین کفنی ہے

پہونچی ہیں کہاں آپ اویس قرنی کی
باغوں میں مدینے کے ہوائے یمنی ہے

کچھ مدح پڑھوں روضۂ پر نور پہ جل کر
یہ بات امیر اب تو مرے دل میں ٹھنی ہے

بدن پر خاکِ پا جب سے ملی ہے
مری رگ رگ مدینے کی گلی ہے

پسِ مُردن مدینے کو گئی روح ... یہ ڈالی ٹوٹ کر پھولی پھلی ہے
وہ در پردہ مرادِ دل ہے نہیں شمع ... ترے روضہ میں جو شب بھر جلی ہے
چمک دیکھی ہے جب سے درِ دل کی ... تو کیا کیا رشک سے بجلی جلی ہے
دلِ شیدائے احمدؐ ہی تو ہے دل ... یہی تو اس چمن میں اک کلی ہے
پسند آنا خدا کو حسنِ احمدؐ ... نہالِ عشق کی پہلی کلی ہے
جبینِ ماہ میں ہے یہ چمک کیوں ... وہ خاکِ آستاں شاید ملی ہے
عجب معشوق ہے شمشیرِ حضرت ... کہ مہندی خونِ اعدا کی ملی ہے
امیرؔ اشعارِ نعت اور ایسے رنگیں ... غزل یہ خوب ہی پھولی پھلی ہے

مصور کو ترے ہزار آفریں ہے ... کہ تصویر بھی تیری ناز آفریں ہے
جو دنیا کے پردے پہ خلدِ بریں ہے ... تو مکے مدینے کی وہ سرزمیں ہے
حرم میں ہوں یا دیر میں ہوں جہاں ہوں ... اُسی آستانے پہ میری جبیں ہے
یہ کس کے درِ فیض پر جبہ سا ہوں ... کہ اب لوحِ محفوظ میری جبیں ہے
ترے ہے شانِ دیوانگانِ محمدؐ ... گریباں سے ٹکڑے پھٹی آستیں ہے
اُدھر رقص کرتا ہے اُس در پہ سجدہ ... اِدھر اپنی قسمت پہ نازاں جبیں ہے
ستارے ہوئے نور سے جس کے پیدا ... خدا جانے وہ ماہ کیسا حسیں ہے
خدا کی ہے قدرت مزارِ مقدس ... اِسی گھر میں خورشید سایہ نشیں ہے
امیرؔ اب ہو ذکرِ خدا و محمدؐ ... وہ کہفِ متیں ہے یہ حصنِ حصیں ہے

روشِ باغِ جناں کی کیا بھلی معلوم ہوتی ہے
مجھے تو یہ مدینے کی گلی معلوم ہوتی ہے

تصور میں وہ صورت کیا بھلی معلوم ہوتی ہے
کوئی تصویر سانچے کی ڈھلی معلوم ہوتی ہے

ملا کر دیکھتا ہوں جب تمہارے روئے روشن سے
تو صورت چاند کی بھی سانولی معلوم ہوتی ہے

جہاں دل لوٹتا ہے دردِ سر باقی نہیں رہتا
زمیں روضے کی ساری صندلی معلوم ہوتی ہے

مدینے کی فضا کے سامنے وسعت دو عالم کی
بہت ہی تنگ و تاریک اک گلی معلوم ہوتی ہے

مدینے کو پہونچنے پر بہارِ آرزو دیکھو
یہ ڈالی آج کیا پھولی پھلی معلوم ہوتی ہے

بہارِ ہر دو عالم اس گلِ رخسار کے آگے
مری آنکھوں میں چھوٹی سی کلی معلوم ہوتی ہے

دلا ایسی ہی غالب جب کسی کی بات سنتا ہوں
مرے کانوں کو آوازِ علی معلوم ہوتی ہے

زہے خوبی علی ہر باغ میں مجھکو ہر اک پتی
خطِ گلزار میں نادِ علی معلوم ہوتی ہے

امیر اس حسن کی کلیاں ہیں شاخِ نخلِ شیریں پر
گلے میں حور کے چمپا کلی معلوم ہوتی ہے

یہ دنیا میں غفلت ہوئی سوتے سوتے
کہ دن عمر کا ڈھل گیا سوتے سوتے

فنا نے بقا کا تماشہ دکھایا
اٹھے پا گئے آپکو کھوتے کھوتے

جگانے میں کی شورِ محشر نے جلدی
لگی تھی ذرا آنکھ ابھی روتے روتے

سیاہی گناہوں کی دل سے نہ چھوٹی
تھکے دیدۂ تر مرے دھوتے دھوتے

ریاضت کا ملتا ہے دنیا میں بھی پھل
یہ کھیتی ابھر آتی ہے بوتے بوتے

سلا دیتی ہے ہائے پھر مجھکو قسمت
امیر آنکھ کھلتی ہے جب سوتے سوتے

کشتی مری تباہ ہے پار اے خدا لگے
ایسی ہوا چلے کہ مدینے کو جا لگے

ہو عرش پر دماغ مری مشتِ خاک کا — دامن کی آپ کے جو ذرا بھی ہوا لگے

لیجا سلام امیر کا روضے پہ شاہ کے — لیکن زمیں پہ نہ قدم اے صبا لگے

حشر میں وزنِ عمل کا مجھے کھٹکا کیا ہے — احمدِ پاک میں پلے پہ تو پروا کیا ہے

آنکھ جب عارضِ روشن کی ثنا کرتی ہے — دل یہ کہتا ہے کہ تو نے ابھی دیکھا کیا ہے

بے حجابانہ اٹھا دو رخِ روشن سے نقاب — دل میں جب آئے تو پھر آنکھ سے پردا کیا ہے

میں تو کہتا ہوں کہ پردہ میں ہے احمد کے احد — اور تم بھی جو نہیں ہو تو پھر اچھا کیا ہے

ہند سے مجھکو مدینے میں بلا لیں سرکار — پھر یہ میں عرض کرونگا کہ تمنا کیا ہے

وجد میں ہے کہ زیارت ہوئی روضے کی نصیب — لوٹتا ہے دلِ بیتاب تڑپتا کیا ہے

دیکھکر کہتے ہیں روضہ کی جھلک حور و ملک — فرش پر عرش اتر آیا ہے نقشا کیا ہے

دیر سے امتِ مرحومہ کھڑی روتی ہے — اب شفاعت میں توقف مرے مولا کیا ہے

گرمیِ حسن سے رخسار کی پھیلی ہے مہک — عطر ہے خلد کے پھولوں کا پسینا کیا ہے

درد اٹھ اٹھ کے مرے دل کو یہ سمجھاتا ہے — چل مدینے کو چلیں ہند میں رکھا کیا ہے

نقل اس مہرِ نبوت کی یہ ہاتھ آئی ہے — پوچھو موسیٰ سے حقیقت یدِ بیضا کیا ہے

دلِ حسرت زدہ کو ہے تو یہ حسرت باقی — پوچھ لیں آپ کبھی تیری تمنا کیا ہے

آپ عیسیٰ ہیں میں بیمار جو چاہیں سو کریں — میں سمجھتا نہیں حق میں مرے اچھا کیا ہے

خاص ملبوس اویس قرنی نے پایا — دین اللہ کی ہے اسمیں اجارا کیا ہے

نوکِ مژگانِ محمد کا اگر دھیان نہیں — پھر یہ رہ رہ کے کلیجے میں کھٹکتا کیا ہے

میری شہرت کا سبب مدحِ پیمبر ہے امیر — ورنہ اربابِ سخن میں مرا رتبا کیا ہے

دامن میں تری گل بھی ہیں جنت کی ثمر بھی
او مالکِ فردوس بریں کچھ تو ادھر بھی

ناسوت سے لاہوت تلک نور ہے تیرا
ہے ایک ہی جلوہ کہ ادھر بھی ہے اُدھر بھی

آرام نہ گھر میں ہے نہ توشہ ہے سفر میں
دشوار اقامت بھی ہے مشکل ہے سفر بھی

ٹکراتا ہوں فرقت میں تری سر جو تڑپ کر
دیوار بھی روتی ہے مرے حال پہ در بھی

دنیا سے تعلق کو ترا شوق مٹا دے
یہ کیا ہے توجہ کہ ادھر بھی ہے اُدھر بھی

نازک ہی بہت نزع کا وقت ای میری مولا
ہے بیخبری لیجئے اب میری خبر بھی

دنیا سے جو میں جاؤں تو یارب صفتِ حور
کھولے ہوئے آغوش ہو فردوس کا در بھی

ترا کرم جو شہِ ذی وقار ہو جائے
گدائے خاک نشیں تاجدار ہو جائے

ہوائے عشق سے دونی بہار ہو جائے
جگر بھی دل کیطرح داغدار ہو جائے

یہ آرزو ہے کہ ہر عضو عشق احمد میں
تڑپ تڑپ کے دلِ بیقرار ہو جائے

بہت ہی پیاری ہی نوکِ ان کی تیرِ مژگاں کی
خدا کرے یہ کلیجے کے پار ہو جائے

یہاں تک اُس گلِ رخسار کا تصور ہو
ہر ایک سانس نسیمِ بہار ہو جائے

بڑھے جو رحم ترا سوئے امتِ عاصی
شریک رحمتِ پروردگار ہو جائے

پلا دو خواب ہی میں آکے شربتِ دیدار
یونہی علاجِ دلِ بیقرار ہو جائے

جو دیکھ پائے گلِ داغہائے عشقِ رسول
گلے کا ہار نسیمِ بہار ہو جائے

ادب جو روضۂ پُرنور کا اجازت دے
اُتر کے چاند چراغِ مزار ہو جائے

اُٹھا دو محفلِ میلاد میں جو رخ سے نقاب
نثار شمع بھی پروانہ وار ہو جائے

غبار بھی جو مدینے کی راہ سے اٹھے
تو ابرِ رحمتِ پروردگار ہو جائے

ہوائے عشق نے رنگ اُڑا کے پھیری ہیں   کھلے یہ گل کہ خزاں میں بہار ہو جائے

یہ عشق حبیب میں ڈوبے ہوئے اشعار درحقیقت چمنستان فردوس کے
پھول ہیں جن کے رنگ و بو پر انسان کیا فرشتے بھی وجد کرتے ہونگے ۔
بلبلِ سدرہ سے ان گلہائے نعت کی قدر و منزلت پوچھنا چاہیے جو خود بھی مدحِ رسولؐ
میں اسیرؔ کے ہم نوا ہیں

زبانِ اردو کا با کمال شاعر جو تغزل و قصاید وغیرہ میں علمِ استادی بلند
کرے اور پھر نعت گوئی میں ایسا چمن بے نظیر کھلائے سو حضرت اسیرؔ کے
کوئی اور نظر نہیں آتا ۔

اب غزلیات کا سلسلہ ختم ہوتا ہے ۔ ہزارہا شعر انتخاب الانتخاب پیش کیے
جا چکے ہیں ناظرین خود ہی اس کا اندازہ کر لیں گے کہ اسیرؔ کی گویائی
کس پایہ کی تھی ۔

قصائد

تمام اصنافِ سخن میں قصیدے کا مرتبہ اعلیٰ مانا گیا ہے اس کے لیے بڑی قوت اور استعداد اور تخیل بلند درکار ہے۔ قصیدہ ہر شاعر نہیں کہہ سکتا۔ امیر کی قصیدہ گوئی اور بھی حیرت انگیز ہے جب ان کے تغزل کا رنگ پیش نظر ہوتا ہے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ صرف غزل گوئی کے استادِ کامل ہیں اور جس وقت ان کے قصائد پر نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی صنف میں انھوں نے عمر بھر شاعری کی ہے اور کمال پیدا کیا ہے۔ فارسی میں خاقانی اور عرفی کے قصائد جو بلندی رکھتے ہیں اور اردو میں سودا اور ذوق کا جو پایہ ہے وہ سب اوصاف امیر کے قصائد میں مافوق زائد موجود ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ شوکت اور رفعت کے ساتھ نزاکت و لطافت اس غضب کی ہے کہ ایک ایک شعر پر دل لوٹ جاتا ہے۔ تغزل میں ایسی لذت کیا ہوگی اور یہ بالکل نرالی بات ہے کیونکہ صنائع و بدائع و شوکت و رفعت کے ساتھ کلام کا لطیف و لذیذ ہونا بہت دشوار ہے۔ صرف ایک ہی قصیدے پر نظر ڈالنے سے امیر کے پایۂ استادی کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ انھوں نے دو چار قصیدوں پر اکتفا نہیں کی بلکہ بہت سے قصائد کہے ہیں۔ ایک سے ایک جید اور معرکہ آرا ہے اور اکثر کی زمینیں بہت سنگلاخ ہیں۔

میں پہلے نعتیہ قصائد کے اشعار پیش کرتا ہوں نعت شریف و منقبت میں کئی قصائد کہے ہیں ہر ایک زبردست ہے اور ہر شعر دو دو بار پڑھنے کے قابل ہے۔ آغا خوشامد کا کی زمین میں سب سے پہلے شہیدی نے قصیدہ کہا اور وہ بہت

مقبول ہوا۔ اس کے بعد جناب محسن کاکوری مرحوم نے بہت زور لگا کے نعت گوئی کی۔ بعد ازاں امیر نے طبع آزمائی فرمائی۔ اگرچہ ان دو قصیدوں کے بعد اس زمین میں گنجائش کہاں تھی مگر اس پر بھی امیر کی طبع غواص نے اپنے حصہ کے گوہر شہوار نکال ہی لئے اور نہ صرف قصیدے پر اکتفا کی بلکہ ایک دوغزلہ بھی نہایت شاندار کہا جو دیوان میں موجود ہے۔ اس قصیدے کی تشبیب میں امیر نے اپنی قوت فکریہ کے جوہر دکھا دیے ہیں۔ پوری تشبیب بوجہ طوالت اس جگہ نہیں لی گئی۔

قصیدہ نعتیہ

تفکر امتیازِ جان و جاناں میں کیا حد کا — عروض اب تک نہ آیا ہاتھ اس بیت معقد کا

نفخت فیہ من روحی کے معنی سے ہوا ثابت — خزانہ ہے محیط اس چشمۂ روح مجرد کا

گیا شبہہ سمجھ میں آ گیا حبل الورید آیا — رگِ گردن مقامِ خاص ہے محبوب بے سر مد کا

سمٹنا تھا جو بکھرا تھا وہی تھا موج کا بڑھنا — کھلیں آنکھیں تو عالم ایک دیکھا جزر کا مد کا

سوا حیرت کے کیا ہے فکرت کنہ حقیقت میں — یہ وہ گھر ہے کہ جس میں بند دروازہ ہے مقصد کا

کلیدِ فہم دندانِ طمع کیا تیز کرتی ہے — کبھی ممکن نہیں ہے کھولنا اس قفل ابجد کا

لحاظِ ضبطِ معنی چاہیے مشتاقِ معنی کو — جدا کرنا ہے بیجا لفظ میں حرف مشدد کا

نہ کیوں سو سے مقدم ہو رجوع دل سو خرکی — کہ مرکز ہے ہر اک مسند الیہ اسنادِ مسند کا

کہو عشاقِ احمد سے کہ آئیں اس کے سننے کو — قصیدہ اک نیا پڑھتا ہوں میں نعت محمد کا

مطلع

الف آدم میں ہے ہے ہجا احمد میں ہے بے مد کا — سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا یاں سایہ نہ تھا قد کا

بلاؤں سے بچے جو نام لے دل سے محمدؐ کا
اثر میم مشدد میں ہے ذوالقرنین کی سد کا

جو آنکھیں ہوں تو نامِ پاک سے پیدا ہے یکتائی
کہ آغوشِ احد میں جلوہ گر ہے میم احمدؐ کا

شروعِ دفترِ امکاں ہیں بسم اللہ کے بدلے
قلم نے نام لکھا لوح پر پہلے محمدؐ کا

فلک پر ہوں نہ کیونکر دیدۂ شمس و قمر روشن
لگایا کرتے ہیں آنکھوں میں سرمہ خاکِ مرقد کا

کسی اس سے نہیں کی ہیں نے بھی توصیفِ حضرت میں
شہیدی گو کہ موجد ہے اس آئینِ مجدد کا

مطلع

ظہورِ آخر ہے اول انبیا سے نورِ احمدؐ کا
بجا ہے گر لقب ہو اول و آخر محمدؐ کا

الٰہی آئے وہ جھونکا ہوائے شوقِ بے حد کا
اڑا لیجائے دکھلا دے مجھے روضہ محمدؐ کا

چلے جس سرزمیں پر اسکو کعبے کی بزرگی دی
شرف ہر سنگ کو ہے نقشِ پا سے سنگِ اسود کا

دوئی کیسی کہاں ثانی کہ یہ دونوں ہیں لاثانی
خدا کا دوسرا کوئی نہ سایہ آپ کے قد کا

وہی سایہ وہی قد تھا کہ تھے ظلِ خدا حضرت
جدا کرنا بہت دشوار تھا حرفِ مشدد کا

نبی سب مجمعِ اعجاز کب تھے مثلِ حضرت کے
ملا تھا اُن کو تو ایک ایک پارہ اس مجلد کا

وہی تو چرخِ اخضر ہے جو روزِ خلقتِ آدم
گرا تھا تاجِ نورانی سے آویزہ زمرد کا

سکونت کی جگہ درکار نو محلوں کی تھی اُن کو
یہی باعث ہوا بنیادِ نہ طاقِ زبرجد کا

غش آجائے جو موسیٰ اس تجلی زار کو دیکھیں
چراغِ طور ہے رخشاں کلس روضے کے گنبد کا

ہوئے ہیں جمع امکان و قدم ذاتِ مقدس میں
محمدؐ میں یہی مطلب تو ہے میم مشدد کا

رہائی پائی قیدِ بطنِ ماہی سے جو یونس نے
اشارہ یہ بھی تھا اک نونِ ابروئے محمدؐ کا

اصولِ خمسۂ اسلام جو مشہور ہیں پانچوں
مخمس آپ کے دیوانِ ارشادِ مؤکد کا

شکم پر سنگِ اسود اور فاقے سے شکم خالی
ہوا ثابت کہ کعبہ بھی معطل ہے محمدؐ کا

ذکر معراج شریف

کہا جو کچھ کہ کہنا تھا سنا جو کچھ کہ سننا تھا
وہی قائل وہی سامع سماں آواز گنبد کا

گئے حضرت پھرے حضرت ہنسی گرمی تھی بستر کی
قدم تھا ایک ہی گویا در آمد کا بر آمد کا

زیارت کو چلوں رتبہ بڑے عمل نہیں
غلام آیا محمد کا غلام آیا محمد کا

اس قصیدے میں منتخب (۱۲۸) شعر ہیں

قصیدہ نعتیہ دیگر

لائی ہے کیا چمن میں ہر اک شاخسار پھول
دکھلا رہے ہیں باغ جناں کی بہار پھول

کتنے ہیں سرخ و سبز تو کتنے سپید و زرد
ہر رنگ میں ہیں صنعت پروردگار پھول

انجم سے ہیں چمک میں سوا کچھ عجب نہیں
پھینکیں سپہر پر کہ افتخار پھول

پائے جو اوج اپنے کرے زرگر فلک
سیم و طلائے شمس و قمر کے نثار پھول

آراستہ چمن میں ہے کیا لشکر بہار
کتنے پیادہ آئے ہیں کتنے سوار پھول

بخشی خدا نے جوش جو دانے کو دو ترقی
ایک ایک ملک چمن میں ہے تاجدار پھول

سیمیں تنان چرخ جو چاہیں سما و فضہ
بدلیں کبھی نہ پیرہن زرنگار پھول

وہ نشہ سحر کہ جمشید وقت ہیں
شبنم کو چاہتے ہیں مے خوشگوار پھول

توڑے ہیں زر کے کم نہیں ہر گلبن چمن
اس میں درم ہزار تو اس میں ہزار پھول

نیرنگ حسن و عشق سے خالی نہیں ہے باغ
مجنوں ہے بید لیلی محمل سوار پھول

صیاد کی طرح بچھایا ہے رگوں کا جال
کھائیں گے عندلیب کا شاید شکار پھول

چھوڑیں شگوفے آپ ہی بلبل کے سامنے
پھر آپ ہی ہنسی سے ہوئے اختیار پھول

کثرت ہے اس قدر کہ سبھی باغباں ہوا
دیتا ہے مفت اہل تماشا کو ہار پھول

ہر گھر میں ہر مکاں میں صحرا میں کوہ میں
لیجاتی ہے اڑا کے نسیم بہار پھول

گلیوں میں کوچے کوچے میں ہو عام کا ہے فرش
اس درجہ بچھ گئے ہیں سر رہگذار پھول

بلبل ہو مردہ کنج قفس میں کہ دام میں
چننہ باغ ہوں شہ اور کہیں زینہار پھول

ہں کے خریدنے کو جو مالک کوئی کہے
لے آئیں مول مردم خانہ شکار پھول

آیا ہے خوب ہاتھ بہانہ بہار کا
بے خوف پی رہا ہے ہر اک بادہ خوار پھول

گلشن ہر ایک خانہ قصاب بن گیا
ہر شاخ گاؤ عیش میں پہنے ہے ہار پھول

پہونچے جو باغ میں نظر آئی عجیب سیر
یعنی ہیں ہر طرف ہمہ تن انتظار پھول

چلنے درخت ہیں وہ جا سے ہوئے ہیں چند
باندھے ہوئے کٹورے ہیں دوش پر قطار پھول

پوچھی جو ہم نے وجہ تو کہنے لگی نسیم
اس کا ہے انتظار ہیں جس پہ نثار پھول

وہ لالہ رو کہ جس سے زمانے کی ہے بہار
جس کے عرق سے ایسے ہوئے عطر بار پھول

دیکھا نہیں ہے بسکہ کبھی ان سے روئے یار
بلبل کی طرح باغ میں ہیں بے قرار پھول

نزدیک ہے کہ درد جدائی سے ہو کے تنگ
پھاڑیں قبا لباس کریں تار تار پھول

آئے نظر جو چہرۂ حضرت تو عجب ہو
پھولوں سے صحن باغ میں ہوں بے شمار پھول

اس قصیدہ میں (۵۵) شعر ہیں۔

قصیدہ منقبت

کیونکر نہ کروں ملک معانی کو میں تسخیر
خامہ ہے مرا دست ید اللہ کی شمشیر

آسے جو تعلی پہ مری ہمت عالی
دشوار نہیں قلعۂ افلاک کی تسخیر

جو معنیٔ روشن ہے وہ ہے غیرت خورشید
سودا نہیں تجھکو جو کروں مہر کو تسخیر

سرکش مری نرمی سے کبھی بڑھ نہیں سکتے
لہر آپ کے شعلے کے لپٹتی ہے زنجیر

دل صاف زبان صاف سخن صاف ہے میرا
موتی کی لڑی ہے کہ مسلسل مری تقریر

طائر اُتر آتے ہیں ٹھہر جاتی ہیں نہریں — داؤد صفت ہے وہ مرے لحن میں تاثیر

عکس آئینے میں میرے اشارے سے ہے گویا — لب میرے جو ہلتے ہیں تو بول اُٹھتی ہے تصویر

جا سکتے ہیں کب اُڑ کے کہیں مرغِ مضامیں — وابستۂ فتراک ہیں سب صورتِ نخچیر

شعرا اپنے بیاضِ دلِ غلماں پہ جو لکھوں — دے مردمکِ حور سیاہی پئے تحریر

ہو صاحبِ معنی تو معانی مرے سمجھے — ہو صاحبِ توقیر تو جانے مری توقیر

خضرِ رہِ باطن ہے مری غفلتِ ظاہر — یوسف کی زیارت ہے مرے خواب کی تعبیر

جو بات مرے منہ سے نکل جائے وہی ہو — گویا ہوں زبانِ قلمِ کاتبِ تقدیر

قُم نکلے زباں سے جو مری ہو تم عیسیٰ — واں جی اُٹھے مردہ تو یہاں بول اُٹھے تصویر

ٹھہرے نہ قدم ایک کا میدانِ سخن میں — چل جائے اگر میری زباں صورتِ شمشیر

سُن سُن کے مجھے گرم طبیعت ہوئے شاعر — ذروں نے جو پائی ہے تو خورشید سے تنویر

دیتے ہیں مزہ قدر شناسانِ سخن کو — یہ لفظ یہ معنی ہیں جو ہیں مثلِ شکر و شیر

سمجھتا ہوں وہ سنتا ہوں جو استادِ ازل سے — ہوں صورتِ طوطی پسِ آئینۂ تقدیر

تھے قبضۂ خسرو میں معانی کے جو کشور — سب میں نے کئے تیغِ زباں کھینچ کے تسخیر

جب مصحفی و میر پئے تہنیت آئے — تھوڑی سی زمیں دی انھیں اُس ملک میں جاگیر

بیچارہ ہوس کیا ہے کہیگا جو قصیدہ — ایسے تو بہت ہیں مرے گلشن میں عصافیر

اللہ مقابل ہیں مرے عرفی و فیضی — پر فرق ہے اتنا میں جواں طبع ہوں وہ پیر

لطفِ سخنِ تازہ کہاں اُن کے سخن میں — کہنہ ہوں جو وائیں تو بدل جاتی ہے تاثیر

رد کیں جو علائق نہ رکے میری طبیعت — پڑتی ہے بھلا پائے تگہ میں کوئی زنجیر

میدانِ سخن جیت لئے میں نے ہزاروں — بازو ہے قوی جھولتی ہے عرش پہ شمشیر

یہ عزو شرف اُس کی غلامی سے ہے حاصل — جو صاحب قنبر ہے ولا جس کی ہے اکسیر

اس قصیدے میں (۸۲) شعر ہیں

ان کے علاوہ اور بھی قصائد نعت و منقبت ہیں جو دیوان نعتیہ میں درج ہیں

اب مدحیہ قصائد ملاحظہ ہوں

قصیدہ مدحیہ مشتمل بر مناظرہ دانش و وہم

تختِ کاغذ پہ ہوا صدر نشین شاہِ قلم — دائرے طبل کی صورت ہیں الف شکلِ علم

ہیں جو یہ عرصۂ کاغذ پہ حروف و حرکات — یہی لشکر ہے یہی فوج، یہی خیل و خدم

ہے فصاحت جو مصاحب تو بلاغت ہے ندیم — وزرا مرتبہ و دبدبہ و جاہ و حشم

منتخب ہیں جو مضامیں تو معانی ہیں لطیف — ہیں وہی گنج و خزائن وہی دینار و درم

اہلِ دفتر نے جو کی کھول کے بستوں کی نشست — گردنِ منشی گردوں ہوئی تسلیم کو خم

کبھی منصب کبھی تقسیم ہوئیں جاگیریں — شقے لکھے گئے ہونے لگے فرمان رقم

وقت دربار ہوا جمع ہوئے مجرائی — عقل و فہم و خرد و ہوش و تدابیر و حکم

سامنے آنے لگے بہر طلب بہر سلام — مرد ہاں تھا جو ادب کا وہ پکارا اہم

روبرو خسرو جمجاہ و فلک فرکی نگاہ — تا ابد سلطنت پشت و پناہ عالم

ہوئی مجرے سے بخوبی جو فراغت حاصل — مسند حکم ہوئی مطلع انوار قدم

روبرو دستخطِ خاص کو لایا کاغذ — حکمت الدولہ جو تھا منشیِ یاقوت رقم

عرضیاں گذریں خلائق کی برائے مطلب — لب ہوئے لعل فشاں کھل گئے ابوابِ کرم

بعد اخبار کے پرچوں کی جو نوبت آئی — نئے مضمون کا اک پرچہ ہوا پیش اُس دم

کہ ملازم ہیں جو سرکار کے دانش و وہم — در دولت پہ ہے ہنگامہ لڑے ہیں باہم

بحث اک بات کی دونوں میں پڑی ہے ایسی
حکم عالی یہ ہوا جلد کرو حاضرِ بزم
حاضرِ بزم ہوے وہ تو ہوا یہ ایسار
عرضِ دانش نے کیا روز ابد تک قائم
بندۂ خاص نے دیکھے ہیں ہزاروں انساں
ایک عالم ہے فلک جاہ خردمند زکی
نام ہے کلب علی خانِ بہادر جمجاہ
علم میں کوئی نہیں جود و کرم و ہمت میں
جس میں جو بات ہو کیونکر اسے کوئی نہ کہے
پھر کہنے کو ذرا وہم نے یاوہ کیا
کہ کمالات کا حصر ایک میں ہے ناممکن
یکے کیسے نہیں گزرے ہیں جہاں میں نامی
سارے عالم میں ہے سحبان کی فصاحت مشہور
کس کو معلوم افلاطوں کی نہیں ہے حکمت
چار سو شہرت حاتم کا ہے آوازہ بلند
تو جو کہتا ہے کہ ان سب سے ہے بڑھ کر کوئی
ہیں یہ کہتا ہوں میں دعوے میں ہیں اپنے صادق
کچھ نہ سنتا تھا میں انکار پہ باندھی ہے کمر
ہو گیا ختم کہ ہاں معرکۂ بحث ہو گرم

کہ سمجھ گفتہ گئے ہیں صورت خطِ توام
دیکھیں کس کیا لکھتے ہیں خود دونوں میں ہم ہونگے حکم
اکیلوں لٹے کیا سبب جنگ ہے آگاہ ہوں ہم
یہ حکومت یہ ایالت یہ شہامت یہ حشم
حکمرانانِ زمانہ رؤسائے عالم
صاحبِ علم و ہنر معدنِ اخلاق و کرم
جس کے خدام ہیں ہم مرتبۂ قیصر و جم
ہے وہ یکتائے زمانہ بسرِ قدس کی قسم
پیش انصاف گزیں حق کا چھپانا ہے ستم
بلکہ بار بارہ انکار میں مشکل ہے قدم
کارخانہ ہے خدا کا نہیں خالی عالم
خواجگانِ عربستان و صنادید عجم
سارے آفاق میں کسریٰ کی عدالت ہے علم
حکم نادر ہے عیاں جلوہ نما عشرت جم
شش جہت پر ہے عیاں سب سے جری تھا رستم
زعم باطل ہے فقط مانتے ہیں کب اسے ہم
ہیں دلائل جو ہوں گوش شنوا گوشِ اصم
گفتگو کے طرفین آپ نہیں ہو سکے حکم
ایک اک بات کا ہو فیصلہ لا ہو کہ نعم

دہم بولا کہ مجھے عدل میں پہلے ہے کلام
فی البدیہہ یہ اسے دانش نے دیا تب یہ جواب
میرے ممدوح کا وہ عدل جو تھا عدل پسند
کفر و اسلام کے آئین میں ہے ظاہر تفریق
چپ ہوا دہم کہا غیب سے یہ نا ہم نے
ہنس کے دانش نے کہا یہ بھی نہ سمجھا تو نے
وہ بھی دیتا تھا خلائق کو جو دیتا تھا خدا
بیش از بیش بت دعوت میں کیا کرتا تھا فتح
میرے ممدوح کے کشور نہ خزائن کی ہے حد
اتنے سائل تھے قبیلے میں نہ ملتے کہاں
روز پاتے ہیں زر و گنج ہزاروں سائل
کرتے ہیں صاحب زر ہو کے غنی زر بخشی
بات معقول تھی کچھ دہم کو آیا نہ جواب
بعد کچھ دیر کے بولا کہ رہا اب یہ کلام
کس جوانمرد نے مانا نہیں لوہا اس کا
سن کے اس بات کو دانش کو ہوا کچھ سکوت
شاہنامہ نہیں کیا تیری نظر سے گزرا
سیستاں میں تھا فقط ایک وہ گمنام سا مل
میرے ممدوح کی جرات تھی بھلا اس میں کہاں

نام کسریٰ کا ہے انصاف و عدالت میں علم
چاہ بے آب بھی پاتا ہے کہیں رتبۂ یم
عدل کسریٰ میں ضلالت کے طریقے منضم
چشم بینا میں کبھی ایک نہیں نور و ظلم
کون حاتم سے زیادہ ہے بہم جود و کرم
بادشہ تھا نہ کسی ملک کا حاکم حاتم
اس میں جتنے ہوں میسر اسے دینار و درم
گوسفند و بز و میش و شتر و اسپ و غنم
سب وہ حصہ ہے خلائق کا نہ ہے جود و کرم
جمع اس کے در دولت پہ ہے سارا عالم
ہر تہی دست ہے اب مالک دینار و درم
یہ وہ حاتم ہے کہ ہیں اس کے گدا بھی حاتم
نطق ہو بند تو منہ کھول سکے کیا ابکم
کہ شجاعت میں یہ افضل ہے کہ افضل رستم
قائل جرات رستم ہے عرب تا بعجم
میں بھی موجود تھا بولا کہ خموشی ہے ستم
آپ کہتا ہے یہ فردوسی اعجاز رقم
شاہنامہ جو کہا میں نے بنایا رستم
رتبہ ہے اسکے صفحوں تک ہی بیاں ہے تم دہم

اب جو ہیں اسلحۂ جنگ یہ آگے تھے کہاں
نہ یہ توپیں نہ یہ گولے تھے نہ یہ سیل نہ بم

اس پہ پڑ جائے صفِ فوجِ عدو میں بھاگ کر
سرِ میداں جو ڈکارے صفتِ شیرِ اجم

اس میں بھی بند ہوا وہم تو لی اور ہی راہ
رزم سے پھر کے وہ ہرا بزم میں ناچار قدم

سنی یہ تقریر کہ اچھا نہ سہی ذکرِ نبرد
کس نے آراستہ کی بزمِ طرب صورتِ جم

جامِ جمشید کی پوشیدہ نہیں کیفیت
جس سے تھا پیشِ نظر آئینۂ حالِ عالم

سن کے دانش نے کہا خوب کہاں تجھ کو تمیز
مستِ بے ہوش کو کیا ذائقۂ ناز و نعیم

فرض کر دم کہ مہیا ہوں سب اسبابِ نشاط
مطرب و ساقی و نقل و مے و اصوات و نغم

آپ ہی میں جو نہ ہو اس کو ہو حاصل کیا خاک
لذتِ سامعہ و ذائقہ و قوتِ شم

اگلے لوگوں میں کہاں تھی یہ تراش اور خراش
یہ نفاست یہ نزاکت یہ لطافت یہ شیم

پیرہن رشکِ چمن بو قلموں رنگ برنگ
زیوروں میں وہ چمک نور کا جن میں عالم

خوبصورت وہ حسیں ماہ جبیں پیشِ نظر
خم بخم زلفِ رسا آئینے زانو و شکم

کبک و طاؤس کی رفتار تو چیتے کی کمر
آنکھیں وہ شوخ کہ آہوئے غزالانِ حرم

رقص وہ جس سے سراسیمہ ہو طاؤسِ فلک
کان زہرہ بھی پکڑ لے وہ مزامیر و نغم

جامِ جم سے اگر آئینہ تھا احوالِ جہاں
رازِ کونین سے آگاہ یہاں دل ہر دم

طرح میں وضع میں ترصیع میں ایجادوں میں
متاخر ہیں سراسر قدما سے اقدم

نہ چلی وہم کی اس میں بھی تو بولا مجبور
غیر قائل ہوں برائے فارقِ انوار و ظلم

علم نادر سا افلاطوں کی ہے حکمت باقی
فرق ان سب کا بھی سنوں کون سوا کون ہے کم

کہا دانش نے کہ یہ بات بھی دشوار نہیں
لائقِ مدح ہے ممدوح وہ ہیں قابلِ ذم

وجہ ترجیح کی نادر سے تو یہ علم میں ہے
وہ ہمہ ظلم و ستم تھا یہ ہمہ عدل و کرم

آنکھیں کس کی نہیں نادر نے نکالی بے جرم — سرمۂ روشنیٔ چشم ہے یاں خاکِ قدم
کس کی گردن پہ نہ نادر کی چلی تیغ جفا — گردنیں سیکڑوں احساں سے اسکے ہوئیں خم
اور حکمت میں فلاطوں کا ہے کیا ذکر کہ وہ — بیٹھکے خم میں ہوا راہیٔ اقلیمِ عدم
یہ وہ دریا کہ خمِ چرخ جہاں ایک حباب — پھیل کر قطرہ نہ دریا سے کبھی ہو اعظم
طرفہ حکمت کہ نبی کا بھی وہ قائل نہ ہوا — دلِ صفا سے ہے کہاں مطلعِ انوار قدم

کفر و ایماں میں بڑا فرق ہے لازم ہے تمیز — وہ اگر بہمۂ دوزخ ہے تو یہ سرو ارم
جب سنے ایسے براہیں یہ ہوا وہم کا حال — ختم کیا سر کو لئے دوڑ کے دانش کے قدم
چشمِ الطاف سے دانش نے بھی کی اس پہ نظر — بہرِ تفہیم کہا سن کہ تو ہے نیک شیم
یہ تو تھے تیرے سوالات کے اب ہم جواب — وصف ممدوح جو ہیں اور وہ اب کہتے ہیں ہم
علم میں حلم میں الطاف میں دانائی میں — ایک ہی فرد ہے یکتا ہے وہ فخرِ عالم
ہر سحر مشغلہ فریاد رسی دادرسی — میہماں سیکڑوں ہر شام سرِ خوانِ کرم
جتنے جس شہر سے آتے ہیں مسافر یہاں — کھینچا کرتی ہے اُن کو نظرِ فیضِ شیم

اِس قصیدے میں (۱۱۵) شعر ہیں۔

قصیدہ دیگر

تا کجا کوتہی اے دستِ ہوس کر جھپٹ — پردۂ شرم رخِ شاہدِ معنی سے اُلٹ
جیتنا ہو جو سوارانِ سخن سے میداں — پھینکنا چاہیئے رہوارِ قلم کو سرپٹ
یوں ہی گو ہے یہی میداں یہی معنی یہی لفظ — اپنی اپنی ہے دمِ معرکہ پر ڈانٹ ڈپٹ
پی گئے گو کہ مئے صافِ سخن کو مے نوش — رہ گئی ساغر و مینا و سبو میں تلچھٹ
خم ہیں میخانے میں ایسے بھی کہ ٹوٹی نہیں مُہر — کھول منہ بھر کے صراحی کو لئے پی جا غٹاغٹ

چوٹ سی دل پہ لگی ہاتھ گیا جب خالی / تازیانے سے نہیں کم وہ پڑے تیغ جو پٹ

ہنس کے ظاہر میں کہا واہ رہی ٹھنڈی گرمی / آپ ہی لطف و کرم آپ ہی یہ جھنجھلاہٹ

چپ رہی پہلے کہا تو یہ کہا دیر کے بعد / تھی ملاقات کہاں کی کہ یہ تیزی جھٹ پٹ

ہوش میں آؤ ذرا خیر ہے کیسا ہے مزاج / خفقان سے تو طبیعت میں نہیں گھبراہٹ

میں وہ ہوں جسکی ہوس میں ہیں ہزاروں نامی / سیکڑوں مر گئے تھے جن کو مرے نام کی رٹ

زہرہ بالائے فلک کشتۂ شمشیر نگاہ / حلق مریخ کو پھانسی ہے مری زلف کی لٹ

مرغ دل سیکڑوں شہباز نظر کے ہیں شکار / خال وہ زاغ سیہ ہے کہ کلیجے گئے چٹ

ذوق وصلت میں ہوئے گور کنارے کتنے / شوق دیدار میں کتنوں کی گئی آنکھ الٹ

سند تنگ دم سے جتنے کہ ہیں شہزادے / صبح تا شام ہے انکا مرے در پر جمگھٹ

پاؤں کتنوں کے گھسے مثل سبو سر پھوڑے / یاد وہ وصل کی پائی نہ کسیتے تلپھٹ

ناطقہ خانۂ دولت ہے مرا نام صفت / میں نگیں ہوں تو سکاں جاہے زر و سیم سے پٹ

ماہم غیب نے بھیجا تو میں آئی ترے پاس / ہو گراں تجکو جو آنا ابھی جاؤں میں پلٹ

وصف تو کرتا ہے جس کا میں اسی کی ہوں صفت / دیکھ اعضا کو ذرا پردۂ غفلت کو اولٹ

رائے انور سے اسی کی مرے آنکھوں میں ہے نور / خلق اس کا مرے گیسو میں ہے خوشبو کی لپٹ

صف مژگاں سے عیاں پنجۂ پر زور کی شکل / عزم اس کا ہے شاہین نگہ کی ہے جھپٹ

اسکی عزت آشتی طبع وہی قد میرا / دامن فیض کا لٹکا وہ مری زلف کی لٹ

مصحف رخ کو جو دیکھو تو نمایاں وہی شان / کعبۂ دل کو جو دیکھو تو اسی کی چوکھٹ

کون وہ **کلب علیخاں** بہادر جمجاہ / دیتے ہیں جسکو ملک عالم بالا کی رپٹ

اس قصیدے میں (۱۳۳) شعر ہیں۔

قصیدہ دیگر

فصلِ گل آئی ہوا گلزارِ جنت بوستاں
بڑھ گئے رضواں سے ہے ان روزوں در باغ باغباں

ہر طرف گلہائے رنگا رنگ گلشن میں کھلے
جیسے صبحِ عید یکجا ہوں حسینانِ جہاں

خم ہیں شاخیں درختوں کی ہوا سے خاک پر
کر رہے ہیں سجدۂ شکرِ خدائے انس و جاں

قم باذن اللہ کہتی آئی گلشن میں بہار
جی اٹھے جو ہو گئے تھے مردہ دل وقتِ خزاں

جھوم کر آیا ہے ابرِ کوہساری باغ میں
رقص میں ہے ہر روش طاؤس ہو کر شادماں

لالہ کہتا ہے کہاں موسیٰ ہیں آکر دیکھ لیں
صاف جلوہ ہے چراغِ طور کا مجھ سے عیاں

جھومنا مستوں کی صورت ہے درختوں کا بجا
نکہتِ گل میں بھی ہے کیفِ شرابِ ارغواں

لالۂ احمر نے یاقوتی کی ڈبیہ کی درست
نرگسِ شہلا نے رکھی سیم فروشی کی دکاں

داربستِ تاک میں خوشے نظر آنے لگے
جس طرح جھرمٹ ستاروں کا فرازِ آسماں

سیمِ غنچہ کیوں نہ بے حد ہو زرِ گل بے شمار
رکھتی ہے اکسیر کی بوٹی بہارِ بوستاں

ہر روش پر بیٹھی ہے بزاز بن کر خرمی
جس طرف دیکھو کھلی ہے سبز مخمل کی دکاں

فیضِ شبنم نے دئے اشجار کو آبی لباس
بر میں ہے مردم گیا کے جامۂ آبِ رواں

نوعروسانِ چمن کو ہے جواہر کا جو شوق
بھیجنے فیروزہ آیا ہے چمن میں آسماں

یوں ہے جنبش میں ہوا سے ہر نہالِ سایہ دار
ہو خراماں جس طرح کوئی حسینِ امن نشاں

ہے مبارک فال کوئی ہونے والی ہے خوشی
ہر چراغِ لالہ جوشِ رنگ سے ہے گل فشاں

جان پھولوں میں پڑی ہے زندہ ہو گئی خاکِ چمن
ہے دمِ جاں بخش عیسیٰ یا نسیمِ بوستاں

قمریوں کا قول ہے ہم ہیں طیورِ باغِ خلد
سرو کہتا ہے کہ میں ہوں طوبیٰ باغِ جہاں

صحنِ گلشن میں نزاکت نے جمایا ہے یہ رنگ
مرغِ بو کا آشیاں ہے شاخِ گلبن پر گراں

ہے بلندی و درازی اس قدر رہ مثال نخل
ہے محیط مشرق و مغرب برنگ کہکشاں

پا گئے گر سورج کبھی کے سایہ میں تھوڑی سی جگہ
بھول جائے مہر جنبش مثل قطب آسماں

چودھویں کا چاند ہے جو چاندنی کا پھول ہے
چادر مہتاب ہے فرش فضائے بوستاں

سیر کو جو آئے اس کا ناف آہو ہو مشام
گیسوئے مشکیں سنبل سے بسکہ ہے عنبر فشاں

دیدۂ بیدار نرگس کا تو کیا مذکور ہے
خواب میں کرتا ہے سبزہ سیر گلزار جناں

ہے تبسم غنچۂ گل کا کہ تیغ آب دار
نوک کی لیتے ہیں کانٹے یا چھپتے ہیں سناں

جس طرف دیکھو زر گل باغ میں انبار ہے
مثل فوارہ اگلتی ہے زمیں گنج نہاں

غنچہ و سوسن سے کیا ہو شکر احسان بہار
وہ زبان بے دہن ہے یہ دہان بے زباں

اس قدر جوش طراوت ہے عجب کیا ہے اگر
یاسمن پیدا کریں گر گڑ کر زمیں میں استخواں

قطرۂ خوں کے عوض نکلیں گل و یاقوت و لعل
نشتر فصاد اگر کھولے رگ سنگ گراں

ہے عجب فیض ہوا یہاں کے غنچے کھل گئے
تر ہے چوب خشک ناوک یار در شاخ کماں

مصر کا بازار کہئے باغ کے بازار کو
گل ہے یوسف گرد اس کے بلبلوں کا کارواں

مومن و کافر سے کہدو آئیں سب گلزار میں
عمر کرتے ہیں عبث دیر و حرم میں رائیگاں

جسکی کرتے ہیں پرستش جسکی رکھتے ہیں طلب
ان مکانوں میں ہے پوشیدہ یہاں ہر سو عیاں

آئینہ خانہ ہے گلشن آئینہ ہے برگ برگ
جلوہ گر ہے ہر طرف رنگ بہار بے خزاں

اگرچہ صحن باغ میں ہر سال آتی ہے بہار
پر ہے اب کی اور ہی رنگ زمین و آسماں

ہے سبب اس کا کہ ان روزوں ہوا مسند نشیں
سرور گلزار ریاست صاحب بخت جواں

منبع جود و سخاوت معدن لطف و کرم
ماہ اوج چرخ قدرت مہر اوج کن فکاں

انتخاب جمیع خلق عالی نسب والا حسب
روح جسم انس و جاں فخر زمین و آسماں

نام نامی وہ کہ ہے سب کے نگینِ دل پہ نقش
نامور کلب علیخاں بہادر نوجواں

اس قصیدہ میں (۱۱۷) شعر ہیں۔

قصیدہ دیگر

مشتمل بر مناظرہ شانہ و آئینہ

مژدہ اے اہلِ تماشہ کہ ہے ہنگامِ نظر
بزمِ عشرت میں ہوئے جمع حسینِ شکلِ قمر

صرفِ آرائش و زینت ہیں حسینانِ جہاں
بدلے جاتے ہیں لباس اور مرصع زیور

بدھیاں پھولوں کی ہیں زیب فزائے بر و دوش
دست و پا میں ہے حنا سرمہ ہے منظورِ نظر

کرتیاں ہیں شکمِ صاف پر اونچی اونچی
بند انگیا کے کسے زلفِ رسا تا بہ کمر

اس قدر مست ہے حسن کہ سر سے سرِ دوش
آرہا ڈھل کے دوپٹا نہیں اتنی بھی خبر

شانہ ہوتا ہے طلب آئنہ آتا ہے حضور
بنتے ہیں گیسو و رخ کرتے ہیں جوبن پہ نظر

شانہ و آئنہ ہیں بسکہ مصاحب دونوں
ایک سے ایک نے باندھی ہے رقابت پہ کمر

آئنہ شانہ سے کہتا ہے کہ سر چڑھ نہ بہت
منہ کی کھائے نہ کہیں چاک نہ ہو تیرا جگر

دیکھ مجھ کو کہ جگہ گو کہ ہے زانوں پہ مری
حیرتِ حسن سے ٹھہرے کی طرح ہوں ششدر

مرتبہ جو ہے مرا تجھکو وہ حاصل ہے کہاں
صاف طینت ہوں صفائی کا ہے مجھ میں جوہر

کون سی بزم میں ہوتی نہیں حاجت میری
خانہ بر دوش ہوں پردیس میں پیرونکے ہے گھر

آبداری کا مرے سامنے دعویٰ جو کرے
رو بہ رو صاحبِ انصاف کے جھوٹا ہو گہر

یمن ہے اہلِ جہاں کو مرے نظارۂ رخ
دیکھتے ہیں مجھے جب دیکھتے ہیں ماہِ صفر

صافیِ قلب سے پایا ہے یہ رتبہ میں نے
چاندی سونے کا دیا ہے مجھے اللہ نے گھر

آبِ نان مجھکو نہیں ہے کسی جہاں سے عزیز
دشمن و وحشت ہے منہ پہ کشادہ ہر اور

نہیں رکھتا ہوں لگی حالِ بد و نیک میں کچھ
صاف کہہ دیتا ہوں آتا ہے جو کچھ پیشِ نظر

مجھ سے بھی عقدۂ نیرنگ جہاں کھلتا ہے
جم کو دیتا تھا اگر جام زمانے کی خبر

بزمِ عالم میں فقط وجہ سے میری اب تک
نام روشن ہے چراغِ لحدِ اسکندر

مجلسِ خاص نبیؐ میں بھی رسائی میری
ابتدا سے مرے طالع کا ہے روشن اختر

وہ صفائی مجھے حاصل ہے کہ ہر دل ہو عزیز
جتنے اصحاب تھے رکھتے تھے مجھے پیشِ نظر

ہاتھ سے دامنِ دولت نہ کسی دم چھوٹا
اہلِ دولت ہی کے زانوں پہ ہوئی عمر بسر

اہلِ تنجیم کی آنکھوں میں بھی ہے قدر مری
ہوں کبھی مشتری و زہرہ کبھی شمس و قمر

بولتا ہے مری تائید سے طوطی اُسکا
ورنہ طوطی میں کہاں ہے کوئی سرخاب کا پر

خاکساری ہے ان اوصاف پہ مجھ میں ایسی
غازۂ چہرہ نہیں اور بجز خاکستر

ایک تو ہے کہ نہیں تجھ میں ذرا نام کو نور
زحل آسا ترے طالع کا سیہ ہے اختر

پارہ چوب جگر چاک دنی بے قیمت
چار پیسے کو جسے مول نہ لیں اہلِ ہنر

بال بیکا ہو حسینوں کا تو توڑیں تیرے دانت
دانت دینے لگیں ایذا تو شکستہ بہتر

قاعدہ بزمِ ادب کا تجھے بھولے جو کوئی
پس جائے نہ تری ایک کریں زیر و زبر

پیچ پُرشل سے کھلتا نہیں ہرگز کوئی کام
خشک ہو شاخ تو اُس سے نہیں امید ثمر

بال یوں منہ میں ترے ٹوٹ کے رہجاتا ہے
جس طرح شانۂ ضحاک میں تھا سانپ کا گھر

کرکری تیری جو دندان سے ہوئی اور زری
جس میں دندانے پڑیں تیغ ہے وہ بے جوہر

کشمکش نے تری کانٹوں میں گھسیٹا ہے تجھے
پھلوؤں میں ہیں ترے خار ادھر اور اُدھر

سوزِ باطن ہیں ترے منہ میں تو حاصل کیا ہے
گنگ کی طرح سے خاموش ہے تو آٹھ پہر

اس لیاقت پہ یہ دعوے تجھے کیا مال ہے تو
کہ چڑھے لالہ رخانِ سمن اندام کے سر

کچھ بھی غیرت ہو تو پانی میں کہیں ڈوب مرے
ایسی ذلت سے تو ہے خاک میں ملنا بہتر

صاف صاف آئینے نے بڑھ کے کیا جب کلام
عیب سب غیر کے ظاہر کئے اور اپنے ہنر

کھپ گیا شانہ ملامت کا نشانہ ہو کر
ہوئے تن راست ہوئے تیر کی صورت یکسر

ہمہ تن ہو کے زباں کہنے لگا یوں سر دست
منہ بنا چاہیئے عاقل کو تعلّی سے حذر

رتبہ میرا تجھے معلوم نہیں سن مجھ سے
منحصر ہے صفت عقدہ کشائی مجھ پہ

ہے حسینوں میں رسائی تری گاہے گاہے
کوچۂ زلف میں میری ہے جگہ آٹھ پہر

رات دن خندۂ شادی سے عیاں ہیں مرے دانت
اپنی تقدیر کو روتا ہے تری آنکھ ہے تر

مری ہی شکل سے مقبول دل عالم ہے
پنجۂ مرجاں کا ہو یا پنجۂ خورشید سحر

کہتے ہیں پنجۂ مژگاں کو جو شانہ شاعر
اس کو آنکھوں پہ جگہ دیتے ہیں ارباب نظر

ہے جو لبریز عسل شانۂ زنبور عسل
اس عذوبت کا سبب نام کا میرے ہے اثر

کی ہے تشبیہ یہ نے سیدا جو شباہت میری
لفظ اللہ میں شامل ہے وہ کر خوب نظر

شانۂ عاج کبھی شانۂ شمشاد کبھی
شانے میں دیکھتے ہیں فال تو پاتے ہیں ظفر

صاحب ریش نہ جب تک کہ کرے شانہ کشی
ہو نہ حاصل شرف پیروی پیغمبر

اس میں بھی لفظ ہے شانہ کا نہ ہے عز و شرف
جل شانہ ہے جو توصیف خدائے اکبر

تو نمانے تو نمانے مجھے کیا پروا ہے
عیب میں جو ہے اسے کب نظر آتا ہے ہنر

سوچ تو دل میں ذرا عیب ہیں تجھ میں کتنے
سادہ و شوخ و دریدہ دہن و بدگوہر

سوجھتا خاک نہیں کوردلی سے تجھ کو
سخت جاں تیرہ دروں اصل ہے تیری پتھر

روبرو اور سرا حال ہے غیبت میں کچھ اور
صاف عالم کی دورنگی کا ہے تجھ میں بھی اثر

چشمۂ آب تو ظاہر میں ہے باطن میں ہے آگ
دھوکے پیاسوں کو دیا کرتا ہے تو شام و سحر

خود نمائی کے سوا تجھ میں نہیں کچھ بھی صفت — سادہ لوحی کے سوا تجھ میں نہیں کوئی ہنر

صاف ایسی ہے مثال جس کہ شب گور ہے تو — شب تیرہ میں تجھے کچھ نہیں آتا ہے نظر

سمجھا جیسے پرتہ جیسے مسئلہ جو ہو ذہن نشیں — نہ مٹے پر نہ مٹے بال پڑے دل میں اگر

قصہ کوتاہ زیادہ ہوئی دونوں میں جو بحث — تھے جوان دونوں کے حامی انہیں پہنچی یہ خبر

آئینے کا تو رخِ صاف طرفدار ہوا — باندھ لی زلف نے شانے کی حمایت پہ کمر

لشکرِ روز تو زیرِ علمِ عنبر و رخ — فوجِ شب با دشنہ گیسوئے پریشاں کی سپر

اک طرف ماہ ہوا ایک طرف پرتوِ مہر — اک طرف شام ہوئی ایک طرف نورِ سحر

سنبل و شبو طرفِ زلفِ سیاہ — لشکرِ لالہ و گل جانبِ رخ کے انور

پیرِ گردوں نے کہا طرفہ قیامت آئی — اب کوئی آن میں ہوتا ہے جہاں زیر و زبر

بیچ میں پڑ کے کہا خوب نہیں ہے یہ فساد — صلح اس جنگ سے ہر ایک طرح ہے بہتر

حق میں دونوں کے یہ اولیٰ ہے کہ پاس عقل چلو — صاحبِ حکم جو ہے مہرِ عدالت گستر

کون وہ قطب علیخاں بہادر نامی — شیخ جود و سخا زیب دہِ علم و ہنر

اس قصیدہ میں (۱۱۴) شعر ہیں۔

قصیدہ دیگر

ہوا جو شاہدِ ماہ آسماں پہ جلوہ فروش — عروس شب ہالہ سحر اگر کھول کر آغوش

سوادِ شب میں نظر آئے اس طرح انجم — آ بیٹھے ہوں گرد میں جس طرح طفلِ بازیگوش

وہ چاندنی کہ ہوا قلزمِ ضیا مواج — لبانِ رعشۂ اندام زندِ ساغر نوش

نہ شورِ مردمِ بازار نہ صدائے بانگِ درا — کہیں کہیں جو رہا بھی تو پاسباں کا خروش

جوان و پیر و صغیر اپنے اپنے بستر پر — بہ رنگِ صورتِ دیبا پڑے ہوئے خاموش

گلوئے ناطقہ میں مرسلہ سکوت کا طوق — غبارِ سامعہ نہاں زیرِ پردۂ گوش

نماز پڑھ کے عشا کی جو میں نے خواب کیا — تو پچھلی رات کسی کو دیکھا کہ کوئی شکلِ سروش

جگا رہا ہے مجھے کہہ رہا ہے مجھ سے یہ بات — شتاب اُٹھ کے روانہ ہو کھول دیدۂ ہوش

ہوئی ہے آج مرتب وہ بزمِ اہلِ کمال — کہ جس میں جمع ہیں سب نیک طبع دریا جوش

حکیم و شاعر و نثار و عالم و فاضل — صفیں درست کیے بیٹھے ہوئے [illegible]

طلب ہے تیری بھی جلدی سے دیکھ تو چلکر — نہ جس کو رسائی تھا [illegible] گوش

یہ مژدہ سن کے میں خوش خوش اٹھا روانہ ہوا — قبا عمامہ عبا کر کے زینتِ سر و دوش

ہوا جو داخلِ محفل عجیب سماں دیکھا — درِ مکاں تھا کہ کھولے ہوئے تھی جو آغوش

عجیب فرش عجب روشنی عجب شب ماہ — ہر ایک جھاڑ سے فوارہ ہائے نور کا جوش

بزرگ ایک بعز و وقار صدر نشیں — ملک خصال فرشتہ جمال و خضر پوش

خدا شناس خدا رس او ہر اک ہر طرح لوگ — زباں پہ ذکرِ خدا دل میں معرفت کا جوش

جو لوگ سامنے بیٹھے تھے سب وہ صاحبِ علم — وحیدِ عصر فریدِ زمانہ صاحبِ ہوش

یہ رنگ دیکھ کے ایسا ہوا میں ہیبت زرد — کہ جیسے سب کوئی وارد ہے زعفرانی پوش

سلام کر کے ہوا میں شریکِ صف لیکن — ہوئے حواس پریشان صورتِ مدہوش

کمال مجھ کو پریشان و مضطرب پاکر — کہا یہ مجھ سے مرے ہمنشیں نے گوش بگوش

کہ ہے یہ صدر نشیں پیر و مرشدِ عالم — زمیں ہے جس کا تاجِ سرِ آسماں تا پاپوش

فراخ حوصلہ عبد الرشید مولانا — تمام اہلِ سعادت ہیں جس کے حلقہ بگوش

یہ راست چپ جو ہیں بیٹھے ہوئے ملک خصلت — مرید خاص ہیں اس کے شرابِ عرفاں نوش

یہ رو برو جو ہے صف انہیں سے ہیں اہلِ کمال — بہ نورِ دیدۂ دانا ان میں کھول دیدۂ ہوش

یہ ہیں ظہوری و طغرا و عرفی و فیضی
یہ ہیں نظامی و جامی جو بیٹھے ہیں بیہوش

یہ شیخ سعدی ہے جس نے کہ چشم روشن کو
کیا ہے نظم گلستاں کی بیت میں چمن پوش

تمیز و بیدل و آزاد و صائب و شوکت
غنی کلیم سوا ان کے اور بھی ہیں پیش

طلب ہوئے ہیں جو یہ لوگ اسکی وجہ یہ ہے
زر سخن کسی کامل کا ہوگا زیور گوش

مرید ایک ہے اس مقتدی کا فاضل خاص
وہ مست بادۂ عرفاں ہے پیر بادہ فروش

جہینہ تاجور شہر مصطفی آباد
مطیع شرع نبی متقی عبادت کوش

جناب کلب علیخاں بہادر ذیجاہ
جو آنکھ اسکی ہے حق بیں تو گوش عذر نیوش

سحاب فیض غبار قدم ہے ہاتھ تو کیا
جو کوس فتح ظفر موج ہے وہ رعد خروش

صدائے ضرب شمشیر وہ کہ سن کے جسے
کھڑے ہوں کان ہر اک کے صوت سے خرگوش

بلند مرتبہ ایسا کہ جس کے مطبخ میں
طبق زمیں کا ہے خوان آسماں سرپوش

چمن میں ہر گل تر اُس کے فیض سے خنداں
فلک پہ ماہ ہے ہالے سے اُس کا حلقہ بگوش

وہ نثر خدمت مرشد میں اُس نے بھیجی ہے
سر نیاز اہل حسد کو ہے منصفوں کو ہے نوش

نہیں ہے دیر پڑھی جائیگی کوئی دم میں
سنیں گے کان جواہر دم سماعت کوش

سنا یہ حال تو تصویر وار بیٹھا میں
لگا کے تکیۂ دیوار سخن خاموش

جوان فصیح بیاں ایک ناگہاں آیا
لیے ہوے کئی اجزا ورق ورق گلپوش

ملا جو اذن تو طوطی زبان سحر بیاں
پڑھی وہ نثر مقفّی کہ سب کے اڑ گئے ہوش

نکل کے طفل معانی زبان فارسی سے
در آئے دیدۂ حساد میں سیہ پاپوش

زباں کا قصد کہ جائے فلک پہ شور ثنا
پکارتا تھا یہ سینے میں دل بجوش و خروش

کہا کسی نے خوشی میں کسی سے لانا ہاتھ
جو سر سے سر تو لڑے جھومنے میں دوش بدوش

اچھالے دست بیاں نے یہ اُسکے وصف میں پھول
زمیں تو کیا افق آسماں ہوا گلپوش

اچھل پڑے گل مضموں تو یہ فردوسی
اُٹھا یہ لطف کہ جامی بھی گر پڑے مدہوش

کہیں وہ نثر نظامی کی نظم سے بہتر
بیاں ہے کہ نور نے کی شمع انوری خاموش

بھرے ہوئے تھے ہوا میں جو لوگ نخوت سے
یہ رشک سے ہوئے لاغر کہ گھٹ گیا تن و توش

وہ فربہی نہ رہی اُن کے وہ سخن سرسبز
دو اور رم کی ہے جیسے گیاہ مزرع جوش

اخفا پسند ظہوری خطا مشق طغرا
وحید فرد غلط شوکت انکسار فروش

کہاں جلال چلا لاد شان برخوردار
زباں گنگ تھی جو پائے گوش عذر نیوش

قتیل کس میں کہ کھینچے وہ اپنی تیغ زباں
کہ ہے سخن کے قلمرو میں ایک دستار فروش

جو نثر ختم ہوئی خوش ہوا وہ صدر نشیں
ثنا و مدح میں گویا کئے لب خاموش

ہوا خوشی میں جو دریائے مرحمت مواج
منگا کے کشتی خلعت جو تھی جواہر پوش

جو پارچے کوئی پوچھے تو ایک سو اڑتیس
کہیں قبول کے اعداد جن کو صاحب ہوش

زیادہ اس پہ کیا تحفہ دعا سر دست
دیا وہ حائل خط کو کہ جائے مثل سروش

جو نثر کا ہے مصنف اُسے کرے تفویض
کہ دولت ابدی پائے وہ نیاز فروش

اُٹھا جو نامہ رساں بزم ہو گئی برخاست
یہ واقعہ ہے امیر اپنے شوق کا سرجوش

خدائے پاک رسول کریم کا صدقہ
صحابہ جن کے ہیں روح القدس سے دوش بدوش

جہاں ہمیشہ رہے اُسکی ذات سے روشن
چراغ دولت علیا کبھی نہو خاموش

رہوں رکاب سعادت میں میں بھی فارغ بال
مدام سر بکف دست و غاشیہ بر دوش

قصیدۂ دیگر

عالم خواب میں پہنچا میں عجب باغ میں کل
غنچۂ بلور کو جس باغ کی کہئے کونپل

خواب میں سبزۂ خوابیدہ جو دان کا دیکھے
خواب ہو طالع خوابیدہ کا خواب مخمل

سامنے اس کے کسی اور چمن کا کیا ذکر
گلشن خلد بھی مجھ کو نظر آیا جنگل

اک شگوفہ تھا اسی باغ کا باغ عشرت
ایک غنچہ اسی گلزار کا گلزار ازل

باغ عشرت کو نہیں وہیں کے دو پھول
میوۂ مقصد دارین وہیں کے دو پھل

واہ رے شوکت گل و لالہ اگر عکس پڑے
خون لعل آئے رگ کوہ بدخشاں سے نکل

سخت حیراں ہوں کہ دیوار کو دوں کس سے مثال
کہوں آئینہ تو آئینہ میں اتنا نہیں دل

دست گلکار سے سنبھالے تھیں نگہ کو آنکھیں
پھر بھی دیوار پہ جب چلتی تھی جاتی تھی پھسل پھسل

لالہ آتا تھا نظر یوں پس دیوار چمن
جس طرح شیشۂ محل میں کوئی روشن مشعل

خط گلزار سے ہر گل پہ یہ مصرع تحریر
نقش ثانی ہے یہ فردوس ہے نقش اول

طوبیٰ و سدرہ کی شاخیں ہیں پئے تسلیم خم
عرش تک فرش سے ہے باد بہاری کا عمل

ہے یہ تاثیر نمو تا بہ حجر سم کے کشمیں
صورت وسبت چنار آئیں نئے سر سے نکل

قوت نامیہ کا تھا یہ تعلی سے کلام
طائر لست ہے اس باغ میں چرخ اول

قطعہ

سبزہ کا کہکشاں غنچۂ پروین کیسا
خوشۂ تاک رگ تاک سے آیا ہے نکل

اور شاخوں کا تو کیا ذکر ہے فیض نمو
نکلے گر باتیں بھی شاخ تو پھوٹے کونپل

خواب میں دیکھے اگر ترک فلک یاں کی بہار
شب ہی کو گلشن انجم کو کرے مستاصل

کچھ بھی دکھلائے اگر باد بہاری نیرنگ
گل ہوں گلدان میں انگار سے دردل منفعل

ٹکڑے بدلی کے نہ تھے ہندوے سوسن کیلیے
بھر کے آیا تھا وہاں چھاگلوں میں گنگا جل

نوجوانانِ چمن دھوپ سے کیا کمھلاتے — چتر کھولے ہوئے پھرتے تھے ہوا پہ بادل

ہر روش سبزے پہ واں عکسِ گل و لالہ نہ تھا — سبز تھی پھولوں کی بالائے بساطِ مخمل

مور تھے رقص میں مصروف برنگ ریلے — جھومتے پھرتے تھے مستوں کی طرح سے بادل

سینے تانے ہوئے پھرتے تھے چمن میں طاؤس — اس تمنا میں کہ لگ جائے گلے سے بادل

لڑکھڑاتا تھا جو مستی میں کہیں پائے نسیم — غنچہ کہتا تھا چٹک کر کہ خبردار سنبھل

چمنِ دل میں جو عارف کے چلی واں کی نسیم — گلِ صد برگ بنے غنچۂ اسرارِ ازل

سوئے بت خانہ جو پہنچی وہ ہوائے باغِ بہشت — کلمہ توحید کا پڑھنے لگے عزا و ہبل

کیا عجب دانۂ اسپند ہو جلکر پھر سینہ — کہ وہاں اُٹھتے ہی بنتا ہے ہوا پر بادل

اس قصیدے میں (۱۶۱) شعر ہیں۔

یہاں تک قصائدِ مطبوعہ کا انتخاب پیش کیا گیا ہے اب غیر مطبوعہ قصائد لکھے جاتے ہیں

قصیدۂ غیر مطبوعہ

جب سے عالم میں ہے دورِ آسمانِ چنبری — کب ہوا مجھ سا کوئی سلطانِ ملکِ شاعری

خوبصورت کس قدر ہیں میرے معانی کی ہے فوج — ہے پھریرا ہر علم کا صورتِ بالِ پری

راہوارِ فکر سے میرے اگر ہو ہم عناں — ابلقِ ایام کھائے ہر جگہ اسکندری

نعمتِ دنیا سے کیا مطلب مزہ ہے شعر کا — جس طرح اہلِ ریاضت دشمنِ تن پروری

بے مشقت کب ہوئی حاصل مجھے مشقِ سخن — سینہ کاوی سے ملی مثلِ نگیں نام آوری

ناتواں ہر چند ہوں لیکن وہی ہے زورِ طبع — سست کب کرتی ہے چیتے کو کمر کی لاغری

ہفت کشور میں مری روشن بیانی ہے عیاں — صورتِ خورشید ہے خلقت میں عالم پروری

کھینچتا ہوں خامۂ فکرت سے مضموں کی شبیہ — ہے مری مضموں طرازی یا فنِ صورت گری

سرو ہے ہر ایک مصرع پھول ہے ہر ایک نقطہ
قابلِ گلگشت ہے گلزارِ معنی پروری

فکرِ عالی کو ہمیشہ استعانت سے ہے ننگ
شعر کو کیونکر غزالوں سے ہو چشمِ یاوری

گرد ہیں شعر سخنداں اُن میں ہے یوں میری جا
ہو نگیں جیسے میانِ حلقۂ انگشتری

لطفِ مضموں سے ہے خوب آگاہ میری چشمِ فہم
پیرتی ہے آبِ گوہر میں نگاہِ جوہری

میرے خامے نے کیے مضمونِ روشن مجتمع
شمع پروانوں کی کرتی ہے اگر گرد آوری

کون مضموں کا مرے آفاق میں جویاں نہیں
اس پہ کنعاں کا ہے سارا زمانہ مشتری

صحتِ الفاظ و معنی بندشِ اشعار چست
شستہ ہے مضموں تو عیبوں سے قوافی ہیں بری

بزمِ معنی میں ہے روشن میری طبعِ گرم سے
وہ چراغِ نظم پروانہ ہے جس کا انوری

میرے آگے شعر میں ایسا ہلالی گھٹ گیا
ہے ہلال آسا گریباں گیر اس کی لاغری

بے صدا ہے میرے آگے یوں خاقانی عرب سے
تار کو آواز کے اس کا گلا ہے جنتری

کیا کرے پھر دعویٰ روشن کلامی شمسِ قیس
سامنے آتے ہی میرے جسم میں ہو تھرتھری

میرے جامِ فکر کا جامی ہے ادنیٰ جرعہ خوار
مجھ سے سیکھا ہے نظامی شیوۂ نظمِ دری

کاہی کو طفلِ مکتب جانتی ہے میری فکر
کاتبی بھی میرے دفتر کا ہے ادنیٰ دفتری

تب ہو آئے عرفی و فیضی و حافظ کی مراد
بندۂ درگاہ بنکر جب چڑھائیں حاضری

کرکے وا دروازۂ تعلیم بیٹھوں میں اگر
ہے نقیبِ شاہی بھی آئے بہرِ دریوزہ گری

خسرو و سعدی کبھی ہوتے نہ مشہورِ جہاں
میں نہ کرتا فکرِ مضموں میں جو اُن کی یاوری

فکرِ صائب نے مری صائب کو شرمندہ کیا
روبرو میرے ہوئی فطرت کی گم دانشوری

پا گیا تھا بزمِ معنی میں مری جھوٹی شراب
ہے جو سرخوش نشۂ صہبائے معنی پروری

کیا تعجب اُن میں کوئی ہو سکے میرا حریف
ایک جوہر ہے مری تیغِ زباں کا جوہری

فارسی تو فارسی اردو میں بھی وہ بات ہے / ہفت کشور میں وہاں ہے سکۂ بالاتری

سوز جرأت درد حسرت میر انشا مصحفی / میرے باعث سے جہاں میں سب کی ہے نام آوری

ہاتھ آیا ہے جو سرمایہ سخن کا ہے، سجا / کی ہے سودا نے میرے بازار میں سحر آگری

شعر کہتا ہوں نہ کہ حاصل صلہ ہو یا نہ ہو / طور کی چوٹی نہیں محتاج مو باف زری

امتحاں کرے سخن کا جس کو ہو مدِ نظر / خوف کیا اس کو کسوٹی کا جو چاندی ہے کھری

ہاں یہ کیا کہتا ہے روک اپنی زباں کو اے **امیر** / تجھکو استادوں سے بیجا ہے خیالِ ہمسری

فخر کرنے کی ترے البتہ اتنی بات ہے / جس کا ہے مداح تو ہے ختم اس پہ سروری

نامور نواب **مشتاق علیخاں** جم وقار / آسمانِ جاہ و تمکیں مہرِ عالم پروری

اس قصیدے میں (۸۵) شعر ہیں۔

قصیدہ دیگر

شام ہونے ہی جو نیند آگئی اندک اندک / نظر آئی مجھے اک برق تجلی کی چمک

چونہی سی دیکھو ہوئی نیند اڑی آنکھ کھلی / ہوشیاری نے کہا خواب میں غفلت سے سرک

نیم باز آنکھوں سے اللہ کی قدرت دیکھی / شمعِ رخ پر پرِ پروانہ ہوئے ہوئے پلک

سرمہ آنکھوں میں لب لعل پہ مسی کی دھڑی / سرخی پان کو روا خون تمنا سے ملک

ہمہ غمزہ ہمہ عشوہ ہمہ شوخی ہمہ ناز / دل پکارا کہ یہ شکلیں نہیں دیکھیں اب تک

واہ کیا حسنِ خداداد فریبندۂ دل / جس کے نیرنگ سے نکلے یہ بہتر مسلک

ناز کا قول یہ دکھلا کے سر زلف دراز / جانیوالو عدم آباد کی سیدھی ہے سڑک

چھین لینے کو اگر دل کے چلے کس کے کمر / حسن خوں ریز کو دے اور وہ غمزہ پہ چپک

کھینچ کہ قاف میں نقشہ جو مصور لیجائے / دل پریوں کے ابھی تک ہیں کہ بیٹھے نہ پلک

سامنے عارض کے نور کے ذرہ خورشید
چاند بھی ماند وہ پیشانی انور میں چمک

نہ اڑے شعلۂ رخ سے تو کرامت سمجھو
خال بارود کا دانہ ہے مسی ہے نمک

لب نازک ہے جو گلبرگ تو غنچہ ہے دہن
آنکھ وہ شوخ کہ نرگس سے ہے اسکو پشمک

دانت موتی ہے کہیں لعل سے بہتر لب لعل
پنجہ مرجاں کا تو یاقوت کی تختی وہ کلک

پھیر دے پنجۂ مژگاں سے کلیجے پہ چھری
نگہ تیر سے دیکھے تو لگائے ناوک

سب پر آتا ہے نئی چوٹ وہ غمزہ کا پھکیت
نہ تو موٹھ ہا نہ تمانچہ ہے نہ چالی نہ کڑک

دل میں آتا ہے سراپا کے لکھوں کچھ مضموں
چھوٹ یاقوت کی ہو جس میں تو ہیرے کی چمک

مطلع

مانگ بالوں میں دکھاتی تھی ہر بار جھلک
چشمۂ شیر یہ ظلمات میں جاتا ہے چھلک

عنبریں صفحے پہ لکھا ہے سفیدی سے الف
کاٹ کر نافے کو کافور بھرا ہے بیشک

کھینچ کر حسن نے رکھی ہے سپر پر شمشیر
عشق کہتا ہے دم قتل کہ النصرۃ لک

دیکھکر مانگ کو اس کی حکما کہتے ہیں
نہ رہا معجزۂ شق قمر میں کچھ شک

زلف پر پیچ ستم حلقۂ گیسو آفت
طوق یہ حور کی گردن کا وہ زنجیر ملک

سایۂ رحمت حق دوش پہ دونوں گیسو
خوب واقف ہیں جو کاندھے پہ کل میں ملک

کیا صفائی ہے کہ اس جبہۂ نورانی پر
آنکھ پڑ جائے تو آنسو کی طرح آئے ڈھلک

خوشنما آنکھوں پہ کھنچے ہیں یہ دونوں ابرو
سایہ افگن ہیں سر حور پہ دو بال ملک

گرمی الفت ابرو ہے عجب شعلۂ قہر
آنچ تلوار کی اچھی ہے بری اسکی لپک

چشم قتال اگر مائل خونریزی ہو
دے کے شمشیر کرے سرمہ کی تحریک پلک

صاف ہوتا ہے عیاں مردمک مژگاں سے
جلوہ گر خط طلائی میں یہ بالائے محک

تیغ ابرو کی نہ کھنچی ہے نہ مژگاں کی چھری
ورنہ سرپیچ کے کس شوق سے لیتے گا ہلاک

پتلیاں پڑھ کے دعا نور کی دم کرتی ہیں
دیتی ہیں دفعِ بلا کے لئے پلکیں دستک

رخ کی تعریف کا اک لفظ بھی لکھے جو قلم
وصلی ہو کاغذِ ابری کی چمک کر ابرک

نظر آتا ہے یہی چہرۂ رخشاں شاید
خوابِ غفلت میں جو ہنس پڑتے ہیں اکثر کودک

اثرِ عشق اسی چہرۂ پر نور کا ہے
کیوں نہ دردِ دلِ عاشق میں تجلی کی چمک

طور پر جا کے جو یہ برقِ درخشاں چمکے
ہے یقیں برقِ تجلی کی جھپک جائے پلک

کیا اسی چہرے کو دیکھا تھا کبھی آئینے نے
چشمِ آئینہ جو حیرت سے کھلی ہے اب تک

خال کا ذکر بھی ہے وصفِ سراپا میں ضرور
ذائقہ دے وہ سخن تا کہ ہو جس میں نمک

ہے عجب مصرعِ دلچسپ وہ تشبیہ سوا دل
کہ کسی سے نہ لگا مصرعِ ثانی اب تک

سرکشی یہ کہ قیامت جو لگاوٹ چاہے
دے صدا پاؤں کی خلخال کہ چل دور سرک

دیکھ لیں اسکو اگر دور سے غش آنے لگے
تھام لیں قائمہ عرش کو گھبرا کے ملک

قد الف ہے تو رخِ صاف کا تل ہے نقطہ
حسن ان دو کے سبب ایک سے دس ہے بیشک

عقل گم ہے کہ کہوں میں دہنِ تنگ کو کیا
آج تک بات کہ نہیں منہ میں زمانے کو ہے شک

اس قدر اس دہنِ تنگ سے خجلت کھینچی
منہ چھپائے ہوئے ہے خلق سے غنچہ اب تک

بات اتنی ہے کہ ہے ہونے نہ ہونے میں کلام
زیرِ لب اس لئے ہے خالِ سیہ نقطۂ شک

لب ہیں یا بادۂ گلگوں کی دو موجیں ہیں
دو سیہ مو ہیں کہ عالم کو دکھاتے ہیں جھلک

دوں جو گلبرگ سے تشبیہ گل ایسے پھولیں
سو جگہ سے وہیں پیراہنِ گل جائے مسک

کیا مزہ ہے جو کبھی لب پہ تبسم آیا
بھر دیا کوٹ کے عشاق کے زخموں میں نمک

صفتِ سیبِ زنخداں میں ہے کیا حاجتِ فکر
پختہ میوے کی طرح پڑتے ہیں مضموں ٹپک

دیکھتی چاہ تو یوسف چہ کنعاں سمجھیں
چاہِ بابل کا گماں ہو اسے دیکھیں جو تک

ہیں اسی چاہ میں ڈوبے ہوئے خورشید و قمر
اسی گرداب کی الفت سے ہیں چکر میں فلک

کان وہ کان کہ جس کی نہیں مدحت ممکن
اور تشبیہ غلط کان جواہر بیشک

ہے سجا سامنے اُن کے جو صبا گلشن میں
دیتی ہے کان پکڑنے کی گلوں کو پر چاک

قلمِ نور سے لکھی گئی گردن کی بیاض
سورۂ نور رقم جس میں ہے بے شبہہ و شک

آزمایا تھا کسی روز اسے بازو نے
کہ کمانِ مہِ نو سے نہیں جاتی ہے لچک

آستیں غیظ سے الٹی تو زمانہ الٹا
آگیا تیغِ دو دستی کے تلے ہر تارک

واہ کیا پنجۂ پر نور ہے سبحان اللہ
بارہا پھیر دیا پنجۂ خورشید فلک

دیکھکر پنجۂ رنگیں یہ ہے رنگیں کا کلام
کبھی ایسا نہیں دیکھا ہے مخمس اب تک

ناخنوں سے ہے سر دست کرامت ظاہر
دیکھ لو بدر و ہلال ایک جگہ زیر فلک

بال سے ٹھیک ہے باریک کمر کی تشبیہ
گرہِ موے کمر ناف ہے بے شبہہ و شک

دیدۂ ناف ہیں پر بال کمر ہے لیکن
نہ کہیں درد نہ آشوب نہ سرخی نہ کھٹک

ناف تو نون میاں ہے الفِ ناف کمر
ترجمہ اسکا ہے لا نفی ہے ظاہر بیشک

ساقِ پا دستۂ بلور کہ شمع کافور
ران پر نرمی مخمل ہے تو سونے کی ڈلک

دیکھے اندھا جو خزانے ہیں نہاں زیرِ زمیں
آنکھ پر نقش قدم کی جو لگائے عینک

الغرض دیکھ کے یہ شکل ہوا میں بیتاب
پڑ گئی تیغ کلیجے پہ جگر پر ناوک

بول اٹھا کون ہے تو نام بتا دے مجکو
تیرے مقدم سے گیا اختر تقدیر چمک

ہنس کے شوخی سے کہا نام ہے میرا زہرہ
پہلے رہتی تھی یہیں اب ہوں میں بالائے فلک

کون آفاق میں ہے جو نہیں واقف مجھ سے
شہرۂ حسن سما سے ہے مرا تا بہ سمک

اترآئی جو زمیں پہ نہ سبب پوچھا اس کا — جائے حیرت ہے کہ غافل ہے تو اس سے آپ تک

جن میں خلعتِ نواب کے مہمان ہوں میں — کون نواب قدسیہ فلک عرش ہیں ملک

آج وہ دن ہے کہ خرم ہے ہر اک جن و بشر — آج وہ دن ہے کہ شاداں ہے ہر اک حور و ملک

اس قصیدے میں ایک سو اُنچاس شعر ہیں۔

قصیدہ مشتمل بر معرکہ پیکار خزاں و بہار

سلطانِ شرق نے جو بصد عز و افتخار — برجِ حمل کو آ کے کیا تختِ زرنگار

پہنچے خط شعاع کہ سب مستعد رہیں — جتنے قوائے نامیہ کے ہیں رسالہ دار

دربار گرم تھا کہ خبر دی یہ ناگہاں — ہرکارے نے صبا کے کہ اے شاہِ نامدار

غارتگرِ خزاں نے کیا ملک کو خراب — اُڑتی ہے خاک باغ میں ویران ہے دیار

جمعیتِ کثیر سے آیا ہے لوٹنے — دیکھو جدھر علم ہیں بگولوں کے آشکار

اتنی سپاہ ہے کہ نہیں انتہا کہیں — ذرات کے پیادے ہیں خاشاک کے سوار

افسر ہیں فوجِ میمنہ و میسرہ کے دو — اس کا سموم نام ہے اُس کا لقب غبار

اوراقِ خشک نوبت و نقارہ کی جگہ — گویا ہوا کے گھوڑے پہ ہیں نوبتی سوار

کالی ہیں وردیاں کہیں خاکی ہیں وردیاں — اک زاغ کا گروہ ہے اک بوم کی قطار

آندھی کا اُس کے ساتھ ہے اک خیمہ سیاہ — صرصر رسن ستون شجرِ خشک خاردار

یہ سُن کے غیظ خسروِ خاور کو آ گیا — فرمان ہوا کہ جمع ہو سب لشکرِ بہار

گولے ڈلیں تگرگ کے کہہ دو سحاب سے — توپیں ہوں برق و رعد کی سر وقتِ کارزار

پھولوں کی پلٹنوں کو ملیں سرخ وردیاں — پہنیں لباس سبز جوانانِ شاخسار

موجوں کے ہر طرف سے زرہ پوش آئیں جلد — فوارہ ہائے آب کے حاضر ہوں نیزہ دار

قطروں کے یکہ تازہ دکھائیں دلاوری
فوراً رواں ہوں تیغ گزارانِ جوئبار

رکھیں سروں پہ خود بہادر حباب کے
ترکش سجیں بدن پہ دلیرانِ آبشار

نامی جو ہوں سپاہ میں وہ انتخاب ہوں
لشکر کے افسروں کا الگ چاہیے شمار

شمشیر خاں بید سرافراز خاں سرو
آزاد بیگ سوسن و میر آتش چنار

نیرات بیگ خیری و گل بیگ جعفری
آقا بداغ لالہ حسن خاں کوکنار

شاداب بیگ سبزہ صفا بیگ نسترن
خواجہ بلیغ زنبق و خواجہ بزرگ نار

تقسیم ہوں سلاح جوانانِ باغ کو
قتل عدو میں کام جو دیں وقت کارزار

صد برگ کی زرہ ہو تو سنبل کی ہو کمند
گل کی سپر ہو شاخ گل کی شمشیر آبدار

بید شیں سپاہ میں غنچوں کی پچکیں
سو ریچ مکھی کے خود ہوں تقسیم بیشمار

چار آئینے سمن گل کے تن پر کریں درست
کیلوں کے نیزے پائیں جوانان نیزہ دار

اس فوج کے سوا بھی کچھ آئے کمک کو فوج
ہو ایک سمت سے تو کسی سمت سے ہزار

شاہین و باز و جرہ کلنگ و خروس لائے
کبک و تدرو و فاختہ و طوطی و ہزار

طاؤس کی سپاہ بھی کنجشک کی بھی فوج
سرخاب کا بھی غول کبوتر بھی بیشمار

قازوں کا اک گروہ عقابوں کی ایک صف
ٹکڑی ہو کوئلوں کی پپیہوں کی بھی قطار

فرمان شاہ شرق سے پھر بعد جائزہ
لشکر ہوا روانہ پئے قصد کارزار

گھوڑے ہوا کے جھونکوں کے بگولوں کے فیل مست
لاکھوں گل پیادہ ہزاروں گل سوار

فوج خزاں ادھر بھی جمائے ہوئے پرے
آمادہ ہر گروہ تھا ہر اک صف ہر اک قطار

آنکھوں پہ ایسے پڑ گئے پردے غرور کے
ذروں کی فوج لے کے بڑھا افسر غبار

سوجھا نہ کچھ کسی کو زمانہ ہوا سیاہ
آندھی کی طرح چھا گئی وہ فوج نابکار

ایسے ہوئے بلند علم گردباد کے | چکر میں آگئی خضرِ چرخ کجمدار
فوج بہار نے بھی کیا قصدِ کشت و خون | جنبش ہوئی بڑھے علم سرو جویبار
کیں افسر سحاب نے تر دستیاں عیاں | کف تھا دہن میں ہاتھ میں تھی تیغ کوہسار
لکوں کے احدیوں نے اٹھائے جو بادیا | تڑکا نہ تڑکتا رہے محشر تھا آشکار
توپیں ہزار ہا جو چلیں برق و رعد کی | تھا زلزلہ زمین کو ہوئے کوہ رعشہ دار
سر اڑ گئے جا بجا گرے گولے تگرگ کے | قطروں کی گولیاں ہوئیں آ کے جگر کے پار
پشت و پناہ اُس کی جو تھا افسر سموم | تھے گرم جست و خیز خس و خاک کے سوار
پھولوں کے سرخ پوشوں نے ایسی لگائی آگ | جل جل کے خاک ہو گئے وہ تیرہ روزگار
اشہب سوار سوسن و گلگوں سوار گل | ایسے بڑھے کہ گھٹ گئے خاشاک کے سوار
غربال چھن کے ہو گئے ان ناکسوں کے تن | غنچوں کے گل چلوں نے یہ دی گولیوں کی مار
جو جھاڑیاں تھیں جھاڑ کے مانند جل اٹھیں | اوراقِ خشک جل کے بنے پھلجھڑی انار
کیا وقت پر مدد کمکی فوج نے بھی کی | کیا کیا شکارگاہِ چمن میں ہوئے شکار
اس فوج میں سپہ جو بگولوں کے تھے علم | طاؤس سب نگل گئے اُن کو سمجھ کے مار
طاقت تھی بوم کی کہ ہما سے ہو ہم نبرد | کیا زاغ عندلیب سے ہوتا بھلا دوچار
دم بھر میں صاف ہو گیا میدان ادہر ادہر | ذرے چھپے تو خاک کے ابر ہوا غبار
کیا افسر سموم کی چلتی کہ ابر نے | ٹھنڈا کیا لگا کے گلے سے تیغ آبدار
گرجا جو ابر فتح کا نقارہ بج گیا | تھا شادیانہ زمزمہ قمری و ہزار
سامانِ بزم ہو گیا میدان رزم میں | کیا کیا مے طرب کے چلے جام خوشگوار
فرشِ زمردیں جو بچھا سبزہ زار میں | مسند لگائی برق شقائق نے بوٹے دار

افسر جو تھے سپاہ کے بیٹھے وہ صف بہ صف
گلگوں کسی کا رخت کسی کا تھا زرنگار

ٹھاٹھ پہ تھے روشنی کے کہ مہندی کی ٹٹیاں
ہر سرو مثلِ سروِ چراغاں تھا نور بار

مطرب تھی عندلیب تو قوال فاختہ
طاؤس رقص کرتے تھے محفل میں بار بار

غنچے سبو تھے لالہ و گل ساغرِ شراب
مینائے سبز فام ہر اک سروِ جوئبار

جنبش میں بادِ تند سے آتے نہ تھے درخت
مے پی کے جھومتے تھے وہ مستانِ بادہ خوار

مہتابی ماہتاب تو ہر پھول پھلجھڑی
بنکر انار چھوٹ گئے ہر طرف انار

شبنم نے پائے گوہرِ غلطاں گلوں نے زر
جاری ہوا یہ فیض مشتِ ابرِ نو بہار

رومال سرخ دوشِ شقایق پہ چار باغ
شبنم سے پھول پہنے ہوئے موتیوں کے ہار

پھولا کہیں درمنہ کہیں اشرفی کے پھول
لاکھوں درم تو اشرفیاں بٹ گئیں ہزار

دیکھا یہ رنگ میں نے پہنچکر جو باغ میں
اور پوچھی وجہ جشن تو یہ بول اٹھی ہزار

جشن اس کی فتح کا ہے جو سپاہ ہے
زیرِ لوائے حضرت نواب نامدار

حامد علی خاں بہادر فلک شکوہ
زیبا ہے جس کی شان میں مطلع یہ آبدار

۱۶۹
اس قصیدے میں ایکسو انہتر شعر ہیں۔

قصیدہ در تہنیتِ عیدِ اضحٰے

بارک اللہ عجب نور کی ساعت آئی
عید کے پردے میں اللہ کی رحمت آئی

رنگ اسلام کا تقدیر کی صورت چمکا
ہر مسلماں سے گلے ملنے سعادت آئی

چار سو عید مبارک کا ہوا شور بلند
سال بھر کی تھی جو حسرت پے رخصت آئی

دل ہوا شاد ہر ایک چہرے پہ سرخی دوڑی
رنگ اڑاتی ہوئی احباب میں فرحت آئی

لے اڑے پھول بہا خون جو قربانی کا
لالے کی طرح ہتھیلی میں بھی حمرت آئی

سرخ پوشاک ہوئی زینتِ تن مثلِ چمن
گوشے دامن کے سنبھالے ہوئے زینت آئی

پیشوائی کے لئے رونقِ ایماں دوڑی
تہنیت کے لئے اسلام کی شوکت آئی

کھل گئے دولت و اقبال کے سب دروازے
عید کیا آئی کلیدِ درِ جنت آئی

ہوئی سو جان سے قربان بہارِ گلشن
پھولوں میں عشق کی بو خون کی رنگت آئی

لب پہ تکبیر کی آواز ہے باندھا احرام
دل میں کہتی ہوئی لبیک مسرت آئی

راحت و فرحت و بہجت نے کیا دل کا طواف
حج ادا کرنے جماعت کی جماعت آئی

نام حج کا جو سنا ہو گئی خلقت بے چین
عید کی طرح خوشی کو بھی یہ حسرت آئی

حج کی مشتاق ہوئی طاق ہوئی طاقتِ صبر
لیکے قسمت اُسے سوئے درِ دولت آئی

راستے بند تھے کیسے کو وہ جاتی کیونکر
اس طرف ساتھ لئے شوکت و حشمت آئی

درِ دولت پہ جو پہنچی ہوئی پھر پھر کے نثار
مل گیا حج کا ثواب اوج پہ قسمت آئی

ہے وہ کس کا درِ دولت جو ہے دارا درباں
جس کے طالع پہ سکندر کو بھی حسرت آئی

جس کی توصیف سے گویا ہے ملائک کی زباں
جس کی تائید کو اللہ کی رحمت آئی

جس کے صدقے میں سلاطین کو ملا تاجِ دنیا
جس کے حصے میں سلیماں کی تو دولت آئی

جس کی قسمت میں فریدوں کا لکھا تھا اجلال
جس کی فطرت میں فلاطوں کی فطانت آئی

سن کے یہ بین نے وہ برجستہ لکھا اک مطلع
صدقے ہونے کے لئے جس پہ بلاغت آئی

مطلع

اے خوشا ذات کہ سرمایۂ رحمت آئی
دولتِ عز و شرف جس کی بدولت آئی

پاؤں رکھا جو رہِ سلطنت آرائی میں
دین رہبر ہوا دنیا پئے خدمت آئی

سایہ بن کر لگے قدموں سے کمال و اقبال
چتر بن کر سرِ پرنور پہ رحمت آئی

دلنوازی ہوئی ہمدم کہ ہمیشہ رہے جی — خیر خواہی کے لئے خیر کی نیت آئی

دستگیری کا جو تھا شوق ازل سے اسکو — اسکی مٹھی میں زمانے کی حکومت آئی

ایسی سرکار کہاں اسکو میسر آئی — عقل ہشیار تھی جو بہر وزارت آئی

اس قصیدے میں (۶۸) شعر ہیں

قصیدہ دیگر

واہ کیا اختر اقبال ہے یاں سمت چمکا — کہ انا الشمس کی ہر ذرے سے آتی ہے صدا

سقف و بام در و دیوار ہیں سب پر تنویر — مطلع نور درخشاں کی ہے ہر گھر میں ضیا

ہے زمیں رشک فلک رشک ہے [illegible] انجم — تابش نور سے ہے برج قمر ہر گھر ا

نور ہی نور برستا ہے جہاں تک ہم ہر سو — ہر زمیں شادی ایمن سے جھلک [illegible]

غیرت عارض خورشید ہے رخسار زحل — ابر ہے برق درخشاں تو زمیں رشک سما

آنکھ نہیں سکتی ہے اوپر کو جو [illegible] — لگتا ابر ہو جاتا ہے گماں بجلی کا

[illegible] ہوتی ہیں جو روشن تو اندھیرا جاتا ہے — [illegible] تاب شمس و قمر کا جلوا

روشنی کا ہے یہ عالم [illegible] ظلمات — آئینہ دیکھ کے آتی نہیں زنگی کو حیا

اس تجلی کا سبب یہ ہے کہ ہے [illegible] — ذات پاک اسکی جو ہے مظہر انوار خدا

[illegible] — جس کی تصویر تصور سے بصیرت ہو سوا

جس کے الطاف [illegible] — جس کے الطاف کے ہیں لطف و کرم طرح سرا

یہیں آکر تو روا ہوتی ہے حاجت [illegible] — یہیں آکر تو ہوا کرتی ہے تقدیر رسا

آستانہ ہے اسی کا تو [illegible] — در دولت ہے اسی کا تو در فیض و عطا

[illegible] — تن مخلوق ہے ہر عضو بدن بھی اس کا

اسمِ پاک اُس کا میں اس بحر میں لاؤں کیونکر
نارسا ہے مری قسمت کی طرح فکرِ رسا

لفظِ حامد جو علیحدہ بہادُر سے ملے
نامِ نامی مرے ممدوح کا ہو جلوہ نما

جسم پیوستہ دل سے ہو مداح دمِ مدح نثار
جسم پیوستہ جان سے قرباں ہو ہر مدح سرا

حکم جاری ہو اگر لطف و عطا کا اُس کے
نہ رہے چینِ جبیں کا کہیں دنیا میں پتا

ہے یقیں گوشۂ دامن کو جو دریا جھٹکے
چینِ موجِ آب سے ہو گرد کے مانند ہوا

قطعہ
روح افزا ہے ہوا مہر کی اُس کے ایسی
زندہ ہے جس کے سبب نامِ دمِ عیسیٰ کا

سر قلم ہو جو کسی تن سے بہ شمشیرِ شجیع
دوسرا سر ہو نئے سر سے اُسی دم پیدا

قطعہ
گر خرابات میں جا پہنچے کہیں قہر کی آگ
ہوش ہو جائیں خراباتیوں کے ایسے ہوا

طاق سے اُترے تو پھر سنگ میں شیشہ ہو نہاں
شیشے سے نکلے تو پھر تاک میں پہنچے صہبا

ہے عجب دور کہ دارا کا ہے دور اسپہ نثار
ہے عجب عہد سکندر کا ہے عہد اسپہ فدا

مٹ گیا ہے یہ سخاوت سے تہیدستی کا اثر
بیضۂ زاغ سے کیا دور جو پیدا ہو ہما

دیے اللہ نے ارکانِ ریاست ایسے
ایک سے ایک جو ہے عقل و فراست میں سوا

مہر کی آنکھ سے صحرا پہ جو ڈالیں وہ نگاہ
ہے یقیں پھول کے بستاں ہو ذرّا ذرّا

قہر کی آنکھ سے گر جانبِ ساحل دیکھیں
ایک قطرے میں سما جائے سمٹ کر دریا

انتظام ایسا ہے اس دور میں بیٹھا ہے یہ رعب
اپنے عاشق کا چُراتا نہیں دل دزدِ حنا

ہاتھ کھینچا ہے حسینوں نے بھی آزارش سے
تا کہ پردوں سے نزاکت کو نہ پہنچے ایذا

موج بیں ڈرتی ہیں کہیں پاؤں میں آ جائے نہ پیچ
بوجھ گرداب کی چھاگل کا نہیں اُٹھ سکتا

جس طرح شاہ ہے اوصاف میں اپنے بے مثل
بے نظیر ایسے ہی اُس شہ کو ملے ہیں وزرا

معدنِ جود و کرم مخزنِ الطاف و ہمم
عدل میں فرد تو ہیں نظم و نسق میں یکتا

سب کو ہے مدِ نظر خلق کو راحت پہنچے — رہیں تکلیف میں خود ہو نہ کسی کو ایذا

ہے اسی سے تو ہر اک کام میں ہر دم رونق — کارخانوں میں اسی سے تو ترقی ہے سوا

کتنی باتیں ہوئیں اس دور میں ایسی جن سے — بڑھ گیا مرتبہ جود و کرم بذل و عطا

جس طرف جائیے خیر و برکت کا ہے ظہور — جس طرف دیکھئے ہے نورِ خدا اک جلوہ

ایک بات اُن میں سے مذکور یہاں ہوتی ہے — جس کو سنتے ہی کہے خلقِ خدا صلِّ علیٰ

کہ بنائی گئی ہے ایسی جگہ اک مسجد — جس جگہ فرض تھا واجب تھا کہ ہو ایسی بنا

پاس اسی کے وہ بنایا ہے مسافر خانہ — جس میں ہر وارد و صادر کو ملے گھر کا مزا

کیمپ فوجی ہے قریب اُس کے بڑا ہے یہ لطیف — کہ حفاظت کے لئے رعب ہے اس کا بھرا

تھی جو منظور غریب الوطنوں کی راحت — اک نیا گاؤں بھی پاس اُس کے بسایا ایسا

کہ ضرورت کی ہر اک چیز وہاں ملتی ہے — جس مسافر کو جو حاجت ہو وہ ہوتی ہے روا

واہ کیا مسجدِ پُر نور ہے اللہ اللہ — نور ہی نور برستا ہے جہاں سر تا پا

طرفہ مسجد کہ جہاں صدق و صفا آئینے — طرفہ مسجد کہ جہاں فرش ہے تسلیم و رضا

طرفہ مسجد کہ اگر غور سے میں آجائے نظر — رقص کرنے لگے مومن کی جبیں پہ سجدا

نور کے قمقمے ہیں نور کی قندیلیں ہیں — یا عیاں طور پہ ہے برقِ تجلی کی ضیا

سر نگوں سجدہ طاعت میں مصلی ہیں جہاں — شورِ تکبیر کہیں ہے کہیں تسبیح خدا

اک حکایت نئی لکھتا ہوں میں اس مسجد کی — سامعین اس کو سنیں گوشِ توجہ سے ذرا

ابھی تعمیر ہی ہوتی تھی کہ برسات آئی — اور ہوئی بارشِ بارانِ کرم حد سے سوا

تھی جو دریا [illegible] — جوش میں تھوڑی دیر میں سے پانی دوڑا

چاہتا تھا اسے آغوش میں لیا کھینچے — کہ جو دیکھیں تو کریں سر دم آبی سجدا

موجیں وہیں لوٹ ہے تو گرداب کریں اُس کا طواف
پتلی آنکھوں کی بنائے اُسے قطرہ قطرا

اِس طرف مریمِ آبی تھے اُدھر تھے خاکی
ساری برسات اِدھر اور اُدھر زور رہا

اُس طرف آئیں پہاڑوں سے کمک کو موجیں
اِس طرف موجِ حمایت نے خدا کی روکا

بیشک ہے آدمِ خاکی کو شرف آبی پر
عرق آ آگیا دریا کو مگر کچھ نہ ہوا

پھر گیا خاک بسر غرقِ خجلت سے
پانی پانی ہوا پانی کہ نہ کچھ زور چلا

خاکساروں کو ہوئی فتح نصیب آخرِ کار
شکر ہے خاکیوں کے ہاتھ یہ میدان رہا

اللہ اللہ عجب شان ہے اِس مسجد کی
جس کو لڑ بھڑ کے بڑے معرکے سے جیت لیا

مومنو تم کو مبارک یہ ظفرمندی ہو
فتحِ اسلام مبارک ہو بجا وہ ڈنکا

جلوہ فرما ہے یہاں آج تمہارا سردار
رونق افزا ہے یہاں آج تمہارا مولا

جس کی پیشانی پر نور ہے اک آیۂ نور
ورقِ مصحفِ رب ہے رخِ انور جس کا

اس تجلی کدۂ خاص میں اُس کا ہے نزول
برق سے بڑھ کے تجلی میں ہے جس کا سایا

اور ہی نور کا عالم ہے اب اِس مسجد کا
برج آتے ہیں نظر صورتِ طورِ سینا

دیکھ کر اِس کے مناروں کو خیال آتا ہے
کہ فرشتے یہ اٹھائے ہوئے ہیں دستِ دعا

ہوئے جمعے کی جماعت میں جو سرکار شریک
رونقِ اسلام کی دو چند ہوئی شکرِ خدا

میں نے خوش ہو کے کہا سالِ نزولِ اجلال
کعبے میں قبلۂ حاجات ہیں مصروفِ دعا

چاہیے سب کو زیارت سے مشرف ہو کر
ہر زباں ہو کے کہیں صلِ علیٰ صلِ علیٰ

ہے نمائش کی نمو اس کی نموداری سے
جشنِ جمشید کے مانند جما ہے میلا

صاحبِ جشن سے ہے جشن کی ساری رونق
ہے یہ میلا تو برات اور وہ اس میں دولہا

طول اچھا نہیں نازک ہے دماغِ ممدوح
چاہیے تجھ کو امیر اب کہ اٹھا دستِ دعا

جب تلک خانۂ کعبہ کی بنا ہے باقی | جب تلک مرجع اسلام رہے بیت خدا

یہ ریاست رہے سرسبز رعایا آباد | نخلِ دولت شجرِ شوکت و اقبال ہرا

جس قدر جس سے ہو اس عہد میں دولت خواہی | بڑھ کے دنیا سے ملے اس کو جزا روزِ جزا

قصیدۂ دیگر

عیدِ اضحیٰ نے کھلایا ہے وہ لالے کا چمن | کہ شفق لوٹتی ہے دیکھ کے اُس کا جوبن

عید میں عید جوانانِ چمن کو ہے نصیب | غسل کرتے ہیں بدلتے ہیں نئے پیراہن

رختِ گل کے لئے ہے مخملِ رنگینِ شفق | اطلسِ چرخ ہے بہرِ لباسِ سوسن

غنچے کی طرح معطر ہے فلک کا بھی دماغ | عطر افشاں ہے ہوا بادِ بہاری کا چلن

عرقِ شرم میں اختر کو ستارے ڈوبے | اس قدر پھول چنبیلی کے ہوئے چشمک زن

جا بجا ابر کے لکے نہیں بالائے فلک | سبزہ زاروں میں یہ چرتے ہوئے پھرتے ہیں ہرن

طوطیِ سبزۂ نوخیز بھی ہے زمزمہ سنج | جیب سے آئینہ دکھاتی ہے اُسے [illegible] چمن

لیکے اٹھتے ہیں بگولے زرِ گل کے توڑے | کوڑیا لے سے ہے ایسا متمول ہر بن

سبزہ بالائے زمیں بر [illegible] فلک ابرِ سیاہ | سبزہ زار ایک طرف ایک طرف کجلی بن

یوں چمکتی ہے کبھی ابرِ سیہ میں بجلی | جس طرح منہ سے اگل دیتا ہے کالا کوئی من

قافلے بوئے گلِ تر کے ہیں راتوں کو رواں | کیا عجب چاندنی کے فرش میں پڑ جائے شکن

[illegible] آواز میں ہے قوسِ قزح کی رنگت | رنگ جھیجا ہے جو بنے فصل بھی گائیں ساون

[illegible] ہیں دلِ اہلِ تماشا پامال | کبک کہسار کا سیلاب نے سیکھا ہے چلن

[illegible] بینا ہوسے ہے چمن مردمِ چشم | اس لئے نرگسی ہے ہر صفِ مژگاں چلمن

[illegible] نہیں ہیں وحشت سے | اس قدر دیدۂ نرگس کی ہے تیکھی چتون

چاندنی میں جو پڑا ادک ار اگائیں ۔۔۔ شاخ آواز سے پھوٹیں گل نسرین و سمن

بانٹی پہ چمپے کے پھولوں نے سنہری نکہت ۔۔۔ تنگئے سونے کے پتلے صنم سیم بدن

باغ عالم میں ہے یہ نشو و نما ان روز دل ۔۔۔ منہ سے ہوتے ہی جدا پھولتا پھلتا ہے سخن

کثرت گل سے یہ ہموار ہوئے پست و بلند ۔۔۔ کہیں رکتی نہیں چلنے میں زبان الکن

سبزہ رنگان چمن آنکھ پہ آ جاتے ہیں ۔۔۔ سبزے پر نام خدا اٹھی ہے ایسا جوبن

کوچۂ گیسوئے سنبل میں یہ شبنم کا ہے رنگ ۔۔۔ بھرتی ہے موتیوں سے مانگ کو جس طرح دلہن

مسی سوسن کی جو پھیلی صفت ابر سیاہ ۔۔۔ تا کش صورت طاؤس ہوا چرخ کہن

رنگ لے لیکے اڑی لالہ و گل کا جو نسیم ۔۔۔ ہو گیا ابر سیہ کا شفقی پیراہن

شوق سے ہاتھ بڑھاتی ہے زلیخائے بہار ۔۔۔ یوسف گل کا کہیں چاک نہ ہو پیراہن

ایسے موسم میں جو گذرا میں گلستاں کی طرف ۔۔۔ بلبلیں بولیں کہ اے طوطی بستان سخن

فصل گل میں تو خموشی نہیں زیبا تجھ کو ۔۔۔ کہ امنگوں سے نوا سنج ہیں مرغان چمن

عید کا دن ہے مناسب ہے کہ ہو زمزمہ سنج ۔۔۔ مدح میں اس کی جو ہے فخر سلاطین زمن

اس قصیدے سے چونسٹھ ۶۴ شعر ہیں۔

قصیدہ دیگر

ہوئی بہار کے پردے میں عید جلوہ نما ۔۔۔ ہزار گل ہوئے ایک ایک شاخ سے پیدا

تمام تاج مخمل تختۂ زمرد ہے ۔۔۔ نموئے سبزۂ تر ہے عجیب نشاط افزا

جو گل ہے لعل تو یاقوت اور در شبنم ۔۔۔ چمن دکان جواہر فروش ہے گویا

کمند گیسوئے سنبل کی دوش پر رکھ کر ۔۔۔ شکار کھیل رہی ہے دلوں کا باد صبا

جو عندلیب ہے اسیر ہے شبہ طاؤس ۔۔۔ کلی کلی سے ہزاروں ہوئے ہیں گل پیدا

نہیں مقامِ تعجب جو صورتِ گلبن — چمن میں پھولے پھلے بلبلوں کی شاخِ صدا

یقیں ہے آتشِ گل کی لپک سے جلجائے — چلے اٹھا کے نہ دامن اگر روش پہ صبا

ادائیں ہیں یہ جوانانِ باغ کی دلکش — کہ بوئے گل ہے رگِ گل سے مرغِ رشتہ بپا

عجب طرح کا نمک ہے تبسمِ گل میں — کہ زخمِ سینۂ بلبل کو دے رہا ہے مزا

وہ نور ہے وہ ضیا چاندنی کے پھولوں میں — کہ اسکی شرم سے ہے آفتاب و بہ قفا

کنارِ نہر خطِ سبزہ گیسوئے سنبل — دکھائی دیتے ہیں ظلماتِ خضر و آبِ بقا

ہوا مسیح نفس آبِ نہر آبِ حیات — شفا یہ کہتی ہے دار الشفا کہاں ایسا

جو حاذق ہو نا ہو بیمار کو یہاں آئے — اشارے کرتی ہے یہ چشمِ نرگسِ شہلا

جو حوریں سیر کو آجائیں چھپ کے رضواں سے — چھپیں وہ مہندی کی ٹٹی میں شکلِ برگِ حنا

عصا بدست جو آئیں یہاں کلیم اللہ — تو لائے شاخِ اداسنو گلِ ید بیضا

دعا کو ہاتھ اٹھائے کوئی تو واہ رے فیض — دہیں ہو رنگِ اجابت حنائے دستِ دعا

بہار پہنچ کے طبیعت جو رنگ پر آئی — اک اور مطلعِ رنگیں زباں پہ آیا

مطلع

نیا خمیر میں اللہ رے جوشِ نشو و نما — درِ قبول کا بازو بنا ہے دستِ دعا

بیٹے سبحہ کرے کوئی ذکر یا رزاق — تو دانے دانے سے نخلِ مراد ہو پیدا

زباں پر آتے ہی ہوتا ہے ہر سخن سرسبز — زمیں کی طرح ہے اک سبزہ زار سطحِ ہوا

ہے ایک جوشِ رطوبت سے آبِ خاک کا رنگ — نہیں ہے فرق تیمم میں اور وضو میں ذرا

جما ہے گلشنِ آفاق میں یہ رنگِ نشاط — کہ ہاتھ سرخ حسینوں کے ہیں برنگِ حنا

پہنکے آئیں جو گلشن میں جامۂ آبی — بنائے ان کو گلابی کہ رنگ رز ہے صبا

انگوٹھیوں میں اگر ہوں نگینۂ الماس — بنیں وہ غیرتِ یاقوت و لعلِ بیش بہا

بدل گئی ہے ضیا سے جو ظلمتِ عارض — نہیں رہی کسی زنگی کو آئینے سے حیا

چمن گلوں سے بھبوکا ہے ابر سے یہ کہو — لگا کے آگ یہ پانی کو ڈورنا کیسا

وہ رنگِ لالہ کہ اللہ رے تری قدرت — وہ موجِ نکہتِ گل کی مہک کہ صلِّ علیٰ

ہر ایک قطرۂ شبنم ہے دیدۂ حق بیں — ہر ایک سبزہ ہے رطب اللسانِ شکرِ خدا

جو شاخِ گل ہے وہ ہے شمعِ بزمِ حسن و جمال — جو برگِ گل ہے وہ آئینہ دارِ صدق و صفا

درخت کیوں نہ ہوں گلزار میں مرقع پوش — کہ قطرہ قطرۂ باراں ہے گوہرِ یکتا

حباب میں گلِ رنگیں تو موجِ گل موجیں — برنگِ دست حنا بستہ ہے کفِ دریا

مزہ ہے ایسے میں ساقی پلائے بادۂ عیش — کہ سوجھیں نشّے میں مضمونِ تازہ روح فزا

کہوں قصیدہ کوئی مدحِ شاہِ عادل میں — کہ جس کا ہند سے ہو جائے تا عجم شہرا

اس قصیدے میں اٹھاون شعر ہیں

قصیدہ دیگر

چاندنی رات ہے اور ابر ہے تھوڑا تھوڑا — ساقیا آج کی شب مے کا غضب ہے توڑا

عید ہے تو ترے گھر سے ہے خم سامنے آ — اور انعام میں لے اشرفیوں کا توڑا

کھول شیشے کا دہن لب سے ملا دے لبِ جام — ہے ستم تو نے اگر آج کہیں منہ موڑا

تو بھی چمکا دے ذرا نشّے کا رہوار — رعد نے برق کے توسن پہ لگایا کوڑا

نشّے میں موجۂ دریائے سخاوت کا ہو جوش — کہ ہر اک جام پہ دوں میں تجھے زر کا توڑا

ڈال دوں گردنِ مینا میں طلائی کوئی طوق — دخترِ زر کو پنہا دوں کوئی بھاری جوڑا

عذر دینے میں نہیں ہو تجھے جس شے کی طلب — کچھ نہیں مال مرے سامنے ہاتھی گھوڑا

تیغ وہ تیغ کہ عالم میں نہیں جس کی پناہ
جھٹکے چھوٹے جو کبھی ہاتھ کسی پر چھوڑا

فیل وہ فیل کہ ہے فیلِ فلک پست اس سے
تیز تر ابلقِ ایام سے بھی ہے گھوڑا

کر سکا آپ کی تعریف کا شہرہ نہ رستم
بت پہ بیٹھا مصور نے مگر رخ جوڑا

ختم کر ختم قصیدے کو نہ دے طول امیر
سامعین سنتے ہیں دل سے جو سخن ہو تھوڑا

نظرِ لطف ہو سرکار کی مداحوں پر
قسمت ایک کو ہو ایک سے بھاری جوڑا

رہے محرومِ عطا سے نہ عروسِ مضموں
پائے انگشتر یاقوت طلائی توڑا

جاہ و اقبال بڑھے ملک بڑھے مال بڑھے
دل ترقی طلبوں کا نہ کبھی ہو تھوڑا

شہسواروں میں الٰہی مرے ممدوح کی جیت
میرے سرکار کا آگے رہے سب سے گھوڑا

یوں نہ سرکار کے اعدا کو زمانہ چھوڑے
جس طرح قافیہ میں نے نہیں کوئی چھوڑا

قصیدہ دیگر

اللہ اللہ رے بہارِ چمنستانِ دکن
حور پر ہے نہ یہ جوبن نہ پری پر یہ پھبن

صفتِ روئے حسیں صاف ہے ہر ایک زمیں
اوڑھنی گھاس کی دکھلاتی ہے تازہ جوبن

ہر طرف جھومتے ہیں نشۂ شادی سے درخت
ہر قدم باغ میں مستانہ صبا کا ہے چلن

قہقہے پھولوں کے سنتے ہیں تو خوش ہو ہو کر
چہچہے کرتے ہیں مرغانِ خوش الحانِ چمن

چھوڑتی ہے کوئی نہروں میں شگوفہ جو صبا
دیکھنے لگتے ہیں فوارے اٹھا کر گردن

شاخِ گلبن پہ ہیں اس طرح شگفتہ غنچے
جیسے کھل جائیں جماہی میں حسینوں کے دہن

چشمِ بد دور عجب اوج پہ ہے حسنِ بہار
کہ رخِ ماہ کا غازہ ہے غبارِ گلشن

رنگِ اعجازِ مسیحا ہے نمو سے پیدا
کیا عجب پھولوں کی کلیاں بنیں مرغانِ چمن

جیب میں گل کے لگا ہے مہِ نو کا تکمہ
دامنِ لالہ کی اک بیل ہے سورج کی کرن

اشرفی کی ہے وہ رنگت کہ ہوا سن کی پتی
چھوڑ دے تانبے پہ چھوئیں تو بنا دے کندن

لعل و یاقوت ہیں پھولوں کی بدولت حاصل
گل فروشوں کی دکانیں ہیں بدخشاں میں

جوہری ریزۂ الماس سمجھتے ہیں اسے
ٹوٹ کر خاک پہ گرتا ہے اگر برگِ سمن

اودے پھولوں کی اداہٹ ہے پہ نظر نہیں کبھی
دیکھنے والوں کی آنکھوں کی ہے پتلی سوسن

تحفۂ ریحاں کا دکھاتا ہے بہارِ شبِ وصل
پوست پھولا ہوا دیکھو تو کہو صبحِ وطن

زلفِ سنبل پہ اگر چشمِ تماشا پڑ جائے
پتلیاں آنکھوں میں ہوں نافۂ آہوئے ختن

آتی ہے گریۂ بلبل پہ ہنسی پھولوں کو
نرگسِ باغ ہے گلچیں کی طرف چشمک زن

ہم بغل نخل ہیں ہیں ہاتھ کبھی شاخوں کے
چوم لیتا ہے لبِ جو کبھی غنچے کا دہن

باغباں دولتِ گلزار جو خیرات کرے
ٹوکری حور کی ہو آنکھ تو پلکیں دامن

نونہالانِ گلستاں کا جو عالم دیکھے
کبھو لگ آنکھ نہ دیکھے کبھی دولھا کو دلہن

شب کو ہوتا ہے جو مذکورِ گل و بلبل کا
شمع و پروانہ میں رہتی ہے سحر تک اَن بَن

جام پھولوں کو تھما کرتے ہیں آنکھیں بھر لے
تاک شیشے بھی لگاتے ہیں اٹھا کر گردن

خوش لباسی کی ہے زینت تو گلِ رعنا میں
کج کلاہی کی جو پوچھو تو ہے غنچے میں پھبن

نالۂ بلبل سے نئے شیفتہ زیبائی گل
طوقِ قمری کے لئے سرو کا بیساختہ پن

کیوں نہ طاؤس کریں رقص خوشی کے مارے
باغ میں ابرِ بہاری ہے جو برسے گھن گھن

[illegible] تختے ہیں کنول سمن دیدوں کے
آم کی طرح رسیلے ہوئے ہیں سیبِ ذقن

مشعل افروزِ گلستاں ہے نسیمِ سحری
غیرتِ شمع گلِ سرخ ہیں تھالے ہیں لگن

[illegible] پھولوں سے گلزار میں ہے بار نہال
جام ہے خندہ زناں شیشۂ مے قہقہہ زن

[illegible] بہاری میں ہے ایسی تاثیر
پھول کا نام جو لے کوئی تو خنداں ہو دہن

دست انداز جو معشوق ہو گل بازی میں
ہاتھ میں پھول کا گجرا ہو جڑاؤ کنگن

رات کو شمع اگر بادِ بہاری سے بجھے
عشقِ پیچاں ہو دھواں اور گل اس کا سوسن

مثلِ طوطی چمنستاں میں جو پرواز کرے
زاغ ہریل ہو ہوا لگتے ہی سبزک ہو زغن

شاخِ شمشیر میں مانندِ سپر پھول کھلیں
نہرِ گلشن میں جو جدا ذ بجھائے آہن

جوشِ روئیدگی ایسا ہے کہ ہوتا ہے گماں
سنگ دانے سے عنادل کے ہرا ہو گلشن

چاہیں شبنم جو گزند سے تو ہو ماہیتِ قلب
غنچہ ہو عقربِ جرارہ تو سنبل ناگن

عطر مٹی کا رضائی میں ملے کوئی اگر
دانۂ پنبہ سے پیدا ہو گلِ نسترن

پھولوں میں فصلِ بہاری کے یہ عطریت ہے
کوئی پھلکاری جو پہنے تو معطر ہو بدن

دشت میں قدرتِ خیاطِ بہاری دیکھو
پھولوں سے دامنِ صحرا پہ بنائی ہے چکن

جنبشِ برگِ گلِ تر میں ہے دف کی آواز
بالِ پروازِ ہما دل میں صدائے ارغن

جو نہ کرتے تھے کبھی سیر و تماشہ سے غرض
ہیں وہ نرگس کی طرح محوِ تماشا ہمہ تن

اے خوشا چشم میسر ہے جسے لذتِ دید
سبز اشجار میں ہے سبز خطوں کا جوبن

باغ میں سیر کو آئے ہیں وہ نازک اندام
ہیں جو شمشاد قد و لالہ رخ و غنچہ دہن

چال آفت کی قیامت کی ادا ظلم کی آن
نیزہ خولی کا نگہ شمر کا خنجر جیون

چشمِ فتاں کو اگر غور سے دیکھو تو وہ ترک
جس کا ہر موئے مژہ ناوکِ فولاد شکن

رخِ شاداب ہے یا لالۂ احمر گلِ سرخ
زلفِ پُر پیچ ہے یا سنبلِ تر مشکِ ختن

گردن و چشم کا عالم اگر آجائے نظر
جامِ مے آنکھ جھکالے تو صراحی گردن

تذکرہ گوہرِ دنداں کا نہ لائے لب تک
آبِ گوہر سے صدف دھوئے نہ جب تک کہ دہن

اودے اودے وہ دوپٹے کہ جو دیکھے بجلی
نکل آئے ابھی بادل کی اٹھا کر چلمن

غش کرے کاہکشاں دیکھ کے کرتی کی بنت
باندھ لے گردنِ خورشید کو انگیا کی کرن

کوئی چوٹی ہیں یہ پٹھے کا نہ سمجھے سو باف
زلفِ سنبل سے ہیں لپٹے ہوئے اوراقِ سمن

بزم آراستہ وہ گانے بجانے کا سماں
زاہدِ گوشہ نشیں آئے تو ہو توبہ شکن

وقت عشرت کا ہے کر دے کوئی ساقی کو خبر
کبک کے ساتھ مناسب ہے بطِ مے کا چلن

مطلع

کان ہیں منتظرِ قلقلِ مینائے سخن
ساقیا شیشے سے کہہ دے نہ رہے بند دہن

جام پر جام چلے دور مے سرخ کا ہو
موسمِ گل ہے گلِ عیش سے بھر لیں دامن

[illegible] قلقلِ مینا کی یہ گلشن میں بلند
مے سے پرہیز ہے جن کو وہ ہوئے مہر شکن

[illegible] بنا ظلم ہو کر مانند حباب
مے میں ڈوبے ہوئے میخوار ہیں تا گردن

پیہ پیہ وار لگا دے جو اٹھے موج شراب
اڑ چلے ہر بطِ مے ہمرہِ مرغانِ چمن

دفِ طنبورہ کی ہو چھیڑ سجیں بربط و نے
سرود و پیک کا لگے جس سے کہ بیدار چلن

لطف تب ہے کہ چھڑے آج حسینی کا مقام
کان مشتاق ہیں سب کے کہ سنیں صوتِ حسن

جمع ہیں مستِ قدح نوش خرابات نشیں
جلوۂ ساغر و مینا ہو سبو توبہ شکن

وہ مے تلخ کہ شیریں سے ہے جسکو شکر آب
تو ملیں ایسی کہ لیلیٰ کا تصدق ہو بدن

قول شیشے کا ہے قدسی سے کہ پی لو پی لو
گرمیِ قلب اس اکسیر سے ہو گا کندن

بطِ مے جلوۂ طاؤس دکھاتی ہے کہیں
کبک کی طرح صراحی ہے کہیں قہقہہ زن

سرو ہے صورتِ مینا تو صراحی غنچہ
بادۂ شبنم ہے تو ساغر گلِ نسرین و سمن

ہر رگِ گل کو اگر مست خطِ جام کہیں
موجِ دریا کی کہے اسمیں نہیں جائے سخن

خبر اس بزم کی پہنچائے اگر پیک نسیم
قبر سے پھاڑ کے نکلے ابھی جمشید کفن

خار کھائے جو یہ صحبت کہیں رضواں دیکھے — حور سے بڑھ کے ہے شیشے کی پری کا جوبن
اثرِ یادِ بہاری نہیں یہ جوشِ بہار — بلکہ ہے بارشِ ابرِ کرمِ فخرِ زمن

مطلع

کون وہ فخرِ زمن بادشہ ملکِ دکن — نام نامی صفتِ مہر ہے جس کا روشن
میر **محبوب علیخاں** بہادر جمجاہ — جس کے دربار میں جمشید کی خم ہے گردن

اس قصیدے میں (۱۵۸) شعر ہیں۔

واسوخت

واسوخت لکھنؤ کے مرغوبات میں سے ہے اور دلچسپ چیز ہے وہاں ابتدا اسکی امانت نے کی اور اچھا واسوخت کہا۔ پھر سحر شاگردِ ناسخ نے آفتابِ سخن کو چمکایا ان واسوختوں کی شہرت نے شعرا کے دل میں آگ لگا دی قریب قریب ہر ایک گرم طبع نے واسوخت کہا۔ امیر نے جب یہ گرما گرمی دیکھی وہ بھی متوجہ ہو گئے اور چھ واسوخت علی الاتصال تصنیف فرمائے۔ ہر ایک واسوخت ایک خصوصیت علٰحدہ اگانہ رکھتا ہے۔ اور اعلیٰ شاعری کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ امیر نے ہر واسوخت کا نام تاریخی رکھا ہے۔

پہلا واسوخت۔ واسوخت اردو [۱۲۸۴]۔ دوسرا۔ شکایتِ رنجش [۱۲۹۴]۔ تیسرا۔ غبارِ طبع [۱۲۸۴]۔ چوتھا حسدِ اغیار [۱۲۸۴]۔ پانچواں صفیرِ آتش بار [۱۲۸۴]۔ چھٹا آتشِ اضطرار [۱۲۸۴] ہے۔ یہ سب ایک ہی سال کی گویائی ہے۔ اور زورِ طبع کا گویا خاتمہ کر دیا ہے۔ ہر واسوخت میں پر زور مضامین کے دریا لہراتے نظر آتے ہیں اور ان میں سراپا کے تشبیہات و استعارات سحر و اعجاز کا ثبوت دیتے ہیں۔

سب واسوختوں میں (۴۹۷) بند ہیں یعنی (۱۴۹۱) شعر ہیں کہیں کہیں سے تھوڑے تھوڑے بند نقل کئے جاتے ہیں۔

عشق کے فتوحات

دھوم ہے خسروِ اقلیمِ جنوں آتا ہے　　فوجِ غم ساتھ لیے آمادۂ خوں آتا ہے
خلل اندازِ صفِ صبر و سکوں آتا ہے　　صاحبِ لشکرِ نیرنگ و فسوں آتا ہے

قابلِ دید تماشا حشم و جاہ کا ہے
داخلہ تختگہِ دل میں شہنشاہ آتا ہے

وہ فلک قدر شہنشاہِ زمن کون کہ عشق　　تیغ زن تیر فگن قلعہ شکن کون کہ عشق
رستمِ معرکۂ رنج و محن کون کہ عشق　　مالکِ ملکِ دل و جان و بدن کون کہ عشق

گرد میں ہے روشِ بادِ بہاری دیکھو
حضرتِ عشق کی آتی ہے سواری دیکھو

لو وہ آتا ہے جو ہے موجدِ نیرنگ و فسوں　　تشنہ کامانِ محبت کا جو ہے تشنۂ خوں
جس کے آگے سرِ تسلیم دو عالم ہے نگوں　　سر جھکائے ہے قدم بوس کو جس کے گردوں

جب سپہ شمشیرِ دو دم جنگ علم کرتا ہے
سرِ جلادِ فلک کو بھی قلم کرتا ہے

اس کی آمد ہے جسے کہتے ہیں قتالِ جہاں　　اس کی آمد ہے جو مشہور ہے چنگیزِ زماں
اس کی آمد ہے جو کرتا ہے قتلِ عیشِ خزاں　　اسکی آمد ہے جو ہے سر شکنِ تاب و تواں

تیغ کھینچے ہوئے سرگرمِ عتاب آتا ہے
ملک الموت بھی ہمراہِ رکاب آتا ہے

کیا جلوس اسکی سواری کا دکھاتا ہے بہار　　فیلِ آفت کے جلو میں ہیں ستم کے رہوار
آگے آگے علمِ تابِ خورشید نثار　　زرفشاں اس کا پھریرا کہ دھواں آتشبار

دل جو ٹوٹے ہیں نقیب آہ کے للکارے ہیں

آبلے سینۂ عشاق کے نقارے ہیں

حسرتیں کشتہ ہیں جس کی وہ ستمگر ہے یہی — پہلواں جس نے پچھاڑے وہ دلاور ہے یہی
ڈوبتے جس نے نکالے وہ شناور ہے یہی — کشتیاں جس نے ڈبوئیں وہ سمندر ہے یہی
خضر کا غرق ہے یاں آج نہیں کل بیڑا
نوح لائیں جو سفینہ نہ لگے تھل بیڑا

کہو آراستہ بازارِ محبت ہو جائے — چمکیں آنکھوں کی دوکانیں نئی صورت ہو جائے
وحشت آبادِ غم و درد کی زینت ہو جائے — خانۂ خانہ خرابی کی مرمت ہو جائے
صاف ہو دل کا مکاں جشن کی تیاری ہو
کمرے کمرے میں گلِ داغ کی گلکاری ہو

چشمِ تر اشک کا چھڑکاؤ کرے بر سرِ راہ — صرفِ جاروب کشی زلف سے ہو بختِ سیاہ
غم و اندوہ کی استادہ دو رویہ ہو سپاہ — دوڑ کر لائے خبر جلد کہو پیکِ نگاہ
ہے ابھی دور کہ پہنچی ہے سواری نزدیک
کس قدر باغ سے ہے بادِ بہاری نزدیک

چاہیے آتے ہی یہ جشن کا ساماں ہو جائے — جس کو جمشید بھی دیکھے تو پشیماں ہو جائے
دلِ صد چاک کا آراستہ ایواں ہو جائے — فرشِ زخمِ تنِ مجروح کا داماں ہو جائے
پنجشاخے جو کنارہ پہ گڑیں نالوں کے
جھاڑ فانوس کنول بزم میں ہوں چھالوں کے

دو یہ پریوں کو صدا قاف سے اڑ کر آئیں — ساتھ دیوانوں کو سازندوں کے بدلے لائیں
ہچکیاں لینے لگیں سب وہ ترانے گائیں — رقص پہ آئیں تو انداز نئے دکھلائیں

پھڑکے ہر عضوِ بدن طائرِ بسمل کی طرح
کاٹتے راہ چلیں خنجرِ قاتل کی طرح

تہنیت کی یہ ہر اک ساز سے نکلے آواز   تم سلامت رہو تابع ہوں عراق اور حجاز
وہ بھی قائم رہیں شہزادے جو ہیں سوز و گداز   حسن جو آپ کی معشوقہ ہے عمر اسکی دراز
آپ کو وصلتِ جانانہ مبارک شاہا
خلق کو مرگِ جرانا مبارک شاہا

مے کشی کا جو خیال آئے تو مے خونِ جگر   دورِ پیمانہ دکھائے کوئی پھر جائے جو سر
جام وہ جنکو کہیں غیرتِ خورشید و قمر   ساغرِ جم کی طرح آئینہ عالم کی خبر
وسعتِ ظرف سے در وا کہیں امید کے ہوں
چرخ کا خُم ہو پیالے مہ و خورشید کے ہوں

جوشِ مستی میں جو ہو فیض رسانِ طبعِ غیور   منہ خزانے کا کھلے نورِ کرم کا ہو ظہور
پائیں انعام ہو! خواہ ہوں نزدیک کہ دور   بہرہ ور ہوں درِ مقصود سے خدام ضرور
داغِ حسرت عوضِ درہم و دینار بٹیں
ڈھیریوں آنسوؤں کے گوہرِ شہوار بٹیں

جامہ زیبوں کو ملیں خلعتِ عریانیِ تن   اطلسِ گردہ ہو کمخاب کی جا زیبِ بدن
زخم پر زخم دوشالہ ہو برائے گردن   مدح گو کا درِ تحسین سے بھر جائے دہن
داغ کی سب کو سپر آہ کی شمشیر ملے
وحشت آبادِ جنون خیز میں جاگیر ملے

ہار زخموں کے بٹیں باغِ طرب ہو شاداب   تیغ کے مالے ہوں تقسیم کھلے فیض کا باب

خاص لوگوں کے تھے ہیں تبے عنایت ہوں خطاب　　ہوں خطاب ایسے کہ جو ایک کا ہو ایک جواب

میرزا یاس مخاطب بہ جلیس الدولہ

میر حرمان ہوں مخاطب بہ انیس الدولہ

ہو چکے جشن تو خاصے کا بھی پھر ہو ساماں　　ہاں چنے جائیں وہ خاصے جو ہوں نایاب جہاں

میز پر ظرف ہوں انجم کی طرح نور فشاں　　لائیں حوروں سے کہو مائدۂ باغ جہاں

چرخ کے خواں سے بھی نعمت الوان آئے

نانِ خورشید پنیر مہِ تاباں آئے

مرغ جاں آتش حسرت سے ہو جل بھن کے کباب　　شلغم آبلۂ دل میں ہو سلوی کا جواب

خشک مغزی کا وہ خشکہ نہ رہے دیکھ کے آب　　لختِ دل خونِ جگر کی ہو نہاری نایاب

نا قناتوں کی جگہ داغ زبوں حالوں کے

کوفتے لختِ جگر خوا نچے پتحالوں کے

آتشِ خوں وہ کہ ہو سیر کسی کی نیت　　سیر چشموں کو ملے لقمۂ غم کی لذت

زخم پر چھڑکے نمک جو نمکیں ہو نعمت　　لب نان وہ کہ لب تیغ کی ہو جس میں صفت

کارِ حلوا اثرِ زہر ہلاہل ہو یہاں

شوربا آبِ دمِ خنجر قاتل ہو یہاں

بعد خاصے کے لگے چھٹنے وہ آتشبازی　　آگ اٹھے آگ کرے چرخ بھی برق اندازی

ہو تماشا کہیں نیلوں کی دغا پردازی　　چل کے طاؤس کریں چار طرف طنازی

چرخی نالے کی ملے گنبدِ دولابی سے

رات ہو روز رخ زرد کی مہتابی سے

قلعے کا غذ کے جہاں نصب ہیں ہوں آتشبار
آگ کرے کرۂ ارض کو دم بھر میں حصار

صفتِ سرو چراغاں ہوں شجر بار انار
جیسے پرواز کریں نالۂ عاشق کے شرار

چمکیں مہتابوں کے نیا سے کہیں خنجر کی طرح
چادرِ اشک لگے چھوٹنے چادر کی طرح

ہوئی القصہ جو دعوت سے فراغت حاصل
سارے اسبابِ ضیافت سے فراغت حاصل

شرطِ مہمانی و خدمت سے فراغت حاصل
عطر سے پان سے شربت سے فراغت حاصل

عیش و عشرت کا غرض سب سر و ساماں آیا
بعد دعوت کے دمِ رخصتِ مہماں آیا

کشتیاں پیش جواہر کی ہوئیں بو قلموں
جس پہ قرباں کرے گوہر انجم گردوں

سرخ یاقوت ہزاروں صفتِ قطرۂ خوں
چہرۂ زرد کے پکھراج بھی گنتی سے فزوں

لختِ دل لعل تھے نیلم تھے کہ تنہا لے تھے
تار اشکوں کے نہ تھے موتیوں کے مالے تھے

خسرو عشق کو آیا دمِ رخصت یہ خیال
دل کی اقلیم حقیقت میں ہے زرریز کمال

معتدل آب و ہوا جس سے طبیعت ہے بحال
چھوڑئیے کیوں اسے دولت سے یہ ہے مالا مال

قطعے قطعے میں طرب خیزی گلشن ہے یہاں
گوشے گوشے میں زرِ داغ کا مخزن ہے یہاں

صبر نامی ہے جو اس کشورِ آباد کا شاہ
کیجئے قید کسی طرح اسے رکھکے گواہ

اسکو پوشیدہ خبر اسکی جو پہونچی ناگاہ
نہ تھمے پانوں کہا دل میں کہ انا للہ

رعب غالب یہ ہوا ڈر کے وطن چھوڑ دیا

خوفِ صیاد سے بلبل نے چمن چھوڑ دیا

کشورِ دل میں جہاندار ہوا خسروِ عشق | مالکِ دولتِ بیدار ہوا خسروِ عشق
رونق افزائے سرِ دربار ہوا خسروِ عشق | تاج کا تخت کا مختار ہوا خسروِ عشق

نام خطبے میں کیا شاہ نے اپنا جاری
کشورِ دل میں ہوا داغ کا سکہ جاری

ظلم و بیداد پہ جب نیتِ شاہی آئی | لٹ گیا ملک رعایا پہ تباہی آئی
آخر انجام ہوا یہ کہ بلا ہی آئی | خون سے سرخی ہوئی موقوف سیاہی آئی

داغِ وحشت کی نظر جلوہ گری آنے لگی
پاس دیوانے کے خلوت میں پری آنے لگی

مائلِ دید ہوئے دیدۂ بیدار طلب | دل تماشائے سراپردۂ اسرار طلب
لب ہوئے ذائقۂ بوسۂ رخسار طلب | مرغِ جاں کشمکشِ طرۂ طرار طلب

دفعتاً سر میں بھری سارے زمانے کی ہوا
دشتِ وحشت میں ہوئی خاک اڑانے کی ہوا

خواہشِ جلوۂ محبوب ہوئی پہلو کو | حسرتِ زانوئے محبوب ہوئی زانو کو
دھیان آیا دلِ سودازدہ گیسو کو | سونگھے چل کے کسی کاکلِ عنبر بو کو

عمر بے صحبتِ محبوب کٹے خوب نہیں
زیست کا لطف بجز صحبتِ محبوب نہیں

عشق کے صفات

عشق عشاق کو رسوائے جہاں کرتا ہے | صاحبِ ضبط کو سرگرمِ فغاں کرتا ہے

چشمۂ چشم سے سیلاب رواں کرتا ہے　　زرد چہرہ صفتِ برگِ خزاں کرتا ہے

نوجواں خم صفتِ پیرِ کہن سال ہوئے

سیکڑوں باغِ جوانی تھے کہ پامال ہوئے

اس خزاں نے کیے پامال گلستاں کیا کیا　　ہوئے برباد گل و لالہ و ریحاں کیا کیا

جسم داغوں سے بنے سروِ چراغاں کیا کیا　　استخواں جل کے ہوئے شعلۂ سوزاں کیا کیا

پھونک دیتا ہے دو عالم کو جو شرارہ اسکا

سات دوزخ نہیں ہے ایک شرارہ اسکا

یہ وہ ہے آگ پڑے اس پہ تو پتھر جلجائے　　طور کی طرح تر و خشک برابر جلجائے

دامنِ موج تو کیا پانی کی چادر جلجائے　　پر پروانہ صفت بالِ سمندر جلجائے

شعلہ افگن ہو یہ بجلی تو کرے خاک سیاہ

جل کے اکدم میں ہوں نہ خرمنِ افلاک سیاہ

صفتِ دیوانہ نہ ہو عقل جو رکھتا ہو بشر　　تا بمقدور کرے سائے سے پریوں کے حذر

پوچھئے حق تو پریخواں کے یہاں جلتے ہیں پر　　کیا کرے جب نہ دوا میں نہ دعا میں ہو اثر

نقش و تعویذ سے یہ جن نہ اترتے دیکھا

ہو گیا جس کو یہ آسیب اُسے مرتے دیکھا

دل لگاتے ہی ہزاروں کو پڑی جانوں کی　　سیکڑوں چھان چکے خاک بیابانوں کی

دھجیاں اڑ گئیں کیا کیا نہ گریبانوں کی　　جس جگہ دیکھئے ٹکڑی ہے پریشانوں کی

کچھ عجب بزم ہے یہ لوگ جہاں بستے ہیں

چار سر پھوڑتے ہیں چار کھڑے روتے ہیں

پھاڑ کر کپڑے ہوئے جامے سے باہر کتنے — چھان کر خاک ہوئے خاک برابر کتنے
تشنہ لب ڈوب مرے چاہ میں گر گر کتنے — غرقِ دریا ہوئے تھک تھک کے شناور کتنے

دب رہا کوئی سیہ خانۂ زنداں کے تلے
کوئی روتا ہے کسی نخلِ بیاباں کے تلے

تنگ بستوں کے فقط ہاتھ نہیں ہیں تہِ سنگ — صاحبِ دولت و اقبال بھی جیتے سے ہیں تنگ
چار بالش کی نہ رونق ہے نہ زیبا و رنگ — جان پہ تنگی ہے، ہیں تیغِ ادا کے جو رنگ

دشت پیما ہیں کسی طرح کا وسواس نہیں
پانوں میں آبلے ہیں گنجِ گہر پاس نہیں

حال انسان کا اسی غم سے زبوں ہوتا ہے — یہی صدمہ سببِ جوشِ جنوں ہوتا ہے
سر اسی بارِ مشقت سے نگوں ہوتا ہے — آبِ زہرہ تو جگر چشمۂ خوں ہوتا ہے

ٹوٹ جاتی ہے کمر صبر و شکیبائی کی
راہ لیتے ہیں قدم کوچۂ رسوائی کی۔

پاسِ ناموس کا رہتا ہے نہ غیرت کا خیال — دل سے اُڑ جاتا ہے بدنامی و ذلت کا خیال
پندِ ناصح کا نہ واعظ کی مذمت کا خیال — دشتِ پرخار کا یا وادیٔ وحشت کا خیال

جوشِ کم سنگِ ملامت کا کہاں ہوتا ہے
تیغِ وحشت کو یہی سنگِ فساں ہوتا ہے

بیگناہوں کی اسی کوچے میں مٹی ہے خراب — دادخواہوں کو یہاں پست سے ملتا ہے جواب
آگ بن بن کے جلاتی ہے کلیجا یہ شراب — ہر نفس تیغ تو ہر لختِ جگر شکلِ کباب

حال ہوتا ہے زبوں ہمتِ [illegible]

آدمیت سے گزر جاتا ہے انساں اس میں

عاشق کی حالت

الحذر جوشِ جنوں سلسلہ جنباں پھر ہے — الاماں خاطرِ ناشاد پریشاں پھر ہے
دامنِ وادیِ وحشت مرا داماں پھر ہے — جادۂ دشت مرا چاکِ گریباں پھر ہے
موجِ اشکوں کی نظر آتی ہے زنجیر مجھے
پیچِ تقدیر کا ہے طوقِ گلوگیر مجھے

تنگ ہوں شہر سے الفت ہے بیاباں سے مجھے — خفقاں ہوتا ہے گلگشتِ گلستاں سے مجھے
اپنے کپڑے نہیں کم خانۂ زنداں سے مجھے — طوقِ وحشت نے پنہایا ہے گریباں سے مجھے
حلقے آنکھوں کے نہیں ضعف کی تصویریں ہیں
جسمِ لاغر میں رگیں جتنی ہیں زنجیریں ہیں

شدتِ گریہ ہے اشکوں کی فراوانی ہے — کشتیِ چرخ تک کشتیِ طوفانی ہے
شوقِ دل معتقدِ سلسلہ جنبانی ہے — آہِ پر دود کہ زنجیرِ پریشانی ہے
تیغِ افغاں جو کھینچے شرم سے بجلی کٹ جائے
شورِ نالوں کا سنے رعد کلیجا پھٹ جائے

دل کی وحشت ہے یہاں تک کہ ہے صحرا معمور — روحِ مجنوں کی گریزاں ہے مرے سائے سے دور
شورِ زنجیر سے ہے چار طرف شورِ نشور — نالہ کش دل نہیں پھونکتا ہے سرافیل نے صور
لب پہ آہ آئی اگر خلق پہ آفت آئی
مردے قبروں میں ہیں چلائے قیامت آئی

اپنے چہرے سے نمایاں ہیں یہ وحشت کے اثر — ڈر کے اُڑ جاتے ہیں طائر بھی جہاں جاتا ہوں جدھر

نہیں خائف مری صورت سے فقط جن و بشر — راہ سے غار تلک اُڑ گئے ناگن بن کر

دیکھے وحشت تو رمیدہ ابھی آہو ہو جائے

پڑھ کے نام اپنا جدھر چھو میں کروں ہو ہو جائے

معشوق سے شکایت

یاد ایام کہ شوخی کا یہ انداز نہ تھا — جلوۂ حسن ادا حوصلہ پرداز نہ تھا

شمعِ فانوسِ حیا شعلۂ آواز نہ تھا — اک جہاں کشتۂ تیغِ نگہِ ناز نہ تھا

آنکھیں خونریز نہ تھیں خنجرِ قاتل کی طرح

لوٹتے تھے دلِ عشاق نہ بسمل کی طرح

یانوں پردے سے نہ نکلا تھا تمہارا باہر — صورتِ آئنہ تھے خانہ نشیں شام و سحر

صحن تک بھی تمہیں دالان سے آنا تھا کفر — ڈرتے ڈرتے کبھی جاتے تھے اگر جانبِ در

دیدۂ نقشِ قدم سے تمہیں تک جاتے تھے

دیکھ کر سائے کو ہمراہ جھجک جاتے تھے

آگہی زیب سے تھی تم کو نہ زینت سے خبر — مسی ملنے کا نہ لپکا تھا نہ سرمے پہ نظر

ہاتھ مہندی سے نہ تھے پنجۂ مرجاں اکثر — آتشِ رنگِ حنا سے نہ جلاتے تھے جگر

دامنِ زلف تلک دستِ شانہ نہ تھا

آئینہ پرتوِ عارض سے پری خانہ نہ تھا

سیکڑوں آئنہ حسن کے حیراں کب تھے — لاکھوں گیسوے پریشاں کے پریشاں کب تھے

اتنے وحشت زدہ نرگسِ فتاں کب تھے — اس قدر مشتری سیبِ زنخداں کب تھے

کوچہ یوں آٹھ پہر مصر کا بازار نہ تھا

تم تو یوسف تھے مگر کوئی خریدار نہ تھا

کون تھا میرے سوا چاہنے والا صاحب — خانگی ماہ تھے تم اور میں ہالا صاحب
میری چاہت سے ہوا رتبہ دوبالا صاحب — میری بدنامیوں سے نام نکالا صاحب

فکر کی میں نے بہت حسن میں جب طاق ہوئے
نئے مضموں کی طرح شہرۂ آفاق ہوئے

سیر پر تم کو نظر تھی نہ تماشے پہ نگاہ — مثل یوسف کبھی دیکھی تھی نہ بازار کی راہ
ماہتابی پہ نہ چڑھتے تھے کبھی شام و پگاہ — بلکہ خورشید نے دیکھا تھا نہ سایہ اے ماہ

شوخیاں طبع مبارک میں زنہار نہ تھیں
کھڑکیاں گھر کی کبھی جانب بازار نہ تھیں

اب جو ہر بات میں یکتا ہوئے ماشاءاللہ — عربدہ جو ستم آرا ہوئے ماشاءاللہ
مائل سیر و تماشا ہوئے ماشاءاللہ — غیر ہم غیر احبا ہوئے ماشاءاللہ

جھگڑے آپ کی محفل میں پڑے رہتے ہیں
منتظر ہم پس دیوار کھڑے رہتے ہیں

دل میں سوچو کہ طرحدار بنایا کس نے — دلربا دیکھ کے دل اے یار بنایا کس نے
اس طرح کا تمھیں عیار بنایا کس نے — سارے معشوقوں کا سردار بنایا کس نے

کب سلیقہ تھا تمھیں زینت و زیبائی کا
کس کے صدقے میں یہ شہرہ ہوا رعنائی کا

سارے احسان مرے نام خدا بھول گئے — بے وفائی پہ چلے راہ وفا بھول گئے
واللہ مہر کا الفت کا مزا بھول گئے — پچھلی باتوں کو تم اے ماہ لقا بھول گئے

اب تو دل اور دماغ اور ہے شان اور ہی ہے
آن بان اور زبان اور بیان اور ہی ہے

رات دن صحبتِ اغیار ہے اللہ اللہ — گھر میں ہنگامہ بازار ہے اللہ اللہ
دل ہیں پامال وہ رفتار ہے اللہ اللہ — دم نکلتے ہیں وہ گفتار ہے اللہ اللہ

آئیں احبابِ قدیمی یہ اجازت ہی نہیں
کنگھی چوٹی سے کسی دم تمھیں فرصت ہی نہیں

عام چاہت ہوئی اب عشق کے بیمار ہیں سب — دردِ دل دردِ جگر سوزِ دروں خشکی لب
گرم بازارِ ادا ہیں سرو طبیبوں کے مطلب — آنکھیں بیماروں کی ہیں شربتِ دیدارِ طبیب

خوش ادا ایسے ہیں بن آئی ہے عطاروں کی
ڈولیاں روز چلی آتی ہیں بیماروں کی

روز چھپ چھپ کے چلے آتے ہیں غیر دیکھے پیام — کٹنیاں بھیس بدل کر تمھیں کرتی ہیں سلام
آن بتاتے ہو نہیں اشارہ نہیں لگاوٹ کے کلام — حال آئینہ سے چاہوں تو کہوں نام بنام

خط پہ خط آتے ہیں پوشیدہ نہیں یاروں پر
بیٹھے رہتے ہیں کبوتر تری دیواروں پر

رات دن صحبتِ اغیار رہا کرتی ہے — گرم انھیں لوگوں سے بازار رہا کرتی ہے
طبع تم سے مری بیزار رہا کرتی ہے — گردِ غم بیچ میں دیوار رہا کرتی ہے

خیر کیا واسطہ بہتر ہو اگر چھوڑ دیں تم
ناز اٹھواؤ یہ بیجا کسی مزدور سے تم

۱ ہم سے الجھی ہوئی گفتار ذرا اور سنو — ۴ ہم رکاوٹ کے سزاوار ذرا اور سنو
۳ بیر ہم سے یہ سرِ بازار خدا اور سنو — ۲ ہم سے اکھڑی ہوئی رفتار ذرا اور سنو

دور غمزے ہیں یہ سرکار کی دانائی ہے
ایسی چالیں رہیں صاحب کسی ہرجائی سے

غیر ہمکو جو نہیں پاس ہمارا صاحب
بحرِ الفت سے کیا ہم نے کنارا صاحب
کہیں وابستہ اگر دل ہے تمہارا صاحب
سلسلہ قطع ہے۔ کب ہے یہ گوارا صاحب

آپ کے دل میں محبت کا اگر نام نہیں
خوش رہو خوش رہو بندے کو بھی کچھ کام نہیں

بدبلا تم ہو تو ہیں ایک بلاکش ہم بھی
برق وش تم ہو تو پرکالۂ آتش ہم بھی
تم کو پروا نہیں تو تم پہ نہیں غش ہم بھی
ڈھونڈھ لینگے کوئی محبوب پریوش ہم بھی

دل ہے بلبل تو کہاں چہرۂ گلرنگ نہیں
پانوں میں لنگ نہیں ملکِ خدا تنگ نہیں

بحرِ غواص عدن میں دُرِ غلطاں لاکھوں
پھول گلشن میں بہت قاف میں پریاں لاکھوں
دل ہی دینا ہے جو منظور تو خواہاں لاکھوں
ماہ رو زہرہ جبیں مہرِ درخشاں لاکھوں

جمگھٹا کون سی جا ماہ جبینوں کا نہیں
شہر آباد ہے کچھ کال حسینوں کا نہیں

ڈھونڈھ کر کوئی طرحدار نکالوں ایسا
تم بھی دیکھو تو کہو صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
ذرہ تم سامنے اس کے ہو وہ خورشید لقا
کم نما جیسے ہے خورشید کے پہلو میں سہا

فخرِ خوبانِ جہاں جیسی ہی چالاک بھی ہو
اپنے غمزے کی طرح قاتلِ بیباک بھی ہو

سراپا

شعرا کہتے ہیں وہ مانگ ہے سلکِ گوہر   یا کھنچا ہے محکِ حسن پہ کوئی خطِ زر
یا یہ ظلمات میں جاری ہوئی نہرِ کوثر   کہکشاں یا شبِ دیجور میں آتی ہے نظر

شاد کہتا ہے زباں سے یہ نیا پہلو ہے
اُسی کے سر کی قسم صبحِ شبِ گیسو ہے

آفتِ جاں جو وہ گیسوے رسا ہیں دونوں   دل پھنسانے کے لئے دامِ بلا ہیں دونوں
دیکھ لو سلسلۂ جور و جفا ہیں دونوں   ایک صیاد ہیں ہر چند دو تا ہیں دونوں

دامِ الفت کے ہیں آثار انھیں دونوں میں
دونوں عالم ہیں گرفتار انھیں دونوں میں

اس کے بالوں میں ہیں اس طرح پروے گوہر   نکل آتے ہیں شبِ تار میں جیسے اختر
رہ گئی یا شبِ گیسو متبسم ہو کر   سنبلِ گلشنِ خوبی پہ ہے یا شبنم تر

چوٹی میں نقرئی موباف عجب زیبا ہے
دامنِ شب سے گریبانِ سحر ٹانکا ہے

تو ذرا پہلے کرو چہرۂ روشن پہ نظر   بدلے خورشید کے مہتاب سے پیدا ہے سحر
کیا صفائی ہے کہ پانی ہے خجالت سے گہر   معجزِ حسن عیاں ہے اُتر آیا ہے قمر

لوحِ سیمیں تو اسے کیا۔ ید بیضا کہئے
غش نہ آ جائے اگر برقِ تجلی کہئے

مطلعِ مہرِ تجلی ہے جبیں پر نور   کور ہے دیدۂ خورشیدِ فلک جس کے حضور
زرد ہے مارے خجالت کے رُخِ شعلۂ طور   دیکھے گر شمعِ رخِ حور و پری ہو کافور

گلِ خورشیدِ گلستانِ ضیا ہے وہ جبیں

آبشارِ عرقِ شرم و حیا ہے وہ جبیں

ذرّے افشاں کے درخشاں نہیں پیشانی پر
شعلۂ آتشِ عارض سے اُڑے ہیں یہ شرر

لفّ آسا جو کشیدہ ہے خطِ قشقۂ زر
خطِ رد ہے یہ پئے دفترِ خورشید و قمر

ذرّے افشاں کے جبیں پر جو دمکتے دیکھے

اخترِ طالعِ خورشید چمکتے دیکھے

ساغرِ بادۂ گلنار ہے آنکھوں پہ نثار
مستیِ حسن سے سرمست ہوئے ہیں سرشار

ڈورے آنکھوں میں نہیں جمع ہوئے ہیں میخوار
صاف ہے چہرۂ رنگیں پہ گلستاں کی بہار

مست سمجھیں جو وہ آنکھیں نظر آئیں کالی

گھر کے آتی ہیں گلستاں میں گھٹائیں کالی

انھیں آنکھوں کی تو ہے نرگسِ شہلا بیمار
انھیں آنکھوں پہ تو بادام ہے سو جان نثار

جام کہہ کے ہوئے مست ہزاروں ہشیار
جامِ مے زہرِ ہلاہل سے ہیں دونوں سرشار

زیست سے ہاتھ وہ دھوئے جو یہ ساغر پائے

ساغرِ عمر ہو لبریز ابھی بھر آئے

خضر دیکھے تو کہے ہیں قدحِ آبِ حیات
بہرِ عاشق ہیں مگر ساغرِ سمِ جامِ ممات

کہے کالی جو گھٹا صاف ہے یہ نقصِ صفات
چہرۂ خورشید ہے اظہر ہے من الشمس یہ بات

دیدۂ شوخ سے سرمست متوالے ہیں

کھل گیا دھوپ کی گرمی میں [illegible] ہیں

توسنِ طبع ہمارا ابھی ہے کیا زور آور
چشمِ وحشی کی صفت میں نہیں لگتا دم بھر

گردشِ چشمِ سیاہ و مژۂ جاناں پر
پھبتی اک ور سنتا ہے یہ بیروں اڑ کر

کسی صیاد نے برچھوں میں ہرن گھیرے ہیں
چوکڑی بھرنے پہ آمادہ ہیں رخ پھیرے ہیں

طرفہ آفت ہے بلا ہے نگہِ افسوں ساز
غیرِ اعجاز نہیں ہے کوئی اس کا ہمراز
وقتِ نظارہ بھی باقی ہے حیا کا انداز
آنکھ اٹھا کر کبھی دیکھا تو کیے سیکڑوں ناز

واہ کیا سرمے کے دنبالے سے بھی کام لیا
چشمِ بیمار جو اٹھی تو عصا تھام لیا

وصف دہ کیجیے چشم و مژہ و ابرو کا
جو سنے صاف کہے صل علی اصل علی
موے مژگاں نہیں آنکھ پہ یہ پیش دست دعا
زیرِ محراب اٹھائے ہیں بامید شفا

جنبشِ ہر مژہ آفت ہے خدا خیر کرے
نبضِ بیمار کو سرعت ہے خدا خیر کرے

تیزی موے مژہ میں ہے بھلا کس کو کلام
پردۂ دیدہ بادامِ مشبک ہے تمام
کبھی فصاد اگر خواب میں لے اس کا نام
ہر رگ جو ہر نشتر سے لہو آئے مدام

عاشقِ سوزنِ مژگاں جو کوئی ہوتا ہے
سفتہ آتے ہیں دُرِ اشک اگر روتا ہے

واہ کیا ابروِ خمدار ہے سبحان اللہ
قدرتی حسن کی تلوار ہے سبحان اللہ
عید کا چاند نمودار ہے سبحان اللہ
یہ کمان طرفہ دو ہوا دھار ہے سبحان اللہ

گر مرقع میں بھی اس تیغ کی تصویر کھنچے
شہرۂ مانی و بہزاد میں شمشیر کھنچے

عجیب و غریب ہے ۱۲ چوکڑی بھرنے پہ آمادہ ہیں

مضمون کو دیکھئے جلا دی ... اس کو کہتے ہیں ۱۲

چشم بیمار و مژہ وار ... بیمار ... بامید شفا

شمع فانوس میں ہے پائنچے میں ساق نہیں

پاے نازک ہے وہ نازک صفتِ پائے خیال	سجدہ کرتے ہیں جسے دیکھ کے زہرہ تمثال
کفِ پا صورتِ مہتاب ہیں ناخن ہیں ہلال	نقشِ پا طرفہ دکھاتے ہیں سراپا کمال

خوبصورت یہ دمِ جلوہ گری بنتے ہیں
دیدۂ حور کبھی چشمِ پری بنتے ہیں

راست ہے مثلِ الف بسکہ وہ قدِ بالا	دال ہیں جیسے الف دل میں ہے یوں اسکی جا
دل بنا دال تو ہے دال کہو جان فدا	شک نہیں ثابت اسے تل کے تصور نے کیا

تل سویدا ہے تو پھر رنگ نرالا کچھ ہے
جان کی خیر نہیں دال میں کالا کچھ ہے

واسوخت کے یہ اشعار جو نقل کئے گئے ہیں مشتے نمونہ از خروارے ہیں اسی شان اور اسی رفعت کے صدہا بند اور صدہا مضامین تازہ بخوف طوالت چھوڑ دئے گئے ہیں۔ بالخصوص متعدد سراپا ہیں وہ وہ جدت طرازیاں ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ گویا ایک بحر ذخار ہے جس سے گوناگون موجیں اٹھ رہی ہیں جو دیکھنے والوں کو متغرقِ حیرت کر دیتی ہیں۔

اب میں اس حصہ کتاب کو ختم کرتا ہوں۔ ابھی حضرت امیر کے بہت سے
تصانیف ہیں جن کا ذکر کرنا اور جن کے نمونے ناظرین کے سامنے لانا باقی ہے۔
انشاء اللہ اس حصے کو بھی جلد مرتب و مکمل کرکے شائع کر دونگا تاکہ مزید وضاحت
ہوجائے کہ حضرت امیر نے اپنی زندگی میں کیا کیا کام کئے ہیں اور اُن کی ذات
ملک کے لئے کس درجہ فیض رساں تھی۔ علاوہ بریں بعض سر بر آوردہ شاگردوں کا
ذکر بھی ضرور رہے تاکہ یہ بات بھی روشن ہوجائے کہ حضرت امیر کے پرتو فیض نے
کیسے کیسے خورشید و ماہ چمکائے ہیں۔

اس کتاب میں اب تک صرف سات تصانیف پر ریویو کیا گیا ہے۔

دیوان مرآۃ الغیب	گوہر انتخاب (بیاض مفردات)	دیوان صنم خانۂ عشق
جوہر انتخاب (بیاض مفردات)	محامد خاتم النبیین (دیوان نعت)	قصائد
مجموعہ واسوخت۔		

باقی جن پر ریویو نہیں ہوا وہ تصانیف حسب ذیل ہیں۔

صبح ازل	شام ابد	لیلۃ القدر	ذکر شاہ انبیا
مثنوی نور تجلی	مثنوی ابر کرم	مثنوی قصہ اویس قرنی	مثنوی قصۂ شیدائے رسول
مسدسات مدحیہ	مخمسات نعتیہ وغیرہ	ترجیع بند نعتیہ وغیرہ	تاریخی قطعات
رباعیات	سہرے	ہدایۃ السلطان	ارشاد السلطان
نغمۂ قدسی شرح ضوء المبارک	خیابان آفرینش (میلاد شریف)	سرمۂ بصیرت	نماز کے اسرار
زاد الامیر	وظیفہ جلیلہ	رمز الغیب (جفر)	رموز غیبیہ (جفر)
امیر اللغات	جانِ تاریخ	محاورات مصادر اردو	بہار ہند (لغت اردو بزبان فارسی)

تذکرہ انتخاب یادگار خطوط ست سیا بہاری (سات سو ہندی اشعار کا ترجمہ) دیوانِ فارسی۔

اِس جگہ اتنا ذکر کر دینا مناسب ہے کہ حضرت امیر جس طرح اردو میں لطیف و بلیغ شعر کہتے تھے اُسی طرح فارسی میں بھی کہتے تھے۔ خاتمہ پر بفحوائے ختنا مہ مسک اردو و فارسی کی ایک ایک غیر مطبوعہ غزل درج کیجاتی ہے۔

غزل اردو

تو جہاں بن ٹھن کے نکلا خلق دیوانی ہوئی — جامہ زیبی سے تری کس کس کی عریانی ہوئی

کب نگاہوں سے تری ظاہر پشیمانی ہوئی — ہیں یہ سب گلیاں مری دیکھی ہوئی چھانی ہوئی

پاکدامن ہو گئے آنسو سے تر دامن ترے — اس نمک کی کنکری سے ساری جو پانی ہوئی

جب ہوئی وحشت ترے کوچے ہی میں نکلے چھٹے — خاک بھی سر پر وہی ڈالی جو تھی چھانی ہوئی

اللہ اللہ کس قدر ہے اتحادِ حسن و عشق — بال اُدھر بکھرے اِدھر دل کو پریشانی ہوئی

رات بھر شبنم سے ہم آغوش رہ کر کیا ملا — مفت گل پر تہمت آلودہ دامانی ہوئی

عصمتِ یوسف نے اچھا گل کھلایا مصر میں — پاکدامانی سے پیدا چاک دامانی ہوئی

حالِ دشمن پر بھی دل دکھتا ہے اہلِ درد کا — زخم رد سے تیغِ قاتل کی جو عریانی ہوئی

مجرموں کو دیکھ کر آغوشِ رحمت میں امیر — بیگناہوں کو قیامت کی پشیمانی ہوئی

غزل فارسی

تیغِ تازی بیاید جگرے بہتر ازیں — اے بقربانِ تو ظالم نظرے بہتر ازیں

سر بپایت تو نہم نیست سرے بہتر ازیں — روم از خویش نباشد سفرے بہتر ازین

بوسہ دادی و لبِ خویش گزیدی از ناز — اے شکر لب بادا ے دگرے بہتر ازین

در چمن رفتی و ہر گل بگلِ دیگر گفت — کہ ندیدم گلِ نازک کمرے بہتر ازین

ہر چہ از بسملِ تو روزِ جزا پرسیدند — او ہمان گفت کہ زخمے دگرے بہتر ازین

بر درِ دل بنشیں پاے منہ بر درِ کس — دولت ار میطلبی نیست درے بہتر ازین

یار سرمست و ہوا سرد و مے ناب بجوش — ساقیا باز نیابی سحرے بہتر ازین

نگہے کردی و دل بردی و جانم باقیست — جانِ من گرد تو گردم نظرے بہتر ازین

بیخودی برد بسر منزلِ مقصود امیر — نیست در راہِ جنون راہبرے بہتر ازین

تمام شد

۲۲ شعبان المعظم ۱۳۴۷ھ